کتاب و سنّت کی روشنی میں
www.KitaboSunnat.com
آپ کے
مسائل
اور اُن کا حل
ابوالحسن مبشّر احمد ربّانی
مکتبہ قدوسیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

آپ کے
مسائل
اور اُن کا حل
کتاب وسنت کی روشنی میں

کتاب وسنّت کی روشنی میں

ابوالحسن مبشّر احمد ربّانی
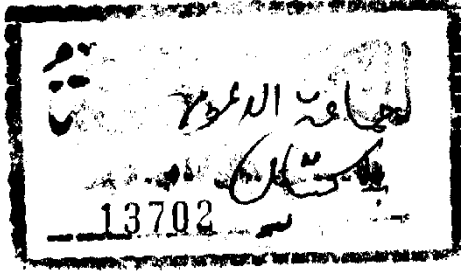
مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور
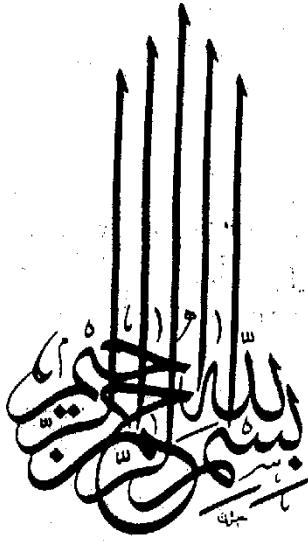
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد

تبصرے

مجلّۃ الدعوۃ فروری ۱۹۹۹ء کا تبصرہ

از : نائب مدیر مجلّۃ الدعوۃ محترم قاضی کاشف نیاز حفظہ اللہ

مولانا مُبشّر احمد ربّانی دعوت و جہاد کے حلقے کے معروف محقق عالم دین ہیں۔ مجلّۃ الدعوۃ میں ان کا ایک کالم "آپ کے سوال قرآن و سُنّت کی روشنی میں" مستقل طور پر ایک عرصے سے شائع ہو رہا ہے۔ قارئین کے انہی سوالات کے جوابات کو انہوں نے بڑی عمدہ ترتیب کے ساتھ جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ ترتیب کا انداز بالکل محدثانہ ہے یعنی ہر موضوع سے متعلق سوالات الگ الگ باب کے تحت لائے ہیں مثلاً عقیدہ و تاریخ سے متعلق سوالات کے جوابات کتاب العقائد والتاریخ کے تحت' نماز کے متعلق سوالات کتاب الصلوٰۃ کے تحت' کاروبار' تجارت وغیرہ سے متعلق سوالات کتاب البیوع کے تحت وغیرہ وغیرہ۔ اس انداز سے قاری کو اپنے متعلقہ سوال کا جواب ڈھونڈنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ کتاب کے پہلے کئی ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں جو عامۃ الناس میں اس کی قبولیت کی دلیل ہے۔ مولانا مُبشّر احمد ربّانی کا سوالات کے جوابات دینے کا انداز ایسا ہے کہ قاری ان کو سمجھنے یا نتیجے تک پہنچنے میں کسی قسم کے ابہام یا اُلجھن اور پیچیدگی کا شکار نہیں ہوتا۔ مسئلے کو وہ پوری سلاست' روانی اور اعتماد کے ساتھ بیان کرتے

جاتے ہیں۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مخالفین کے دلائل کا جائزہ اور قرآن و سُنّت کی روشنی میں ان کا محاکمہ بھی مختصر طور پر اس انداز سے کرتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ کا ہر پہلو سامنے آجاتا ہے اور پھر اس میں سے وہ قرآن وحدیث کے مطابق صحیح اور نکھرا ہوا حل قاری کے سامنے پیش کر دیتے ہیں جس سے قاری کی قلبی و ذہنی طور پر مکمل تسلی و تشفی ہو جاتی ہے۔ تازہ ایڈیشن میں اب مزید خوبی یہ ہے کہ اس کی روایات کی تحقیق و نظر ثانی محقق العصر، عِلم رجال کے ماہر فضیلۃ الشیخ حافظ ابو طاہر زبیر علی زئی حفظہ اللہ سے کرائی گئی ہے جس سے کتاب کی صحت و ثقاہت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ کتاب مجلد اور فور کلر ٹائٹل کور کے ساتھ جاذب نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ بھائی مُبشّر احمد ربانی کے لیے یہ کتاب ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

الاعتصام ۱۶ جولائی ۱۹۹۹ء کا تبصرہ

از : فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالشکور مدنی حفظہ اللہ

اُمت مسلمہ میں اسلامی علوم و فنون کی جمع و تدوین کا سلسلہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں بلکہ نبی رحمت خاتم النبیین ﷺ نے سب سے پہلے کاتبین وحی سے کلام اللہ (قرآن مجید) کی جمع و تدوین کا کام لیا۔ اسی طرح آپؐ کے اقوال، خطوط و احکامات اور دیگر سنن مطہرہ کی جمع و تدوین اور حفاظت کا سلسلہ بھی نبی مکرم ﷺ کے دور سے ہی شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ آج آپؐ کے دور کی مکمل ۲۳ سالہ زندگی کے تمام پہلوؤں (عبادات، معاملات، حقوق اللہ، حقوق العباد، معیشت و معاشرت اور سیاسیات) کا حسین گلدستہ محدثین کی شبانہ روز محنتوں کے سبب دنیا کے ہر کونے میں موجود ہے، جس کی صحت و ثقاہت دوسرے مذاہب اور ادیان میں بھی مسلّم اور قابل رشک تصور کی جاتی ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو اس اعتبار سے تمام امم

سابقہ پر فضیلت اور برتری حاصل ہے کہ اس کے ماخذ قانون شریعت (قرآن مجید اور سُنّت مطہرہ) اپنی صحیح اور اصلی شکل میں موجود ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مسلم اُمہ پر بہت بڑا احسان اور اس کے لیے ایک عظیم اعزاز بھی ہے۔

کتاب و سُنّت کی جمع و تدوین کے ساتھ ساتھ ان کے متعلقہ علوم و فنون (فقہ' اصول فقہ' اصول حدیث' اصول تفسیر اور نحو و صرف وغیرہ) بھی مسلسل ترقی اور عروج کی منزلیں طے کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آیا جب علمائے اُمت کے فتاویٰ کو الگ شکل میں مرتب کیا جانے لگا۔

زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو نوجوان عالم مولانا ابوالحسن مُبشّر احمد ربّانی کے ان فتاویٰ جات کا مجموعہ ہے جو مجلّۃ الدعوۃ میں "آپ کے سوال قرآن و سُنّت کی روشنی میں" کے عنوان سے ۱۹۹۲ء سے تحریر کیے جا رہے ہیں اور ابھی تک یہ سلسلہ بحسن و خوبی جاری ہے۔ اب انہیں سوالات و جوابات کو یکجا کر کے خوبصورت کتابی شکل دے دی گئی ہے جس میں اکثر جوابات مولانا مُبشّر احمد ربّانی کے ہیں جبکہ بعض مقامات پر حضرت حافظ عبدالسلام بھٹوی صاحب' مولانا عبدالرحمٰن عابد صاحب اور مولانا رحمت اللہ کے جوابات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کی یہ پہلی جلد ہے جو مختلف دینی مسائل مثلاً عقائد' طہارت' صلوٰۃ' اذان' نکاح' صداق' جہاد' بیوع اور میراث وغیرہ جیسے چوبیس کتب پر مشتمل ہے اور درج ذیل خوبیوں سے آراستہ ہے:

① ہر سوال کے جواب میں کتاب و سُنّت کا التزام کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔

② صرف صحیح احادیث سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے۔

③ بعض مسائل کی اہمیت کے پیش نظر دوسرے مذاہب کے ساتھ موازنہ اور محاکمہ کا طریق اختیار کیا گیا ہے تاکہ قارئین کے لیے صحیح اور راجح موقف

سامنے آسکے۔

④ جوابات کے انداز سے مولانا کے تحقیقی ذوق اور وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

⑤ جوابات نہایت سادہ اور سلیس اردو میں تحریر کیے گئے ہیں۔ لفظی ہیر پھیر پر تکلف تراکیب اور مشکل عبارات سے احتراز کیا گیا ہے۔ ہر قاری مسئلہ کا جواب بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

⑥ شروع میں "پیشِ لفظ" کے نام سے حجیت حدیث پر ایک مفصل اور مدلل مقدمہ فاضل مصنف نے قلم بند کیا ہے جو نہایت وقیع اور جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ مصنف اور دیگر معاونین کی اس محنت شاقہ اور ذوقِ سلیم کو شرف قبولیت بخشے اور کتاب و سنت کی مزید صحیح ترجمانی' ترویج و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فہرست

كِتَابُ الْعَقَائِدِ وَالتَّارِيْخِ

كِتَابُ الْمَسَاجِدِ

كِتَابُ الْجَنَائِزِ

كِتَابُ الْجِهَادِ

كِتَابُ النِّكَاحِ

کِتَابُ الْجَامِعِ

خطبہ مسنونہ

و

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

((إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِىَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ، ﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾

[آل عمران : ۱۰۲]

﴿ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾

[النساء : ۱]

﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ [الاحزاب : ۷۰، ۷۱]

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتٰبُ اللّٰهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ

بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ.))

[مأخوذ من مسلم والنسائی وأبی داؤد وابن ماجه وابن خزيمة وغيرها]

"یقیناً تمام تعریفوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم اُسی کی تعریف کرتے ہیں' اُسی سے مدد مانگتے اور اُسی سے معافی چاہتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نفوس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بُرائیوں سے پناہ پکڑتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے' اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اُس کے بندے اور رسول ہیں۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جیسے اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت اسلام پر ہی آئے۔

اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اِس سے اُس کا جوڑا بنایا' پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جس کا نام لے کر تم مانگتے ہو اور رشتہ داریوں (کو توڑنے) سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور سیدھی بات کرو۔ وہ تمہارے کام درست کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور جو اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی پائی۔

اَما بعد! بے شک سب سے سچّی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے اچھا راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور بدترین کام دین میں نو ایجاد کردہ چیزیں ہیں اور دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔"

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانیت کی راہنمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور سلسلۂ نبوت و رسالت کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا طریقۂ تبلیغ عطا کیا جس کی روشنی میں اُمت مسلمہ اپنی عاقبت سنوار سکتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پیش آمدہ مسائل کا حل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کرتے تھے۔ آپؐ ان کے تمام مسائل کو وحی الٰہی کی روشنی میں حل کیا کرتے تھے۔ آپؐ کے فتاویٰ انتہائی جامع اور غیر مبہم ہوا کرتے تھے۔ ان سے کسی مسلمان کو روگردانی کی کوئی گنجائش نہیں۔ آپؐ کی اطاعت و اتباع واجب ہے۔ آپؐ کی عدالتِ عالیہ سے صادر ہونے والے فتاویٰ کو تسلیم کرنا پوری اُمت مسلمہ پر فرض ہے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے احکامات سے انحراف کرتا ہے تو وہ ایماندار نہیں ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾ [النساء ٤ : ٥٩]

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو

اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ اگر تمہارا کسی بات میں اختلاف واقع ہو جائے تو اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹاؤ' یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ وحدہٗ لا شریک لہ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے اور یہ اطاعت غیر مشروط ہے۔ اسی طرح ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ ﴾ کے بعد ﴿ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ تو کہا ہے لیکن ﴿ اَطِيْعُوا أُولِي الْأَمْرِ ﴾ نہیں کہا۔ کیونکہ اولی الامر کی اطاعت غیر مستقل اور مشروط ہے۔

اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے تنازع و اختلاف کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں لیکن اولی الامر سے اختلاف و تنازع ہو سکتا ہے اس لیے تمام تنازعات و اختلافات کے حل کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے اور کئی ایک احادیثِ صحیحہ میں بھی اس بات کی توضیح کی گئی ہے۔

① عَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوا لَهٗ وَأَطِيْعُوا.))

[رواہ مسلم' مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ والقضاء الفصل الاوّل (۳۶۶۲)]

"اُمّ الحصین رضی اللہ عنہا نے کہا : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اگر تمہارے اوپر ناک اور کان کٹا غلام امیر بنا دیا جائے جو تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔"

② عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ' إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ.))

[متفق علیہ' مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ والقضاء الفصل الاوّل (۳۶۶۵)]

"علی رضی اللہ عنہ نے کہا : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : نافرمانی میں اطاعت نہیں' اطاعت صرف نیکی میں ہے۔"

③ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.))

[رواہ فی شرح السنۃ (۲۴۵۵)' مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ والقضاء الفصل الثانی (۳۶۹۶)]

"نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ نے کہا : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔"

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوا کہ اولی الامر کی اطاعت اللہ کی کتاب سے مشروط ہے اگر وہ اللہ کی شریعت کے مطابق حکم کریں تو ان کی بات سننا اور ماننا لازمی ہے اور اگر ان سے کوئی ایسا حکم صادر ہو جائے جو شریعت کے خلاف ہو تو پھر ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

اللہ کی اطاعت سے مراد قرآنِ حکیم اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے مراد آپ کی حدیث کو ماننا ہے۔ گویا تمام دینِ اسلام کا دارومدار قرآن و حدیث پر ہے اور یہ دونوں اصل و اساس ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہی دو چیزوں کی طرف اپنے تمام معاملات میں رجوع کرتے تھے اور پیش آمدہ مسائل کا حل اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے طلب کرتے تھے۔

اور بے فائدہ سوالات پوچھنے سے اجتناب کرتے تھے اور نہ ہی ایسے سوالات دریافت کرتے تھے جو پیش نہ آئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے وہاں یہ ادب بھی سکھا دیا ہے کہ ایسے اُمور کے متعلق سوال نہ کرو جن کی حقیقتیں اگر واضح کر دی گئیں تو تمہیں بُرا محسوس ہو گا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ [المائدہ ۵ : ۱۰۱]

"اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں لیکن اگر تم انہیں ایسے وقت پوچھو گے جب قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر کھول دی جائیں گی۔ اب تک جو کچھ تم نے کیا اُسے اللہ نے معاف کر دیا' وہ درگزر کرنے والا' بردبار ہے۔"

یہ تنبیہ اللہ تعالیٰ نے اُس وقت فرمائی جب بعض لوگ رسول اللہ ﷺ سے عجیب عجیب قسم کے فضول سوالات کیا کرتے تھے' جن کی کسی معاملہ میں بھی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر ایسی اشیاء کا تعین کرانا چاہتے تھے جنہیں شارع علیہ السلام نے مصلحتاً غیر معین رکھا ہے۔

مثال کے طور پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

((خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّاسَ فَقَالَ : إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَالَ رَجُلٌ : فِي كُلِّ عَامٍ' فَسَكَتَ عَنْهُ حَتّٰى أَعَادَهُ ثَلاَثًا' فَقَالَ : لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ' وَلَوْ وَجَبَتْ مَا قُمْتُمْ بِهَا' ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ' فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلاَفِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ' فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِالشَّيْ فَخُذُوْا بِهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ.))

[سنن النسائی کتاب مناسك الحج باب وجوب الحج (۲۶۱۸)' مسلم کتاب الحج باب فرض الحج مرّة فی العمر (۴۱۲-۱۳۳۷)]

"رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حج فرض کیا ہے۔ ایک آدمی نے کہا : کیا ہر

سال؟ آپؐ نے اس سے خاموشی اختیار کی' یہاں تک کہ اُس نے تین مرتبہ دُہرایا- پھر آپؐ نے فرمایا : اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال واجب ہو جاتا اور اگر حج ہر سال واجب ہو جاتا تو تم ادا نہ کر سکتے-" جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑے رکھو. تم سے پہلے لوگ سوالات کی کثرت اور اپنے انبیاء (علیہم السلام) کی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوئے- جب میں تمہیں کسی کام کا حکم کروں تو مقدور بھرپورا کرو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو-"

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج کا حکم قرآنِ حکیم میں مجمل طور پر تھا جس کے متعلق لا یعنی سوالات سے رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا۔ اگر آپؐ اس اجمال کی تفصیل میں یہ فرما دیتے کہ ہر سال حج فرض ہے تو اُمت پر گراں گزرتا۔ اس لیے مصلحتاً اس حکم کو اس طرح رہنے دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کا تذکرہ شریعت میں نہیں کیا گیا وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ پس ہمیں بھی اُن کے متعلق خاموش رہنا چاہیے اور اگر اُمت کے کسی فرد کی وجہ سے کوئی مشکل اَمر لوگوں پر لاگو کر دیا جائے تو وہ آدمی بہت بڑا مجرم ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ.))

[صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة' باب ما یکره من کثرة السؤال (۷۲۸۹)' صحیح مسلم کتاب الفضائل باب توقیره ﷺ و ترك إکثار سؤاله عما لا ضرورة الیه (۱۳۲ - ۲۳۵۸)' شرح السنة ۱ / ۳۰۹ (۱۴۳)' مسند احمد ۱/۱۷۹]

"بلاشبہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اُس کے سوال کرنے کی وجہ سے

وہ حرام قرار دی گئی۔"

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا، وَ سَكَتَ عَنْ كَثِيْرٍ عَنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تُكَلِّفُوْهَا رَحْمَةُ اللّٰهِ فَاقْبَلُوْهَا.))

[المعجم الاوسط للطبرانی ۸/ ۲۲۳ (۷۴۵۷)]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں تم ان سے تجاوز نہ کرو اور بھول کے بغیر بہت سی چیزوں سے سکوت اختیار کیا تم ان کے متعلق دُشواری میں نہ پڑھو' اُس کی رحمت ہے' اسے قبول کرو۔"

ایک اور روایت میں ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا، وَ حَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا، وَ سَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً بِكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَسْئَلُوْا عَنْهَا.))

[تفسیر ابنِ کثیر ۲/ ۱۲۰' امام ابنِ کثیرؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں پس تم انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں تم ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ اشیاء کو حرام قرار دیا ہے تم ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ اشیاء سے سکوت کیا ہے اور یہ بھولنے کی وجہ سے نہیں بلکہ تم پر رحمت کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا ان کے متعلق سوال نہ کرو۔"

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیل و قال اور کثرتِ سوال اور مال کے ضیاع کو ناپسند کیا ہے۔ [بخاری کتاب الادب باب عقوق الوالدین من الکبائر (۵۹۷۵)]

مندرجہ بالا احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوا کہ فضول اور بے مقصد سوالات کرنا شریعت کی رُو سے ناپسندیدہ ہے۔ بعض احناف حدیث و سُنّت کا استہزاء کرتے ہوئے بے معنی اور فضول سوالات کرتے ہیں اور کئی ایسے مسائل دریافت کرتے ہیں جو کہ کبھی پیش نہیں آتے' اُن کی اصلاح کے لیے مفتی محمد شفیع صاحب کی ایک عبارت درج ذیل ہے' اس پر غور و خوض کریں' ان شاء اللہ' اللہ تعالیٰ راہِ راست کی توفیق عطا فرمائے گا۔ مفتی صاحب سورۃ مائدہ کی آیت نمبر۱۰۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"ختم نبوت اور سلسلۂ وحی کے انقطاع کے بعد ایسے سوالات کا اگرچہ یہ اثر نہ ہوگا کہ نئے احکام آ جائیں' جو چیزیں فرض نہیں ہیں وہ فرض ہو جائیں یا بذریعہ وحی کسی کا خفیہ راز آشکارا ہو جائے لیکن بے ضرورت سوالات گھڑ گھڑ کر ان کی تحقیقات میں پڑنا یا بے ضرورت چیزوں کے متعلق سوالات کرنا بعد انقطاعِ نبوت کے بھی مذموم اور ممنوع ہی رہے گا۔ کیونکہ اس میں اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ.))

"یعنی مسلمان ہونے کی ایک خوبی یہ ہے کہ آدمی فضول باتوں کو چھوڑ دیتا ہے۔"

اِس سے معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمان جو بالکل فضول چیزوں کی تحقیق میں لگے رہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا کیا نام تھا؟ اور نوح علیہ السلام کی کشتی کا طول و عرض کیا تھا؟ جن کا کوئی اثر انسان کے عمل پر نہیں' ایسے سوالات کرنا مذموم ہے۔" [معارف القرآن ۳/ ۲۴۶ مطبوعہ دہلی]

معلوم ہوا کہ جو لوگ لایعنی چیزوں کے متعلق سوالات کرتے ہیں ان کا یہ عمل درست نہیں ہے۔ اہل الرائے اور اہل حدیث کے طریق استنباط میں یہی فرق ہے

کہ اہل الرائے ایسے ایسے سوالات پیدا کر کے ان کا جواب ڈھونڈتے جو کبھی پیش نہ آئے ہوتے۔ اکثر فرضی مسائل کھڑے کر کے ان کے متعلق غور و خوض کرتے لیکن اہل الحدیث کا طرۂ امتیاز رہا ہے کہ جو مسئلہ پیش آتا اُس کے بارے میں کتاب و سُنّت کو دیکھتے اگر صراحتاً کتاب و سُنّت سے مل جاتا تو بہت اچھا...... اور اگر صراحتاً نہ ملتا تو استدلال و استنباط کرتے۔ اہل الحدیث کا یہ طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماخوذ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لایعنی اور بے معنی گفتگو سے اجتناب کرتے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی سوالات پوچھتے جن کی حقیقتاً انہیں ضرورت ہوتی۔ اس پر کتاب و سُنّت کے بے شمار صفحات شاہد ہیں' بامقصد سوالات کے جوابات تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی دیئے ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ﴾

[البقرة ۲ : ۱۸۹]

"آپ سے چاند کی گھٹتی بڑھتی صورتوں کے متعلق پوچھتے ہیں' کہو : یہ لوگوں کے لیے تاریخوں کی تعین کی اور حج کی علامتیں ہیں۔"

[ترجمہ : مودودیؒ]

اللہ ذوالجلال والاکرام نے ایک اور مقام پر فرمایا :

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ..... ﴾ [البقرة ۲ : ۲۲۲]

"اور پوچھتے ہیں' حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو : وہ ایک گندگی کی حالت ہے' اِس میں عورتوں سے الگ رہو۔"

ایک اور مقام پر فرمایا :

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ..... ﴾
[الانفال ۸ : ۱]

"تم سے مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں، کہو یہ مالِ غنیمت تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا ہے۔"

اِسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا :

﴿ فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَؤُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ ﴾ [یونس ۱۰ : ۹۴]

"اگر آپ اُس کی طرف سے شک میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ اُن لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ بے شک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں سے نہ ہوں۔"

ایک اور جگہ پر ارشاد ہے :

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [النحل ۱۶ : ۴۳]

"اور آپ سے پہلے بھی ہم مردوں (انبیاء علیہم السلام) کو بھیجتے رہے جن کی جانب وحی اُتارا کرتے تھے۔ پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل عِلم سے دریافت کر لو۔"

مذکورہ بالا آیاتِ بینات سے معلوم ہوا کہ جائز اور ضروری سوالات پوچھنے میں کوئی قباحت نہیں لیکن بے مقصد اور فضول سوالات پوچھنا مذموم اور قابل نفرت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے مسائل دریافت

کرتے تھے اور آپؐ وحی الٰہی کی روشنی میں اُنہیں جوابات مرحمت فرماتے۔ آپؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ منصب سنبھالا۔ اسی طرح یہ سلسلہ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے جاری رکھا جو علومِ نبوت کے شرعی طور پر وارث تھے اور ائمہ محدثین رحمہم اللہ کا گروہ اپنے تمام مسائل کو قرآن و حدیث سے ہی اخذ کرتا تھا اور یہی اہلحدیث کا طرۂ امتیاز ہے۔

الحمد للہ! ہم اسی سلسلے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے مجلّۃ الدعوۃ میں مستقل بنیادوں پر ''آپ کے مسائل اور ان کا حل کتاب و سُنّت کی روشنی میں'' پیش کر رہے ہیں اور اس کی جلد اوّل ''آپ کے مسائل کا حل قرآن و سُنّت کی روشنی میں'' کے نام سے مجاہدینِ لشکر طیبہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۹۹۷ء میں پیش کی اور اب یہ اس کی دوسری جلد ہے جو اس وقت آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔

جلد اوّل کے مقدمہ میں راقم الحروف نے مختصراً یہ عرض کیا تھا کہ ہم نے حتی الوسع یہ کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کوئی کمزور و ضعیف روایت معرضِ استدلال میں پیش نہ ہو ——— کیونکہ ضعیف روایات سے شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، اگرچہ بعض علماء ترغیب و ترہیب اور فضائل اعمال میں ضعیف روایات ذکر کرتے ہیں لیکن کبار محدثین و اصولین رحمہم اللہ ضعیف حدیث پر عمل کو نہ تو احکام میں جائز سمجھتے ہیں اور نہ ہی فضائل اعمال وغیرہ میں۔ ان محدثین رحمہم اللہ کے گروہ میں امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، امام ابنِ حبان البستی، امام ابنِ حزم، امام ابن العربی المالکی، امام ابو شامہ المقدسی، امام ابنِ تیمیہ، امام شاطبی، امام خطیب بغدادی اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ جیسی عظیم الشان ہستیاں شامل ہیں۔

علامہ محمد جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ضعیف روایت کے بارے میں تین مذہب ہیں:

((الاول لا یعمل به مطلقًا، لا فی الاحکام، ولا فی الفضائل،

حکاه ابن سید الناس فی عیون الاثر عن یحیٰی بن معین، و نسبه فی فتح المغیث لابی بکر بن العربی، والظاهر أن مذهب البخاری و مسلم ذلك ایضًا، یدل علیه شرط البخاری فی صحیحه، و تشنیع الامام مسلم علی رواة الضعیف کما اسلفناه، و عدم اخراجهما فی صحیحهما شیئًا منه، و هذا مذهب ابن حزم رحمه الله ایضًا حیث قال فی الملل والنحل : ((ما نقله اهل المشرق والمغرب، او کافة عن کافة، او ثقة عن ثقة، حتی یبلغ إلی النبی ﷺ، إلاّ أن فی الطریق رجلاً مجروحًا بکذب أو غفلة، أو مجهول الحال، فهذا یقول به بعض المسلمین ولا یحل عندنا القول به ولا تصدیقه ولا الاخذ بشیء منه.)) انتهٰی

[قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث ص : ۱۱۳]

"پہلا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل مطلقاً جائز نہیں، نہ احکام میں اور نہ فضائل میں۔ ابن سید الناس نے "عیون الاثر" میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی نسبت اور علامہ سخاوی نے "فتح المغیث" میں امام ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کی طرف یہ مذہب منسوب کیا ہے۔ بظاہر امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی اپنی صحیح میں شرط اور امام مسلم رحمہ اللہ کا ضعیف راویوں پر تشنیع کرنا اور صحیحین میں ان سے کسی روایت کی تخریج نہ کرنا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے ہاں ضعیف رِوایت پر عمل مطلق طور پر جائز نہیں۔

یہی مذہب امام ابنِ حزم رحمہ اللہ کا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں فرمایا ہے کہ : (پانچویں چیز وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا کہ) وہ روایت جس کو اہل مشرق و مغرب نے یا گروہ نے گروہ سے یا ثقہ نے

ثقہ سے نقل کیا، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی۔ لیکن اگر کسی طریق میں کوئی ایسا راوی ہے جو کذب یا غفلت یا مجہول الحال ہونے کے ساتھ مجروح ہے، یہ بھی وہ بات ہے جس کو بعض مسلمانوں نے بیان کرنا جائز رکھا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کا بیان کرنا، اس کی تصدیق کرنا یا اس سے کچھ اخذ کرنا حلال نہیں ہے۔

دوسرا مذہب علامہ قاسمی رحمہ اللہ نے امام سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ کا نقل کیا ہے جن کے نزدیک ضعیف روایت پر عمل کرنا مطلقاً جائز ہے اور تیسرا مذہب فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو چند شروط کے ساتھ قبول کیا گیا ہے لیکن ہمارے نزدیک پہلا مذہب ہی راجح و قوی ہے کیونکہ کسی اَمر کا مستحب ہونا بھی ایک شرعی امر ہے اور شرعی اُمور کے لیے صحیح دلیل ہی درکار ہوتی ہے۔

مشہور متعصب حنفی عالم محمد زاہد کوثری نے لکھا ہے کہ:

((والمنع من الاخذ بالضعيف على الاطلاق مذهب البخاري و مسلم و ابن العربي- كبير المالكية في عصره- و أبي شامة المقدسي- كبير الشافعية في زمنه- و ابن حزم الظاهري، والشوكاني ولهم بيان قوي في المسئلة لا يهمل.)) [مقالات الكوثري ص : ۴۵، ۴۶]

"ضعیف روایت کو مطلق طور پر نہ لینا، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوبکر ابن العربی جو اپنے دور میں کبیر مالکی عالم تھے، امام ابو شامہ المقدسی جو اپنے وقت میں کبیر شافعی عالم تھے، امام ابنِ حزم اور امام شوکانی (رحمہم اللہ) وغیرہ کا مذہب ہے اور ان کا اس مسئلہ میں قوی بیان ہے جو کہ غیر مہمل ہے۔

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

((والذی اراه : أن بيان الضعف في الحديث الضعيف واجب على كل حال' لان ترك البيان يوهم المطلع عليه انه حديث صحيح' خصوصًا اذا كان الناقل له من علماء الحديث الذين يرجع الى قولهم في ذلك' وانه لا فرق بين الاحكام و بين فضائل الاعمال و نحوها في عدم الاخذ بالرواية الضعيفة' بل لاحجة لاحد الا بماصح عن رسول الله ﷺ من حديث صحيح أو حسن.))

[الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث ص : ٨٦'٨٧]

"وہ بات جسے میں سمجھتا ہوں' ضعیف روایت کا ضعف بیان کرنا ہر حال میں ضروری ہے اس لیے کہ اس کا بیان ترک کرنا اس پر اطلاع پانے والے کو اس وہم میں مبتلا کرتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ بالخصوص جب اس روایت کو نقل کرنے والے علمائے حدیث ہوں جن کی طرف اس مسئلے میں رجوع کیا جاتا ہے۔ ضعیف روایات کے اخذ نہ کرنا کے متعلق احکام اور فضائل اعمال وغیرہ کے درمیان کوئی فرق نہیں بلکہ کسی آدمی کے لیے رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح اور حسن احادیث کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ حجت پکڑنا درست نہیں ہے۔"

علامہ شوکانی رحمہ اللہ امام ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ کے ضعیف روایت پر تساہل کے مؤقف پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

((ان الاحكام الشرعية متساوية الاقدام' لا فرق بينها' فلا يحل اثبات شيء منها الا بما تقوم به الحجة' و الا كان التقول على الله بما لم يقل و فيه من العقوبة ما هو معروف.

[الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة ص : ٢٨٣]

"بلاشبہ شرعی احکام باہم برابر ہیں' ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے

پس جب تک حجت قائم نہ ہو جائے ان میں سے کسی شے کا اثبات جائز نہیں ہے، جس نے ایسا کیا گویا اُس نے اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہی جو اُس نے نہیں فرمائی۔ یہ فعل باعث عقوبت ہے، جیسا کہ معروف ہے۔"

امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا یجوز ان یعتمد فی الشریعة علی الاحادیث الضعیفة التی لیست صحیحة ولا حسنة۔

[قاعدہ جلیلة فی التوسل والوسیلة ص: ۱۱۲، ۱۱۳ط - بیروت]

"شریعت میں ایسی ضعیف روایات پر اعتماد جائز نہیں ہے جو صحیح ہیں نہ حسن۔"

علامہ جلال الدین الدوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اتفقوا علی ان الحدیث الضعیف لا یثبت به الاحکام الخمسة الشرعیة ومنها الاستحباب۔"

[مقدمہ صحیح الجامع الصغیر ص: ۵۱]

"ائمہ رحمہم اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث سے پانچ شرعی احکام ثابت نہیں ہوتے اور ان میں سے مستحب بھی ہے۔

اور شیخ البانی رحمہ اللہ کا بھی یہی مؤقف ہے جس کو انہوں نے اپنی کتب میں بالوضاحت درج کیا ہے اور ہمارے نزدیک بھی راجح مؤقف یہی ہے کہ ضعیف روایات سے شرعی احکام ثابت نہیں ہوتے اور کسی اَمر کا مستحب ہونا بھی ایک شرعی امر ہے، اس کے لیے بھی صحیح دلیل کی ضرورت ہے، کمزور اور ضعیف روایات سے استحباب ثابت نہیں ہوتا اس لیے ہم اپنے جوابات میں ضعیف روایت کو بطورِ احتجاج درج نہیں کرتے۔

اور ہماری اس کتاب کی یہی خوبی ہے کہ اس میں مسائل کا حل قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ و حسنہ سے پیش کیا جاتا ہے، جس کا اہتمام کتب فتاویٰ میں بہت

شاذ ہے۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو قبولیت عامہ عطا کی ہے کہ اجتماع ۱۹۹۷ء سے لے کر اب تک اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اور اس سے عوام الناس اور اہل علم فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ راقم الحروف اور دیگر معاونین کو اس کا اَجر جزیل عطا فرمائے اور بخشش و نجات کا ذریعہ بنائے۔

"آپ کے مسائل" کی اس جلد میں بھی حسب سابق مجلّۃ الدعوۃ میں شائع ہونے والے دیگر علماء کی تحقیق کو بھی شامل کیا گیا ہے اور ان مقامات پر ان عظیم المرتبت علمائے اسلام کا نام درج کر دیا گیا ہے۔

مُلک کے طول و عرض سے سوالات ارسال کرنے والے بھائیوں کے تمام جوابات تو اس میں شامل نہیں ہوئے اور نہ ہی دو جلدیں اس کی متحمل ہیں۔ ابھی ہمارے پاس بہت سے بھائیوں کے سوالات موجود ہیں۔ جن کا جواب ہمارے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو اگلی جلدوں میں انہیں رفتہ رفتہ پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

اِس جلد کو اب "مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ" کی جانب سے پیش کیا جا رہا ہے۔ الحمد للہ "مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ" نے بہت قلیل وقت میں کئی تحقیقی کتب قارئین کے سامنے پیش کی ہیں اور کئی ایک علمی و تحقیقی کتب ابھی زیر ترتیب ہیں جن کی تکمیل کے لیے قارئین کرام سے دُعا کی اپیل ہے۔ یہ چند حروف حالتِ سقمی میں صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیئے ہیں۔ مسلسل کام کی وجہ سے طبیعت کافی علیل رہتی ہے' اللہ تعالیٰ سے شفائے کاملہ و عاجلہ کی درخواست ہے۔ آپ بھائیوں سے بھی گزارش کروں گا کہ جب آپ ان حروف کا مطالعہ کریں تو راقم کے لیے بھی صدقِ دِل سے صحت و تندرستی اور ایمان پر ثابت قدمی کی دُعا مانگیں۔ اللہ

تعالیٰ تمام مسلمانوں مؤحدین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور ہر قسم کے دُکھ درد سے محفوظ رکھے۔ آمین

آخر میں اللہ تعالیٰ سے ان تمام اساتذہ کرام کے لیے بھی صدقِ دِل سے دُعاگو ہوں جنہوں نے بڑی محنت و لگن سے مجھے دینی علوم سے روشناس کرایا اور خصوصی توجہ سے دینِ اسلام کی تعلیم دی' بالخصوص شیخ القران والحدیث عالم نبیل مفتی شہیر محمد عبیداللہ خاں عفیف' فضیلۃ الشیخ ابراہیم خلیل الفضلی فاضل مدینہ یونیورسٹی' المحقق الاصولی فضیلۃ الشیخ الحافظ ثناء اللہ الزاہدی' الفقیہ المحدث' فضیلۃ الشیخ ابو الفضل فیض الرحمٰن الثوری رحمۃ اللہ علیہ ----- اللہ تبارک و تعالیٰ میرے ان مشائخ و اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور جہاں جہاں علم و فضل کی مسندیں سجائے بیٹھے ہیں' ان میں برکاتِ کاملہ نازل فرمائے اور ان کی مساعی جمیلہ کو درجۂ قبولیت سے نواز دے۔ آمین

اللهم اغفرلي ولوالدي و لمشائخي و للمؤمنين المجاهدين' يوم يقوم الحساب-

ابو الحسن مُبشّر احمد ربّانی عفا اللہ عنہ
۴/۱۰/۱۹۹۹ء

کتاب

العقائد والتاریخ

زمانے کو بُرا کہنا

س: بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ برا زمانہ آگیا ہے۔ ہر زمانہ تو اللہ کا زمانہ ہے۔ کیا زمانے کو برا بھلا کہنا چاہیئے۔ کتاب و سنت کی رو سے وضاحت فرمائیں؟

(حافظ عبداللہ ' سکیم موڑ لاہور)

ج: زمانۂ جاہلیت میں جب مشرکینِ عرب کو کوئی دُکھ ' غم ' شدت و بلاء پہنچتی تو وہ کہتے یَا خَیْبَةَ الدَّھْرِ (ہائے زمانے کی بربادی) وہ ان افعال کو زمانے کی طرف منسوب کرتے اور زمانے کو برا بھلا کہتے اور گالیاں دیتے حالانکہ ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ جاثیہ کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((کَانَ اَھْلُ الْجَاھِلِیَّةِ یَقُوْلُوْنَ إِنَّمَا یُھْلِکُنَا اللَّیْلُ وَالنَّھَارُ وَھُوَ الَّذِیْ یُھْلِکُنَا یُمِیْتُنَا وَیُحْیِیْنَا فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہٖ وَقَالُوْا مَا ھِیَ اِلاَّ حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُھْلِکُنَا اِلاَّ الدَّھْرُ))

[ابن کثیر ۱۵۹/۴]

"اہل جاہلیت کہتے تھے کہ ہمیں رات اور دن ہلاک کرتا ہے وہی ہمیں مارتا اور زندہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا انہوں نے کہا کہ ہماری زندگی صرف اور صرف دُنیا کی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے دراصل انہیں اس

کی خبر نہیں یہ تو صرف اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ زمانہ کو برا بھلا کہنا اور اپنی مشکلات اور دکھوں کو زمانے کی طرف منسوب کر کے اسے برا بھلا کہنا مشرکین عرب اور دھریہ کا کام ہے۔ دراصل زمانے کو برا بھلا کہنا اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يُؤْذِيْنِي ابْنُ اٰدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ))

[بخاری کتاب التفسیر سورۃ جاثیہ (۴۸۲۶) مسلم (۲۲۴۶) باب النہی عن سب الدھر مسند حمیدی ۲/۴۶۸ (۱۰۹۶) مسند احمد ۲/۲۳۸ ابو داؤد کتاب الادب (۵۲۷۴)]

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے۔ زمانے کو گالیاں دیتا ہے اور میں (صاحب) زمانہ ہوں۔ میرے ہاتھ میں معاملات ہیں۔ میں رات اور دن کو بدلتا ہوں"۔

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ))

"زمانے کو برا نہ کہو یقیناً اللہ ہی زمانہ ہے۔ یعنی زمانے والا ہے"۔

مسند ابی یعلیٰ ۱۰/۴۵۲ (۶۰۶۶) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ: يَا ضَيْعَةَ الدَّهْرِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ))

[حلیۃ الاولیاء ۸/۲۵۸]

"ہائے زمانے کی بربادی' ہرگز کوئی نہ کہے' بے شک اللہ ہی زمانے والا ہے"۔

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "انا الدھر" کا معنی ہے کہ:

((أَنَا صَاحِبُ الدَّهْرِ وَمُدَبِّرُ الْاُمُوْرِ الَّتِيْ يَنْسِبُوْنَهَا اِلَى الدَّهْرِ

فَمَنْ سَبَّ الدَّھْرِ عَنْ اَجْلِ اَنَّہٗ فَاعِلُ ھٰذِہِ الْاُمُوْرِ عَادَ سَبُّہٗ إِلٰی رَبِّہِ الَّذِیْ ھُوَ فَاعِلُھَا)) [فتح الباری ۵۷۵/۸٦]

"میں زمانے والا اور کاموں کی تدبیر کرنے والا ہوں۔ جن کاموں کو یہ زمانے کی طرف منسوب کرتے ہیں (یعنی دن رات کا نظام وغیرہ ابدی ہے خود بخود چل رہا ہے۔ یہ زمانہ ہی مارتا اور زندہ کرتا ہے) جس نے زمانے کو اس بنا پر برا بھلا کہا کہ وہ ان اُمور کا بنانے والا ہے تو اس کی گالی اس رب کی طرف لوٹنے والی ہے جو ان اُمور کا بنانے والا ہے"۔

لہٰذا زمانے کو برا بھلا کہنا جیسا کہ عوام الناس میں رائج ہے کہ زمانہ برا آگیا ہے 'گیا گزرا زمانہ ہے' 'وقت کا ستیاناس وغیرہ دراصل اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنا ہے کیونکہ سارا نظام عالم اللہ وحدہ لا شریک کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی پیدا کرنے والا اور وہی مارنے والا ہے وہی مدبر الامور ہے۔ منتظم اور سب کی بگڑی بنانے والا گنج بخش' غوث اعظم' داتا' فیض بخش اور دست گیر ہے اس لیے ان اُمور اور زمانے کو برا کہنا اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے جو ان سب کا خالق ہے۔ لہٰذا ایسے کلمات کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

آستانوں اور مزاروں پر اللہ کے نام کی نذر و نیاز وغیرہ کا حکم

س کیا کسی مزار یا آستانے پر اللہ تعالیٰ کے نام کی دیگ پکا کر چڑھانا تقسیم کرنا جائز و درست ہے؟ قرآن و حدیث کی رو سے جواب دیں۔

ج ہر قسم کی عبادات صرف اور صرف اللہ وحدہٗ لا شریک کے لیے بجا لانی چاہئیں اور شرک سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴾

[الانعام : ۱۶۲'۱۶۳]

"آپ کہہ دیجئے یقیناً میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں"۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عبادت صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنانا چاہئے۔ نذر و نیاز منت و منوتی' و ذبح وغیرہ بھی اسی کے لیے کیے جائیں۔ غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ بھی حرام ہے اور ایسے ذبیحہ والا آدمی ملعون ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ))

[مسلم (۱۹۷۸) باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالٰی نسائی ۷/۲۳۲ باب من ذبح لغیر اللہ]

"اللہ کی لعنت ہو اس آدمی پر جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا"۔

یعنی جو جانور غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے وہ درست نہیں ایسا کرنے والا ملعون ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ تفسیر نیشا پوری میں لکھا ہے کہ :

أَجْمَعُ الْعُلَمَاءُ لَوْ أَنَّ ذَبَحَ ذَبِيحَةً وَقَصَدَ بِذَبْحِهَا التَّقَرُّبَ إِلَى غَيْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِيحَتُهُ ذَبِيحَةُ مُرْتَدٍّ انْتَهٰى

[فتاوٰی عزیزی اردو ص ۵۳۷]

"علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ ذبح کیا کسی نے کوئی ذبیحہ اور قصد کیا اس ذبح سے تقرب غیر اللہ کا تو وہ شخص مُرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ

مُرتد کے ذبیحہ کی مانند ہو جائے گا"۔

لہذا نذر و نیاز ذبیحے اور چڑھاوے صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے تقرب کی خاطر ہوں' ان میں ذرہ برابر بھی غیر اللہ کی شراکت نہ ہو۔ کیونکہ غیر اللہ کی شراکت سے اپنا سارا عمل رائیگاں ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مقامات جہاں پر غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہے جیسا کہ مزاروں اور آستانوں پر قبروں کو سجدے کیے جاتے ہیں۔ ان کے تقرب کے لیے جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ وہاں پر اعتکاف بیٹھا جاتا ہے۔ وغیرھا من الخرافات ایسی جگھوں پر اللہ تعالیٰ کے نام کا چڑھاوا چڑھانا' دیگیں پکانا اور نذر و نیاز دینا ناجائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ:

((نَذَرَ رَجُلٌ أَنْ يَّنْحَرَ إِبِلاً بِبَوَانَةَ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ))

[كتابُ التوحيد ص ۵۱ ابوداؤد كتابُ الايمان والنذر باب ما يومر به من الوفاء بالنذر (۳۳۱۳) بیهقی ۸۳/۱۰ طبرانی]

"ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ نامی مقام پر جا کر اونٹ ذبح کرے گا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کیا وہاں پر جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی ہو؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھا کیا وہاں پر مشرکین کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا نہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر کو پورا کر لے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ

کی نافرمانی میں نذر کا پورا کرنا درست نہیں اور نہ وہ نذر پوری کرنا صحیح ہے جو انسان کے بس میں نہ ہو"۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں :

"یہ حدیث اس بات کی بین دلیل ہے کہ جس مقام پر مشرکین کا میلہ لگتا ہویا اس مقام پر ان کا کوئی بت وغیرہ نصب ہو اگرچہ اس مقام پر اب نہ میلے کا اہتمام ہوتا ہو اور نہ ہی بت نصب ہو تاہم اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی جانور کو ذبح کرنا ممنوع ہے اور معصیت کے دائرے میں داخل ہے کیونکہ مشرکین کا کسی جگہ پر میلہ لگانا یا کسی مقام پر ان کا غیر اللہ کی عبادت کرنا خالص اللہ کے لیے ذبح کرنے اور نذر پورا کرنے کے لئے مانع اور رکاوٹ ہے"۔ (ہدایۃ المستفید ۱/۴۵۵)

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایسے مقامات جہاں پر غیراللہ کی عبادت کی جاتی ہو، عرس اور میلے لگتے ہوں، غیراللہ کے تقرب کی خاطر جانور ذبح کئے جاتے ہوں، اولاد طلب کی جاتی ہو، نذر و نیاز، منت منوتی کی جاتی اور صاحب قبر و مزار کو گنج بخش، فیض عالم، دست گیر، غریب نواز، غوث اعظم، فریاد رس، بیڑے پار لگانے والے، مشکل کشا، حاجت روا، کشتیاں پار لگانے والا وغیرہ سمجھا جائے اور اسے اپنی حاجات کے لیے پکارا جائے۔ اس کے نام پر عرس و میلے لگائے جائیں وہاں پر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، چڑھاوے اور دیگیں پکانا بھی شرعاً ناجائز ہے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے آستانوں پر اگر پہلے میلے و عرس لگتے تھے، غیراللہ کی عبادت ہوتی تھی اور اب وہاں ایسے اجتماعات نہیں ہیں تب بھی وہاں پر نذر وغیرہ کا پورا کرنا منع ہے۔ اللہ وحدہٗ لا شریک نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ایسے تمام عقائد و اعمال سے متنبہ فرمایا ہے جن میں شرک کا شائبہ تک بھی ہو۔ کیونکہ شرک سے آدمی کے تمام اعمال ضائع، بے کار اور رائیگاں ہو جاتے ہیں۔

اس لیے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں' جوان ہوں یا بوڑھے' ایسے آستانوں' مزاروں اور شرک کے اڈوں سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے اور اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہیے۔ (مجلۃ الدعوۃ اگست ۱۹۹۹ء)

ترانے کے لیے قیام کی شرعی حیثیت

س صبح کی اسمبلی میں کیا حالتِ نماز والا قیام پاکستانی قومی ملی ترانے کی تعظیم کرتے ہوئے' بے حس و حرکت کھڑے ہو جانا' کسی قسم کی بات' سوال' جواب' حرکت حتیٰ کہ اشارہ تک نہ کرنا' کیا جائز ہے؟ خالص شرعی نقطۂ نظر سے جواب دیں۔ قرآنی نصوص' حدیث و سیرت کے دلائل اور عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عملی جھلک سے واضح کریں۔ کیا ایسا کرنا حکم اللہ' حکم رسول اللہ کی رو سے جائز' مستحسن ہے یا اس کے برعکس ناجائز و حرام ہے۔ اسی طرح کلاس روم میں استاد' پروفیسر' لیکچرار وغیرہ کے آتے ہی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جانا کیسا ہے؟ یہ سوال صرف میرا ہی نہیں بلکہ عالمی اساتذہ برادری کا ہے۔ (محبوب الٰہی توحیدی۔ راولپنڈی)

ج نماز والا قیام ایک شرعی عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے آدمی' عورت یا کسی ترانے و نغمے کی تعظیم کے لیے بھی اپنی جگہ پر کھڑا ہونا اور جیسی حرکات آپ نے ذکر کی ہیں' اس طرح کی اختیار کرنا جائز نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ﴾ [البقرۃ : ۲۳۸]

"نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز کی اور اللہ کے لیے خاموش ہو کر کھڑے ہو جاؤ"۔

معلوم ہوا کہ قیام اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے کرنا چاہیئے۔ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے قیام کرنا درست نہیں۔ جو اس چیز کو پسند کرتے ہیں کہ لوگ ان کے لیے کھڑے ہوں' ان کے لیے رسول ﷺ نے دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ خواہ وہ استاد ہو یا مرشد' چودہری ہو یا وڈیرا' صدر ہو یا وزیر اعظم یا کسی بھی شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والا افسر ہو' اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا ہے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ اَحَبَّ أَنْ يَّتَمَثَّلَ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

[ابو داؤد' کتاب الادب باب فی قیام الرجل للرجل (۵۲۲۹) ترمذی کتاب الادب باب ما جاء فی کراھیة قیام الرجل للرجل (۲۷۶۳)]

"جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں' وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے"۔

ابو مجلز فرماتے ہیں کہ :

اَنَّ مُعَاوِيَةَ دَخَلَ بَيْتًا فِيْهِ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ فَقَامَ ابْنُ عَامِرٍ وَجَلَسَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ : اِجْلِسْ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الْعِبَادُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ بَيْتًا فِي النَّارِ))

[مسند احمد ۴/۹۳'۱۰۰' شرح السنة ۱۲/۲۹۵ (۳۳۳۰)]

"امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک گھر میں داخل ہوئے اس گھر میں ابنِ عامر اور ابنِ الزبیر رضی اللہ عنہما تھے تو ابنِ عامر کھڑے ہو گئے اور ابنِ الزبیر بیٹھے رہے۔ ابنِ عامر کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : بیٹھ جا' بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ بندے اس کے لیے مطیع ہو کر کھڑے کیے جائیں وہ اپنا گھر آگ میں بنا لے"۔

(امام بغوی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَتَمَثَّلَ لَهُ بَنُوْ آدَمَ قِیَامًا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ))

[طبرانی کبیر ۱۹/۳۶۲ مشکل الآثار طحاوی ۲/۳۸، ۳۹]

"جو آدمی اس بات کو پسند کرے کہ اولاد آدم اس کے لیے قیام کی صورت میں مطیع ہو جائے اس کے لیے آگ واجب ہے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت تھی لیکن اتنی شدید محبت کے باوجود وہ آپ کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

((عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ یَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا إِذَا رَاَوْهُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِیَتِهِ لِذٰلِكَ))

[ترمذی، کتابُ الادب باب ما جاء فی کراھیۃ قیام الرجل للرجل (۲۷۶۳) شرح السنۃ ۱۲/۲۹۴]

"انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا اور جب وہ آپکو دیکھ لیتے تو کھڑے نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس قیام کو برا سمجھتے ہیں"۔

اس حدیث کو امام ترمذی و امام بغوی وغیرہما نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی پاکباز، اعلیٰ و ارفع ہستی کے لیے قیام جائز نہیں تو پھر آپ کے علاوہ دوسرا کون سا ایسا ہو سکتا ہے جس کے لیے قیام کیا جائے؟

لہٰذا کسی سکول ماسٹر، جج، وکیل، پروفیسر، ڈائریکٹر، صدر، وزیراعظم، وزیر اعلیٰ، فوجی افسر، جرنل و کرنل، بریگیڈیئر، سیاستدان دینی و سیاسی رہنما کے احترام میں یا

کسی گلوکار وغیرہ کے ترانے و نغمے یا گانے پر کھڑا ہونا شرعاً درست نہیں بلکہ جو لوگ اس قیام کو پسند کرتے ہیں وہ جیتے جی اس دنیا میں ہی اپنے لیے جہنم خرید رہے ہیں۔ بعض لوگ قیام کے جواب کے لیے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے آنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو فرمایا: ((قُوْمُوْا إِلٰى سَيِّدِكُمْ)) یعنی "اپنے سردار کی طرف اُٹھو"۔ یہ حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے اور کہتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ کسی کی تعظیم کی خاطر کھڑا ہونا جائز ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ((قُوْمُوْا لِسَيِّدِكُمْ)) تم اپنے سردار کی خاطر اٹھو بلکہ یوں فرمایا: ((قُوْمُوْا إِلٰى سَيِّدِكُمْ)) اپنے سردار کی طرف اٹھ کر جاؤ۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

اس کی دوسری وجہ صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب (۴۱۲۲) میں ہے کہ جنگ خندق میں سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تھے۔ ایک قریشی حبان بن قیس نے ان کے بازو کی رگ میں تیر مارا تھا جس کی بنا پر وہ شدید زخمی ہو گئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر گیری کرنے کے لیے مسجد میں خیمہ لگوا دیا۔ جب آپ خندق سے واپس آئے تو آکر اسلحہ اتارا اور غسل کیا' آپ کے پاس جبرئیل امین تشریف لائے۔ انہوں نے کہا آپ نے اسلحہ اتار دیا ہے اللہ کی قسم! میں نے تو ابھی اسلحہ نہیں اتارا' ان کی طرف نکلیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہاں" تو جبرئیل نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ قصہ مختصر کہ آپ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا کیونکہ انہوں نے معاہدہ توڑ کر کفار کی مدد کی تھی۔ جب وہ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو انہوں نے قلعوں سے نکل کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کرنا اس شرط پر منظور کیا کہ سعد رضی اللہ عنہ جو حکم کریں گے' وہ ہمیں منظور ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سعد رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا تو وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ جب سعد رضی اللہ عنہ مسجد کے قریب آئے تو آپ نے انصار سے فرمایا: "اپنے سردار یا بہترین آدمی کی طرف

اٹھو"۔ مسند احمد ۶/۱۴۲ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ((قُوْمُوْا إِلٰی سَيِّدِكُمْ فَأَنْزِلُوْهُ)) اپنے سردار کی طرف اٹھو اور انہیں اتارو۔ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری ۷/۴۱۲ میں اس پر سکوت اختیار کیا' جو ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہے۔ یہی بات ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے قواعد فی علوم الحدیث میں ذکر کی ہے۔ اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ سعد رضی اللہ عنہ مریض تھے اور گدھے پر سوار ہو کر آئے تھے۔ آپؐ نے انہیں جب دیکھا کہ وہ مسجد کے قریب آ چکے ہیں تو آپؐ نے انصار کو انہیں گدھے سے اُتارنے کے لئے حکم دیا تھا نہ کہ اپنی جگہ کھڑے ہونے کا۔ علاوہ ازیں آپؐ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے لیے قیام کا حکم دے بھی کیسے سکتے تھے؟ جبکہ آپؐ اپنے لیے تعظیمی قیام بھی مکروہ سمجھتے تھے جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ (مجلۃ الدعوۃ اگست ۱۹۹۹ء)

حدیثِ نجد کا مصداق کون؟

س: کئی مولوی حضرات کو کہتے سنا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجدیوں کے لیے دُعا نہیں کی بلکہ ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ نجد سے فتنے اور زلزلے رونما ہوں گے۔ اس حدیث کو وہ مُحمّد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ پر چسپاں کرتے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ نجد کا صحیح مفہوم اور حدیث میں وارد نجد سے کیا مراد ہے۔ امید ہے جواب سے مایوس نہیں کریں گے۔ (ایک سائل' لاہور)

ج: باطل پرست ہمیشہ سے اہل حق کے بارے مختلف قسم کے پروپیگنڈے سے کام لیتے آئے ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و احسان سے حق نمایاں اور آشکارا ہو کر رہا۔ اور مخالفین ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ عرب کی سرزمین پر جب شیخ الاسلام مُحمّد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کا عَلم بلند کیا اور شرک و بدعت کی سرکوبی کی تو کلمہ گو مشرکوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا معنی و

مفہوم بدل کر انہیں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب پر چسپاں کرنا شروع کر دیا- ان ہی احادیث میں سے ایک حدیث نجد ہے- جس کا صحیح مصداق عراق کی سرزمین ہے جہاں بہت سے گمراہ فرقوں نے جنم لیا- تاریخ گواہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد عراق سے بہت سے فتنے رونما ہوئے جنگِ نہروان' واقعہ کربلا' بنو اُمیہ اور بنو عباس کی لڑائیاں پھر تاتاریوں کے خونریز معرکے' اسی طرح گمراہ فرقوں یعنی خوارج' شیعہ' معتزلہ' جہمیہ' مرجیہ وغیرہ کا ظہور بھی کوفہ' بصرہ اور بغداد جو عراق کے مشہور شہریں' سے ہوا- بارہ سو سال تک تمام مسلمانوں کا متفقہ طور پر یہی مؤقف رہا کہ نجد قرن شیطان سے مراد عراق ہی کا علاقہ ہے لیکن بارھویں صدی کے بعد اہل بدعت نے ان احادیث کا مفہوم بگاڑ کر انہیں شیخ الاسلام محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ پر چسپاں کرنا شروع کر دیا- اب رسول اللہ ﷺ کی احادیث ملاحظہ کریں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ نجد قرن شیطان سے مراد عراق ہی کا علاقہ ہے-

① عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا :

((ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ نَجدِنَا قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا' اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ نَجدِنَا' فَاَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ : هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ))

[بخاری مع فتح الباری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ((الفتنۃ من قبل المشرق)) (۷۰۹۴) وکتاب الاستسقاء باب ما قیل فی الزَّلَازِلُ والآیات (۱۰۳۷) مسند احمد ۱۱۸/۲ ترمذی کتاب المناقب باب فی فضل الشام والیمن (۳۹۷۹) شرح السنۃ ۲۰۶/۱۴ صحیح ابنِ حبان (۷۲۵۷)]

"ایک دن رسول اللہ ﷺ نے دُعا کی : "اے اللہ ہمارے لیے شام

میں برکت نازل فرما' اے اللہ ہمارے لیے یمن میں برکت نازل فرما"۔ لوگوں نے کہا "اے اللہ کے رسول ﷺ اور ہمارے نجد (عراق) کے لیے بھی"۔ آپ ؐ نے فرمایا : "اے اللہ ہمارے لیے شام میں برکت نازل فرما' اے اللہ ہمارے لیے یمن میں برکت نازل فرما"۔ لوگوں نے کہا : "اے اللہ کے رسول ہمارے نجد (عراق) کے لیے بھی دُعا کریں"۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ ؐ نے تیسری بار فرمایا : "وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا"۔

(۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَكَّتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَمُدِّنَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ عِرَاقِنَا؟ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ : فِيْهَا الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطٰنِ))

[حلیۃ الاولیاء ۶/۱۳۳' طبرانی کبیر (۱۳۴۲۲)]

"اے اللہ ہمارے لیے مدینے میں برکت نازل فرما اور ہمارے لیے ہمارے مکہ میں برکت نازل فرما اور ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت نازل فرما اور ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت نازل فرما اور ہمارے لیے ہمارے صاع اور مد میں برکت نازل فرما۔ ایک آدمی نے کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ اور ہمارے عراق میں بھی؟ آپ ؐ نے اس سے اعراض کیا پھر فرمایا : "اس میں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں شیطان کا سینگ رونما ہو گا"۔

(۳) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَفِيْ صَاعِنَا وَفِيْ مُدِّنَا وَفِيْ يَمَنِنَا وَفِيْ شَامِنَا فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ عِرَاقِنَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : بِھَا الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَمِنْھَا یَطْلُعُ قَرْنُ الشَّیْطٰنِ))

[کتاب المعرفة والتاریخ باب ما جاء فی الکوفة ۲/۷۴۶، ۷۴۷]

" اے اللہ ہمارے لیے ہمارے مدینہ ' صاع ' مد ' یمن اور شام میں برکت نازل فرما۔ تو ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اور ہمارے عراق میں بھی؟ پھر آپ نے فرمایا : وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا"۔

④ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَمُدِّنَا وَصَاعِنَا وَیَمَنِنَا وَشَامِنَا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَفِیْ عِرَاقِنَا؟ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَمُدِّنَا وَصَاعِنَا وَیَمَنِنَا وَشَامِنَا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَفِیْ عِرَاقِنَا؟ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَمُدِّنَا وَصَاعِنَا وَیَمَنِنَا وَشَامِنَا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَفِیْ عِرَاقِنَا؟ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : مِنْھَا الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَمِنْھَا یَطْلُعُ قَرْنُ الشَّیْطٰنِ))

[کتاب المعرفة والتاریخ ما جاء فی الکوفة ۲/۷۴۷]

"اے اللہ ہمارے واسطے ہمارے مدینہ' مد' صاع' یمن اور شام میں برکت ڈال دے۔ ایک آدمی نے کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ اور ہمارے عراق میں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا : اے اللہ ہمارے واسطے ہمارے مدینہ' مد' صاع' یمن اور شام میں برکت ڈال دے ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اور ہمارے عراق میں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا : اے اللہ ہمارے واسطے ہمارے مدینہ' مد' صاع' یمن اور شام میں

برکت ڈال دے ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اور ہمارے عراق میں؟ پھر آپ نے فرمایا : وہاں سے زلزلے اور فتنے اُٹھیں گے اور شیطان کا سینگ طلوع ہو گا"۔

کتاب المعرفۃ والتاریخ میں اسی باب میں یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے جن میں نجد عراق کی تصریح ہے۔

⑤ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

((رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ بِيَدِهِ يَؤُمُّ الْعِرَاقَ : هَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هٰهُنَا' هَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هٰهُنَا — ثَلَاثَ مَرَّاتٍ — مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطٰنِ)) [مسند احمد ۲/۱۴۳]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو عراق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا : خبردار بے شک فتنہ یہاں سے ہو گا' خبردار' بے شک فتنہ یہاں سے ہو گا — یہ بات آپ نے تین مرتبہ کہی — یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا"۔

⑥ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا :

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا وَصَاعِنَا' اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَيَمِنِنَا فَقَالَ رَجُلٌ وَالْعِرَاقُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا وَصَاعِنَا' اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ حَرَمِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَيَمِنِنَا فَقَالَ رَجُلٌ وَالْعِرَاقُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مِنْ ثَمَّ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطٰنِ وَتَهِيْجُ الْفِتَنُ))

[المعجم الاوسط للطبرانی (۳۱۱۰) مجمع الزوائد ۳/۳۰۸]

"اے اللہ ہمارے لیے ہمارے مدینہ میں برکت نازل فرما اور ہمارے لیے ہمارے مد اور صاع میں برکت نازل فرما- اے اللہ ہمارے لیے ہمارے شام اور یمن میں برکت نازل فرما- ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اور عراق کے بارے میں بھی دُعا کریں- آپ خاموش رہے- پھر فرمایا اے اللہ ہمارے لیے ہمارے مدینہ میں برکت نازل فرما- اور ہمارے لئے ہمارے مد اور صاع میں برکت نازل کر اے اللہ ہمارے لیے ہمارے حرم میں برکت نازل کر- اور ہمارے لیے ہمارے شام و یمن میں برکت نازل کر- ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اور عراق کے لیے بھی- آپ نے فرمایا : "وہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہوگا اور فتنے ابلیں گے"-

⑦ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا نبی ﷺ نے دُعا فرمائی :

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَيَمَنِنَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَعِرَاقِنَا فَقَالَ إِنَّ بِهَا قَرْنَ الشَّيْطٰنِ وَتَهِيْجُ الْفِتَنُ وَإِنَّ الْجَفَاءَ بِالْمَشْرِقِ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ))

[مجمع الزوائد ۳/۳۰۸]

"اے اللہ ہمارے واسطے ہمارے شام اور یمن میں برکت پیدا فرما- تو قوم میں سے ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ اور ہمارے عراق کے لئے بھی دُعا کریں- آپ نے فرمایا : بے شک عراق میں شیطان کا سینگ ہے اور فتنے بھڑکیں گے اور بے شک جفا مشرق میں ہے- اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں"-

⑧ سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ نے فرمایا :

((يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ مَا أَسْئَلَكُمْ عَنِ الصَّغِيْرَةِ ' وَأَرْكَبَكُمْ لِلْكَبِيْرَةِ

سَمِعْتُ اَبِیْ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ :
((اِنَّ الْفِتْنَۃَ تَجِیْیءُ مِنْ ھٰھُنَا وَاَوْمَأَ بِیَدِہٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ مِنْ حَیْثُ یَطْلُعُ قَرْنَا الشَّیْطَانِ))

[صحیح مسلم کتاب الفتن باب الفتنة من المشرق من حیث یطلع قرنا الشیطان (۲۹۰۵-۵۰)]

"اے عراقیو! تم چھوٹے چھوٹے مسائل کس قدر دریافت کرتے ہو اور کبائر کا ارتکاب کرتے ہو۔ میں نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ کہتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ بلاشبہ فتنہ یہاں سے آئے گا اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا کہ یہاں سے شیطان کے سینگ نکلیں گے"۔

⑨ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((رَأْسُ الْکُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ))

[بخاری کتاب بدء الخلق (۳۳۰۱) و کتاب المناقب (۳۴۹۹) ابن حبان (۷۲۵۵) مسند ابی یعلٰی (۲۳۴۰) مسلم کتاب الایمان باب تفاضل اهل الایمان فیه ورجحان اهل الیمن فیه (۵۲-۸۶) مسند ابی عوانه ۶۰/۱ مسند احمد (۵۰۶/۲، ۳۷۲، ۴۰۸، ۴۵۷، ۴۸۴) مسند حمیدی ۴۵۲/۲ ترمذی کتاب الفتن (۲۲۴۳)]

"کفر کا سرچشمہ مشرق کی طرف ہے"۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں ابنِ حبان اور مسلم وغیرہما میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا :

((اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَالْحِکْمَۃُ یَمَانِیَۃٌ وَرَأْسُ الْکُفْرِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ))

"ایمان و حکمت کا محل تو یمن ہے اور کفر کا سرچشمہ (مدینہ منورہ سے) مشرق کی جانب ہے"۔

⑩ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((غِلَظُ الْقُلُوْبِ' وَالْجَفَاءُ فِي الْمَشْرِقِ وَالْإِيْمَانُ فِيْ أَهْلِ الْحِجَازِ))

[صحیح مسلم کتاب الایمان (۵۳-۹۲) صحیح ابن حبان (۷۲۵۲) شرح السنة ۲۰۲/۱۴]

"دلوں کی سختی اور جفا مشرق میں ہے اور ایمان اہل حجاز میں ہے"۔

مذکورہ بالا دس احادیثِ صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ حجاز' شام اور یمن یہ تینوں ملک اسلام و ایمان کا مرکز ہیں اور یہاں سے اسلام و ایمان کا علم بلند ہوتا رہے گا اور مدینہ سے مشرق کی جانب واقع عراق کا علاقہ فتنوں کا سرچشمہ اور ضلالت و گمراہی کا مرکز ہے۔ یہاں سے بہت سے فتنوں نے جنم لیا ہے یہاں خیر کم اور شر زیادہ ہے۔ آپ نے یمن و شام کے لیے خصوصی برکت کی دعا فرمائی۔ اس لیے کہ مکہ مکرمہ جو آپ کا پیدائشی اور آبائی علاقہ ہے یہ یمن کا شہر تھا اور مدینہ منورہ جہاں آپ کی وفات ہوئی اور وہ آپ کا مسکن و مدفن بنا' شام کا شہر تھا۔

علامہ شرف الدین الطیبی رحمہ اللہ راقم ہیں:

إِنَّمَا دَعَا لَهَا بِالْبَرَكَةِ لِأَنَّ مَوْلِدَهُ بِمَكَّةَ وَهِيَ مِنَ الْيَمَنِ وَمَسْكَنُهُ وَمَدْفَنُهُ بِالْمَدِيْنَةِ وَهِيَ مِنَ الشَّامِ

[شرح الطیبی علی مشکوۃ المصابیح ۳۹۵۸/۱۲]

"آپ نے شام و یمن کے لیے برکت کی دعا اس لیے کی کہ آپ کی جائے پیدائش مکہ ہے اور وہ یمن کا علاقہ ہے اور آپ کا مسکن و مدفن مدینہ میں تھا اور وہ شام کے علاقوں میں سے ہے"۔

شارح حدیث علامہ اشرف رحمہ اللہ نے بھی یہی بات ذکر کی ہے۔ دیکھیں:

(مرقاۃ المفاتیح ملا علی قاری ۲۳۹/۱۰)

معلوم ہوا کہ حجاز مقدس کی سرزمین کے لیے آپ نے برکت کی دعا فرمائی اور

وہ نجد جس کے لیے آپ نے دُعا نہیں کی وہ عراق کا علاقہ ہے جیسا کہ اوپر ذکر کردہ احادیثِ صحیحہ میں تصریح ہے۔ عرب کے اندر نجد نام کے بہت سے علاقے ہیں اور ہر ایک نجد کے لیے آپ نے خبر نہیں دی کہ وہاں سے زلزلے اور فتنے رونما ہوں گے۔ بلکہ خاص عراق کے بارے میں فرمایا: وہاں سے زلزلے اور فتنے جنم لیں گے اس لئے حدیث نجد کا مصداق اصل عراق ہے نہ کہ اھل حجاز۔ آیئے پہلے نجد کا معنی و مفہوم سمجھ لیں کہ لغت عرب میں نجد کسے کہتے ہیں پھر دیکھیں کہ عرب میں نجد نام کے کتنے علاقے ہیں۔

نجد کا لغوی معنی :

نجد مصدر ہے جس کا معنی بلندی و رفعت ہے گویا ہر اُونچی و بلند چیز کو نجد کہاجاتا ہے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں :

اَلنَّجْدُ مَا اَشْرَفَ مِنَ الْاَرْضِ - اَلطَّرِيْقُ الْوَاضِحُ الْمُرْتَفِعُ وَمَا خَالَفَ الْغَوْرَ اَیْ تِهَامَةَ - اَعْلَاهُ تِهَامَةُ وَالْيَمَنُ وَاَسْفَلُهُ الْعِرَاقُ وَالشَّامُ وَاَوَّلُهُ مِنْ جِهَةِ الْحِجَازِ ذَاتُ عِرْقٍ

[القاموس المحیط ۱/۳۵۲]

نجد بلند زمین کو کہتے ہیں یعنی بلند اور واضح راستہ جو غور و نشیب یعنی تہامہ کے بالمقابل ہے۔ وہ تمام اُونچی زمین والا علاقہ جو تہامہ اور یمن سے شروع ہوتا ہے اور عراق و شام تک پھیلا ہوا ہے۔ حجاز کی جانب سے اس کی ابتداء ذات عرق مقام سے ہوتی ہے۔ اور ذات عراق اہل عراق کا میقات ہے جہاں سے وہ احرام باندھتے ہیں۔

علامہ ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں :

اَلنَّجْدُ مِنَ الْاَرْضِ قِفَافُهَا وَصَلَابَتُهَا وَمَا غَلُظَ مِنْهَا وَاَشْرَفَ وَارْتَفَعَ وَاسْتَوٰی [لسان العرب ۱۴/۴۵]

"نجد زمین کا وہ حصہ ہے جو بلند و بالا مضبوط و گاڑھا اور اونچائی پر واقع ہو"۔

مزید فرماتے ہیں:

وَمَا ارْتَفَعَ عَنْ تِهَامَةَ إِلَى أَرْضِ الْعِرَاقِ فَهُوَ نَجْدٌ

[لسان العرب ۱۴/۴۵]

"زمین کا وہ بلند حصہ جو تہامہ سے شروع ہو کر عراق کی زمین کی طرف جاتا ہے' وہ نجد ہے"۔

معلوم ہوا کہ سطح مرتفع اور بلند زمین کو نجد کہتے ہیں اور عرب میں بہت سارے نجد ہیں شیخ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی صاحب معجم البلدان نے درج ذیل نجد شمار کیے ہیں:

(۱) نجد ألوز (۲) نجد أجا (۳) نجد برق (۴) نجد خال (۵) نجد الشری (۶) نجد عفر (۷) نجد العقاب (۸) نجد کبکب (۹) نجد مریع (۱۰) نجد الیمن

(معجم البلدان ۵/۲۶۵ نیز دیکھیں لسان العرب ۱۴/۴۷)

معلوم ہوا کہ عرب کی سرزمین میں نجد نام کے بہت سے علاقے ہیں اور اصل میں ہر سطح مرتفع کو نجد کہا جاتا ہے اور مختلف بلند و بالا علاقوں کو نجد کہا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تمام نجود زلزلوں اور فتنوں کی آماجگاہ ہیں یا کوئی خاص نجد ہے جہاں سے فتنے اور شیطان کا سینگ رونما ہوا ہے یا مزید ہو گا تو اوپر درج کردہ احادیثِ صحیحہ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ فتنوں کی آماجگاہ اور فسادیوں کا مسکن نجد عراق ہے اور تاریخ عالم اس بات پر گواہ ہے کہ جتنے فتنے' فرق اور مفسدہ پرداز بالخصوص کوفہ و بصرہ سے رونما ہوئے ہیں' اتنے کسی اور جگہ سے نہیں ہوئے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق نجد عراق سے نہیں بلکہ نجد یمن سے ہے جس کے لیے اللہ کے نبی ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی ہے۔ لہٰذا معترضین کا حدیثِ

نجد کو شیخ پر فٹ کرنا علم حدیث و تاریخ و جغرافیہ عرب سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور یہ سب کچھ وہ اپنی بدعات اور رسم و رواج اور شرک جیسے گھناؤ نے عمل پر پردہ ڈالنے کے لیے کرتے ہیں۔

شیعہ اور قرآن

س: کیا یہ بات واقعی درست ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کا ہمارے پاس موجود قرآن حکیم پر ایمان نہیں ہے اور یہ اس قرآن میں تحریف کے قائل ہیں۔ اس مسئلہ کو صحیح اور ٹھوس دلائل سے واضح کریں۔ (نثار احمد، سرگودھا)

ج: اللہ وحدہٗ لا شریک نے اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام پر کتب و صحائف نازل فرمائے۔ اور اسی سلسلے کی آخری کڑی امام اعظم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر بذریعہ جبریل امین قرآن نازل کیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾ ﴾ [البقرۃ ۲ : ۹۷، ۹۸]

"آپ کہہ دیں جو شخص جبریل کا دشمن ہے جس نے آپ کے دل پر اس قرآن کو اللہ کے حکم سے اتارا ہے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے سامنے ہیں اور یہ ہدایت و خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے (تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے) جو شخص اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھی

کافروں کا دشمن ہے"۔

اس آیت کریمہ میں واضح کیا گیا ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ قرآن لے کر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ ﴾ [الحجر ۱۵ : ۹]

"بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالذِّكۡرِ لَمَّا جَآءَهُمۡ وَاِنَّهٗ لَـكِتٰبٌ عَزِيۡزٌ ۝ لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ ۝ ﴾ [فصلت ۴۱ : ۴۱، ۴۲]

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کے ساتھ کفر کیا جب ان کے پاس آیا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے یہ ایک حکیم و حمید کی نازل کردہ چیز ہے"۔

معلوم ہوا کہ قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے جس میں باطل کو دخل نہیں اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری رب ذوالجلال والاکرام نے لے رکھی ہے۔ قرآن حکیم لاریب کتاب ہے اس میں تبدیلی و تحریف ناممکن ہے قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس جیسی کتاب نہ کوئی لا سکتا ہے اور نہ ہی لا سکے گا۔ نبی مکرم ﷺ نے جب یہ وحی الٰہی لوگوں کو سنانا شروع کی تو کفار نے کہا کہ اس میں کچھ ترمیم کر لو تب ہم آپ کی بات مان سکتے ہیں تو ارشاد الٰہی ہوا:

﴿ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا

ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗءِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ [یونس ۱۰: ۱۵]

"اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلوں میں تو بس اس وحی کا پیرو کار ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے"۔

معلوم ہوا کہ وحی الٰہی قرآن پاک میں تغیر و تبدل کا حق کسی کو نہیں ہے ہمارے نزدیک قرآن حکیم ایک مکمل و جامع کتاب ہے اس میں کسی قسم کا شبہ، تغیر و تبدل اور تحریف سے کام نہیں لیا گیا جس طرح نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کرنے کے لیے کہا انہوں نے اسی طرح اس کو جمع کر دیا۔ قرآن پاک کی تحریف کا قائل مسلمان نہیں ہے۔ امام ابنِ حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الفصل فی الملل والھواء والنحل" میں نصاریٰ کا یہ الزام نقل کیا:

وَاَيْضًا فَاِنَّ الرَّوَافِضَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ اَصْحَابَ نَبِيِّكُمْ بَدَّلُوا الْقُرْاٰنَ وَاَسْقَطُوْا مِنْهُ وَزَادُوْا فِيْهِ [الفصل ۲/۷۵]

"نیز روافض دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک کو تبدیل کر دیا ہے اور اس میں سے کچھ آیات گرا دی ہیں اور کچھ زیادہ کر دی ہیں"۔

اس بات کا جواب دیتے ہوئے امام ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا قَوْلُهُمْ فِيْ دَعْوَى الرَّوَافِضِ تَبْدِيْلُ الْقِرَاءَاتِ فَاِنَّ

الرَّوَافِضَ لَيْسُوْا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّما هِيَ فِرَقٌ حَدَثَ اَوَّلُهَا بَعْدَ مَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً وَكَانَ مَبْدَاُهَا اِجَابَةً مِمَّنْ خَذَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِدَعْوَةِ مَنْ كَادَ الْاِسْلَامَ وَهِيَ طَائِفَةٌ تَجْرِي مَجْرَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فِي الْكَذِبِ وَالْكُفْرِ [الفصل ۲/۷۸]

رہا نصاریٰ کا یہ کہنا کہ روافض کا دعویٰ ہے کہ صحابہ نے قرآن تبدیل کر دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ روافض کا شمار مسلمانوں میں نہیں ہے- یہ ایسے فرقے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ۲۵ سال بعد پیدا ہوئے اور ان فرقوں کی ابتداء اس شخص کی دعوت کو قبول کرنے کی وجہ سے ہوئی جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا داعی ہونے کی وجہ سے ذلیل و رسوا کر دیا تھا اور یہ روافض کا گروہ جھوٹا ہونے اور کفر میں یہود و نصاریٰ کے راستے پر گامزن ہے۔

حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ اہلحدیث کے نزدیک تحریف قرآن کا قائل مسلمان نہیں ہے روافض کو انہوں نے مسلمانوں سے شمار نہیں کیا- اس لیے کہ یہ لوگ تحریف قرآن کے قائل اور عقائد فاسدہ رکھتے تھے۔ شیعہ حضرات کا ایمان موجودہ قرآن کریم پر نہ ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے اور اس کی وجوہات درج ذیل ہیں :

① پہلی وجہ :

شیعہ حضرات کے عقائد کا جزو لاینفک ہے کہ ناقلان قرآن اور راویان دین اسلام یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جھوٹی تھی ان میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جس نے حق و صداقت کو دل و جان سے قبول کیا ہو اور ان کے نزدیک، اصحاب رسول ﷺ کے دو گروہ تھے ایک گروہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دیگر ہزاروں کی تعداد

میں موجود تھا۔ دوسرا گروہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں پر مشتمل تھا۔ پہلے گروہ کے جھوٹ کا نام انہوں نے نفاق رکھا ہے اور دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام تقیہ رکھا ہے۔ شیعہ حضرات کا ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی (المتوفی ۳۲۸/۳۲۹ھ) لکھتا ہے کہ :

① امام باقر نے فرمایا :

كَانَ النَّاسُ اَهْلَ رِدَّةٍ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلاَّ ثَلاَثَةٌ فَقُلْتُ وَمَنِ الثَّلاَثَةُ؟ فَقَالَ : الْمِقْدَادُ بْنُ الْاَسْوَدِ وَاَبُوْذَرٍ الغِفَارِيُّ وَسَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ

[کتاب الروضۃ من الکافی ۲۴۵/۸]

"نبی ﷺ کی وفات کے بعد لوگ مرتد ہو گئے تھے سوائے تین اشخاص کے۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا اور وہ تین کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا المقداد بن الاسود' ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم"۔

② قاضی نور اللہ شوشتری نے لکھا ہے کہ امام باقر سے روایت ہے کہ :

اِرْتَدَّ النَّاسُ اِلاَّ ثَلاَثُ نَفَرٍ سَلْمَانُ وَاَبُوْذَرٍ وَالْمِقْدَادُ

[مجالس المومنین ۲۰۳/۱ مطبوعہ تہران]

"تین کے سوا تمام لوگ مرتد ہو گئے تھے سلمان فارسی' ابوذر غفاری اور مقداد بن اسود"۔

اس کے بعد لکھتا ہے کہ :

"یعنی حضرت امام فرمود کہ جمیع مشاہیر صحابہ کہ استماع نص نبوی در باب خلافت امیر المومنین نمودہ بودند مرتد شدند الا سہ نفر کہ سلمان و ابوذر و مقداد است"۔ (مجالس المؤمنین ۲۰۳/۱)

"امام باقر نے فرمایا کہ تمام مشہور صحابہ امیر المؤمنین کی خلافت کے بارے نص نبوی سننے کے باوجود پھر گئے اور مرتد ہو گئے سوائے تین

اشخاص کے یعنی سلمان' ابوذر اور مقداد"۔

(نیز دیکھیں ترجمہ و تفسیر مقبول دہلوی ص : ۱۰۷)

④ احمد بن علی الطبرسی نے لکھا ہے کہ :

وَمَا مِنَ الْأُمَّةِ اَحَدٌ بَايَعَ مُكْرِهًا غَيْرَ عَلِيٍّ وَاَرْبَعَتِنَا

[الاحتجاج ۸۴/۱ مطبوعہ بیروت]

"امت میں کوئی ایسا آدمی نہ تھا جس نے دلی رضامندی کے بغیر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہو چار اشخاص کے سوا یعنی ابوذر' سلمان' مقداد اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم"۔

طبرسی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام امت مسلمہ نے دل و جان سے ابوبکر صدیق کی بیعت کی تھی صرف مذکورہ چار اشخاص ایسے تھے جنہوں نے مجبوراً بیعت کی اور جو بات ان کے دل میں تھی وہ زبان پر نہ تھی۔ یعنی ان کا ظاہر و باطن ایک نہ تھا العیاذ باللہ زبان سے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دل سے کسی اور کے ساتھ۔

⑤ شیخ الطائفہ الامامیہ ابو جعفر الطوسی رقم طراز ہے :

عَنْ حُمْرَانَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ جَعْفَرٍ ع مَا اَقَلَّنَا لَوِ اجْتَمَعْنَا عَلٰى شَاةٍ مَا اَفْنَيْنَاهَا قَالَ' فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِاَعْجَبَ مِنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ فَقُلْتُ بَلٰى قَالَ: اَلْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ ذَهَبُوْا اِلَّا (وَاَشَارَ بِيَدِهٖ) ثَلَاثَةٌ [رجال کشی ص : ۷ تحت ترجمہ سلمان الفارسی]

"حمران نے کہا میں نے امام باقر سے کہا ہماری تعداد کس قدر کم ہے اگر ہم ایک بکری پر جمع ہوں تو اسے بھی ختم نہ کر پائیں امام نے کہا میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاتا ہوں۔ میں نے کہا ضرور فرمایا مہاجرین و انصار تین کے علاوہ سب چلے گئے یعنی مرتد ہو گئے"۔

شیعہ حضرات کے مذکورہ بالا معتبر حوالہ جات سے معلوم ہوا ان کے نزدیک

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تمام صحابہ العیاذ باللہ مرتد ہو گئے تھے۔ اور یہ عقیدہ انہوں نے اپنے مزعومہ ائمہ معصومین سے نقل کیا ہے۔ شیعہ حضرات کا صحابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مؤقف مزید معلوم کرنا ہو تو اسد حیدر کی کتاب "الصحابة فی نظر الشيعة الامامية" مطبوعہ قاہرہ اور باقر مجلسی کی بحار الانور سے مطاعن پر مشتمل جلدوں کا مطالعہ کریں۔ جس سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک دین اسلام کے راویان اور ناقلان قرآن جھوٹے تھے جب تک عدالت و عظمت صحابہ کو شیعہ حضرات تسلیم نہیں کر لیتے اتنی دیر تک ان کا قران حکیم پر ایمان درست نہیں ہو سکتا۔ اور صحابہ پر تبرا اور سب و شتم کرنا ان کا بنیادی عقیدہ ہے اس عقیدے کی موجودگی میں قرآن حکیم پر ایمان محال ہے۔ تقیہ اور کتمان کے بارے اصول کافی وغیرہ کتب کا مطالعہ کر لیں۔

② دوسری وجہ :

شیعہ علماء کے اقرار کے مطابق اس قرآن کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے جمع کیا اور انہیں کے انتظام و انصرام سے یہ پوری دنیا میں پھیلایا گیا اور اس موجودہ قرآن کی قابل وثوق تصدیق انکے ائمہ معصومین سے نہیں ملتی اور خلفائے ثلاثہ کے متعلق شیعہ کا عقیدہ ہے کہ وہ دین دشمن تھے اور اسلام کے لبادے میں حصول حکومت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع تھے اور آپ پر ان کا رعب و دبدبہ اس قدر تھا کہ آپ ان کے پوچھے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں دیتے تھے اور ان کے رعب کی وجہ سے آپ خلافت بلافصل کا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے کھلے عام واضح اور دو ٹوک اعلان نہ کر سکے۔ لہٰذا جو چیز دین دشمن لوگوں نے لکھ کر پھیلا دی ہو وہ معتبر اور قابل وثوق کیسے ہو سکتی ہے۔ شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو لوگ مرتد ہو گئے اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو گئے اور

اپنے لیے زمام حکومت سنبھالنے لگے اور علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل، کفن دفن کا انتظام کرنے لگے وہاں سے فارغ ہو کر اپنے گھر میں محصور ہو کر قرآن تالیف کرنے لگے۔ جب قرآن پاک جمع کر لیا تو اسے انصار و مہاجرین کے پاس لے کر آئے اس لیے کہ اس بات کی انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی۔

فَلَمَّا فَتَحَهُ اَبُوْبَكْرٍ خَرَجَ فِيْ اَوَّلِ صَفْحَةٍ فَتَحَهَا فَضَايِحُ الْقَوْمِ فَوَثَبَ عُمَرُ وَقَالَ يَا عَلِيُّ اُرْدُدْهُ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِيْهِ فَاَخَذَهُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَانْصَرَفَ

[فصل الخطاب في اثبات تحريف كتاب رب الارباب ص : ۷]

"جب اسے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھولا تو پہلے صفحہ پر قوم کی فضیحتوں اور رسوائیوں کا ذکر تھا تو عمر رضی اللہ عنہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اے علی رضی اللہ عنہ اس کو لے جاؤ ہمیں اس کی حاجت نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس قرآن کو لیا اور چلے گئے"۔

پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قاری قرآن کو بلا کر نیا قرآن لکھوا لیا گیا اور اس میں سے انصار و مہاجرین کی ذلت و رسوائی والی آیات کو نکال دیا گیا۔

(الاحتجاج للطبرسی ۱/۱۵۶)

دوسری روایت میں ہے کہ جب صحابہ نے کہا کہ ہمیں تمہارے جمع کردہ قرآن کی حاجت نہیں تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ مَا تَرَوْنَهُ بَعْدَ يَوْمِكُمْ هٰذَا

[فصل الخطاب في اثبات تحريف كتاب رب الارباب ص : ۷]

"اللہ کی قسم تم اس قرآن کو آج کے بعد کبھی نہیں دیکھو گے"۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات کے نزدیک موجود قرآن کے جامع ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے اور انہوں نے اسے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لکھوا کر دنیا میں پھیلا دیا اور اصل قرآن جو علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا وہ تسلیم نہ کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے

اسے غائب کر دیا- ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا پھیلایا ہوا قرآن ہی آج دنیا میں پڑھا جا رہا ہے اور اس کے حافظین دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہیں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے شیعہ کا عقیدہ ملاحظہ ہو- ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ :

"ابوبکر و عمر.... ہر دو کافر بودند و ہر کہ ایشاں را دوست دارد کافر است" (حق الیقین ص : ۵۴۲)

"ابوبکر و عمر (العیاذ باللہ) دونوں کافر تھے اور ان سے دوستی رکھنے والا ہر فرد بھی کافر ہے"۔

اس کے بعد لکھتا ہے :

"و دریں باب احادیث بسیار است و در کتب متفرق است و اکثر در بحار الانوار مذکور است" [حق الیقین ص : ۵۴۲]

"اس بارے میں بہت سی روایات ہیں اور متفرق کتب میں موجود ہیں اور اکثر کا ذکر "بحار الانوار" میں موجود ہے-

بحار الانوار باقر مجلسی کی ہی کتاب ہے جو ۱۱۰ جلدوں میں مطبوع ہے اور راقم الحروف کے کتب خانہ میں موجود ہے- اسی طرح مجلسی نے لکھا ہے کہ :

"اعتقاد ما در براءت آنستکہ بیزاری جویند از بت ہائے چارگانہ یعنی ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ و زنان چارگانہ یعنی عائشہ و حفصہ و ہند و ام الحکم و از جمیع اشیاع و اتباع ایشاں و آنکہ ایشاں بدترین خلق خدا یند و آنکہ تمام نمی شود اقرار بخدا و رسول و ائمہ مگر بہ بیزاری از دشمنان ایشاں"

[حق الیقین ص :۵۳۹]

"تبرا کے بارے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ چار بتوں سے بیزاری اختیار کریں یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، اور معاویہ (رضی اللہ عنہم) سے اور چار عورتوں سے بیزاری اختیار کریں یعنی عائشہ، حفصہ، ہند اور اُم الحکم (رضی اللہ عنہن) سے اور ان کے تمام پیرو کاروں سے اور یہ اللہ کی مخلوق میں سے بدترین لوگ

تھے اور یہ کہ اللہ پر' رسول پر اور ائمہ پر ایمان مکمل نہیں ہو گا جب
تک ان دشمنوں سے بیزاری نہ کریں"۔

مشہور شیعہ مفسر علی بن ابراہیم قمی رقم طراز ہے کہ : ﴿ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ﴾ میں کفر سے مُراد ابوبکر (رضی اللہ عنہ)' فسوق سے مُراد عمر (رضی اللہ عنہ) اور عصیان سے مُراد عثمان (رضی اللہ عنہ) ہیں"۔ (العیاذ باللہ)

[تفسیر قمی ۳۱۹/۲ نیز دیکھیں شیعہ کی تفسیر الصافی ۵۹۰/۲ تفسیر نور الثقلین ۸۳/۵]

مولوی مقبول حسین دہلوی لکھتا ہے : کافی اور تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ ﴿ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ ﴾ میں ایمان سے اور ﴿ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ میں ضمیر غائب سے مُراد جناب امیر المؤمنینؑ ہیں اور ﴿ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ﴾ میں الکفر سے مُراد ہیں حضرت اوّل اور اَلْفُسُوْقَ سے مُراد ہیں حضرت ثانی اور اَلْعِصْيَانَ سے مسٹر ثالث۔ (ترجمہ و تفسیر مقبول دہلوی ص : ۸۲۳)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ اہل تشیع کے نزدیک قرآن کا انتظام و انصرام کرنے والے اور اسے نقل کروا کے دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلانے والے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تھے اور ان کی سب سے زیادہ دشمنی ان کے ساتھ ہے اور ان سے بیزاری اختیار کرنا ان کا عقیدہ ہے اس عقیدے کی موجودگی میں یہ موجودہ قرآن پر ایمان کیسے رکھ سکتے ہیں اگر اس قرآن کو مان لیں تو ان کا عقیدہ باطل ہو جاتا ہے۔

③ تیسری وجہ :

تیسری اہم وجہ یہ ہے کہ تحریف قرآن کے بارے شیعہ حضرات کی امہات الکتب میں دو ہزار سے زائد روایات موجود ہیں جن میں پانچ قسم کی تحریف کا ذکر ہے (۱) کمی (۲) زیادتی (۳) تبدیلی الفاظ (۴) تبدیلی حروف (۵) آیات و سور اور

کلمات کی خرابی ترتیب- پھر ان روایات میں شیعہ حضرات کے معتبر اور ثقہ علماء کے تین اقرار ہیں :

① یہ روایات متواتر ہیں اور ان کی تعداد مسئلہ امامت کے متعلق مروی روایت سے کم نہیں-

② یہ روایات تحریف قران پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں-

③ ان روایات کے مطابق شیعہ کا تحریف قرآن کا عقیدہ بھی ہے-

توضیح : ایران سے مرزا حسین بن محمد تقی نوری طبرسی شیعہ کی ایک کتاب ۱۲۹۸ء میں بنام "فصل الخطاب فی إثبات تحریف کتاب رب الارباب" چھپی جس میں مؤلف نے ہر عقلی و نقلی طریقے سے یہ بات اپنے مذہب کی امہات الکتب سے ثابت کی ہے کہ قرآن محرف و مبدل ہے- موجودہ قرآن پر شیعہ کا ایمان نہیں ہے- اور یہ شیعہ کے ثقہ علماء میں سے ہے اور شیعہ رجال کے تراجم پر ایران و ہندوستان سے جتنی کتب طبع ہوئیں ان میں سے اکثر کے اندر اس کا ذکر بڑے بھاری القابات سے کیا گیا ہے مثلاً شیخ عباس قمی نے "فوائد رضویہ" ص : ۱۵ میں لکھا ہے کہ :

سَحَابُ الْفَضْلِ... بَحْرُ الْعِلْمِ الَّذِیْ لَیْسَ لَهٗ سَاحِلٌ

"مرزا حسین بن محمد نوری فضل کا بادل... اور علم کا ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں"-

نیز مستدرک الوسائل ص : ۴ ج ۱ میں لکھا ہے کہ "اِمَامُ اَئِمَّةِ الْحَدِیْثِ... کِبَارُ رِجَالِ الْاِسْلَامِ" معلوم ہوا کہ فصل الخطاب کا مؤلف شیعہ حضرات کے ہاں بڑا معتبر محدث اور بحر العلوم ہے اور یہ کتاب اُس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روضہ میں بیٹھ کر مکمل کی ہے- اپنی کتاب کے آخری صفحہ ۳۹۸ میں لکھتا ہے کہ :

وَقَدْ فَرَغَ مِنْ تَنْمِیْقِ هٰذِهِ الْاَوْرَاقِ رَجَاءَ الْاِنْتِفَاعِ بِهَا فِیْ یَوْمِ

يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ الْعَبْدُ الْمُذْنِبُ الْمُسِيْئُ الْمَنْسِيُّ حسين بن محمد تقی النوری الطبرسی فِيْ مَشْهَدِ مَوْلَانَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلَيْلَتَيْنِ اَنْ بَقِيَا مِنْ شَهْرِ جُمَادَى الْاُخْرٰى مِنْ سَنَةِ اثْنَتَيْنِ بَعْدَ الْاَلْفِ

"امیر المؤمنین کے روضہ میں بیٹھ کر ان اوراق کے لکھنے سے بندہ گنا ہگار حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی ۲۸ جمادی اخری ۱۲۹۲ھ میں قیامت والے دن نفع کی امید کرتے ہوئے فارغ ہوا"۔

اور یہ مقام شیعہ کے ہاں بڑا بابرکت اور اقدس البقاع ہے اور جب یہ مؤلف فوت ہوا تو اسے نجف میں مشہد مرتضوی کے صحن میں دفن کیا گیا اور مشہد مرتضوی یعنی علی رضی اللہ عنہ کا روضہ شیعہ کے ہاں اتقیاء کے دفن کا مقام ہے۔ لہٰذا اس کتاب کا مؤلف ان کے ہاں بڑا معتبر محدث ہے اور اس نے فصل الخطاب لکھ کر ثابت کر دیا کہ شیعہ اس قرآن کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ

أَنَّ الْاَخْبَارَ الدَّالَةَ عَلٰى ذٰلِكَ تَزِيْدُ عَلَى اَلْفَيْ حَدِيْثٍ وَادَّعٰى اسْتِفَاضَتَهَا جَمَاعَةٌ كَالْمُفِيْدِ وَالْمُحَقِّقِ الدَّامَادِ وَالْعَلَّامَةِ الْمَجْلِسِيِّ وَغَيْرِهِمْ

[فصل الخطاب فی اِثبات تحریف کتاب رب الارباب ص : ۲۵۱]

"تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی احادیث دو ہزار سے زائد ہیں اور ان کے مشہور ہونے کا دعویٰ علماء کی ایک جماعت نے کیا ہے جیسے شیخ مفید، محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم ہیں"۔

اس مؤلف نے سید نعمت اللہ الجزائری التشیعی کے حوالے سے لکھا ہے کہ :

اِنَّ الْاَصْحَابَ قَدْ اَطْبَقُوْا عَلٰى صِحَّةِ الْاَخْبَارِ الْمُسْتَفِيْضَةِ بَلِ الْمُتَوَاتِرَةِ الدَّالَّةِ بِصَرِيْحِهَا عَلٰى وُقُوْعِ التَّحْرِيْفِ فِي الْقُرْاٰنِ

كَلَامًا وَّمَادَةً وَّاِعْرَابًا وَّالتَّصْدِيْقِ بِهَا

[فصل الخطاب ص : ۳۱ الانوار النعمانیه ۳۵۷/۲]

"اصحاب امامیہ نے ان روایات مشہورہ کی صحت بلکہ تواتر پر اتفاق کیا ہے ایسا تواتر جو صراحتاً قرآن پاک میں تحریف پر دلالت کرتا ہے یہ تحریف کلام' مادہ اور اعراب میں ہے اور ان روایات کی تصدیق پر بھی علمائے شیعہ نے اتفاق کیا ہے"۔

شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا :

اِنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ جَاءَ بِهٖ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةَ عَشَرَ اَلْفَ آیَةٍ

"بلاشبہ جو قرآن جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے کر آئے اس کی ۱۷ ہزار آیات تھیں"۔

اس حدیث کی شرح میں ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے :

فَالْخَبَرُ صَحِیْحٌ وَلَا یَخْفٰی اَنَّ هٰذَا الْخَبَرَ وَکَثِیْرًا مِنَ الْاَخْبَارِ الصَّحِیْحَهِ صَرِیْحَةٌ فِی نَقْصِ الْقُرْاٰنِ وَتَغْیِیْرِهٖ ' وَعِنْدِیْ اَنَّ الْاَخْبَارَ فِی هٰذَا الْبَابِ مُتَوَاتِرَةٌ مَعْنًی وَطَرْحُ جَمِیْعِهَا یُوْجِبُ رَفْعَ الْاِعْتِمَادِ عَنِ الْاَخْبَارِ رَاْسًا بَلْ ظَنِّیْ اَنَّ الْاَخْبَارَ فِی هٰذَا الْبَابِ لَا یَقْصُرُ عَنْ اَخْبَارِ الْاِمَامَةِ فَکَیْفَ یُثْبِتُوْنَهَا بِالْخَبَرِ

[مرأة العقول فی شرح اخبار آل الرسول ۵۲۵/۱۲]

"یہ خبر صحیح ہے پس مخفی نہ رہے کہ یہ خبر اور دیگر بہت ساری صحیح روایات صراحتاً قرآن پاک میں کمی اور تبدیلی پر دلالت کرتی ہیں اور میرے نزدیک تحریف قرآن کے مسئلہ میں روایات معناً متواتر ہیں اور ان سب روایات کو ترک کرنا تمام ذخیرہ احادیث سے اعتماد کو اٹھانا ہے

بلکہ میرا خیال ہے کہ تحریف قرآن کی روایات مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں اگر ان روایات کا اعتبار نہ ہوا تو مسئلہ امامت روایات سے کیسے ثابت کریں گے"۔

مرزا حسین بن محمد بن تقی نوری طبرسی لکھتا ہے :

اَلْاَخْبَارُ الْكَثِيْرَةُ الْمُعْتَبَرَةُ الصَّرِيْحَةُ فِيْ وُقُوعِ السِّقْطِ وَدُخُوْلِ النُّقْصَانِ فِي الْمَوْجُوْدِ مِنَ الْقُرْآنِ [فصل الخطاب : ۲۳۵]

"بہت ساری معتبر روایتیں موجودہ قرآن میں کمی پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں"۔

ملا فیض کاشانی لکھتا ہے :

وَاَمَّا اعْتِقَادُ مَشَايِخِنَا فِيْ ذٰلِكَ فَالظَّاهِرُ مِنْ ثِقَةِ الْاِسْلَامِ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوْبَ الْكُلَيْنِيِّ اِنَّهٗ كَانَ يَعْتَقِدُ التَّحْرِيْفَ وَالنُّقْصَانَ فِي الْقُرْاٰنِ لِاَنَّهٗ كَانَ رَوٰى رِوَايَاتٍ فِيْ هٰذَا الْمَعْنٰى فِيْ كِتَابِهٖ الْكَافِيْ وَلَمْ يَتَعَرَّضْ لِقَدْحٍ فِيْهَا مَعَ اَنَّهٗ ذَكَرَ فِيْ اَوَّلِ الْكِتَابِ اَنَّهٗ كَانَ يَثِقُ بِمَا رَوَاهُ فِيْهِ وَكَذٰلِكَ اُسْتَاذُهٗ عَلِيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْقُمِّيُّ فَاِنَّ تَفْسِيْرَهٗ مَمْلُوٌّ مِنْهُ وَلَهٗ غُلُوٌّ فِيْهِ وَكَانَ الشَّيْخُ اَحْمَدُ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ الطَّبْرِسِيُّ فَاِنَّهٗ اَيْضًا نَسَجَ عَلٰى مِنْوَالِهِمَا فِيْ كِتَابِ الْاِحْتِجَاجِ [مقدمہ تفسیر صافی ۳۴/۱]

"بہرکیف تحریف قرآن کے بارے ہمارے مشائخ کا عقیدہ تو ظاہر بات ہے کہ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی قرآن پاک میں تحریف اور کمی کا عقیدہ رکھتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اپنی کتاب اصول کافی میں اس معنی کی روایات بیان کی ہیں اور ان پر جرح نہیں کی باوجود اس کے کہ انہوں نے اپنی کتاب کی ابتدا میں ذکر کیا ہے کہ جو روایات وہ اس میں

لائیں گے اس پر انہیں اعتماد ہے۔ اسی طرح ان کے استاذ علی بن ابراہیم قمی کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ ان کی تفسیر قمی اس بات سے بھری پڑی ہے اور انہوں نے اس میں غلو سے کام لیا ہے اور شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی بھی ان دونوں کے منہج پر اپنی کتاب الاحتجاج میں چلے"۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ فقہ جعفریہ کی امہات الکتب میں دو ہزار سے زائد روایات تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں اور یہ ان کے ہاں متواتر روایات ہیں ان کا مقام بھی وہی ہے جو مسئلہ امامت کی روایات کا ہے اور مسئلہ امامت ان کے ہاں اصول دین سے ہے اگر ان روایات کا انکار کریں گے تو اپنے اصول دین کا انکار کرنا پڑے گا اور ان روایات میں اس بات کی تصریح ہے کہ قرآن محرف ہو چکا ہے اس میں کمی بیشی تبدیلی حروف و کلمات وغیرہ ہے اور تحریف قرآن پر ان کے ثقہ علماء کا اتفاق ہے۔ تفسیر قمی جو ان کی پہلی تفاسیر میں سے ہے اور بڑی معتبر سمجھی جاتی ہے اور اس کا مؤلف علی بن ابراہیم قمی ان کے ہاں ثقہ محدث و مفسر ہونے کے ساتھ گیارھویں امام حسن عسکری کے دور کا ہے۔ اس میں تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی کثیر روایات موجود ہیں اور اس کا شاگرد محمد بن یعقوب کلینی جو اصولی کافی وغیرہ کا مؤلف ہے اور یہ کتاب ان کے ہاں ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں بخاری شریف کا مقام ہے یہ بھی تحریف قرآن کا قائل ہے اور اس کے علاوہ ان کے علماء کی بہت بڑی تعداد صراحتاً تحریف قرآن پر عقیدہ رکھتی ہے۔

بعض شیعہ حضرات اپنے چار علماء کا نام لیتے ہیں کہ وہ تحریف کے قائل نہ تھے۔ (۱) سید شریف مرتضیٰ (۲) شیخ صدوق (۳) ابو جعفر طوسی (۴) ابو علی طبرسی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی تحریف کے قائل تھے انہوں نے قرآن کے محرف نہ ہونے کا قول تقیہ کرتے ہوئے اور بعض مصلحتوں کی بنیاد پر اختیار کیا کیونکہ سید شریف مرتضیٰ نے اپنے رسالہ "المحکم والمتشابه المعروف بتفسیر

النعمانی" ص : ۲۶ میں لکھا ہے کہ :

وَاَمَّا مَا حُرِّفَ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَوْلُهُ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اَئِمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ فَحُرِّفَتْ اِلٰى خَيْرَ اُمَّةٍ

مقصود یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ ائمّة کو امّة سے بدل دیا گیا ہے۔ اسی طرح کی کئی ایک مثالیں شریف مرتضٰی نے اس مقام پر ذکر کر کے واضح کر دیا کہ یہ اس بات کا قائل ہے کہ قرآن حکیم میں تحریف کی گئی ہے۔

مرزا حسین بن محمد نے فصل الخطاب میں ذکر کیا ہے کہ ان کا متقدمین میں کوئی موافق نہیں ہے۔ (دیکھیں ص : ۳۳) سید نعمت اللہ الجزائری الشیعی نے لکھا ہے کہ :

وَالظَّاهِرُ اَنَّ هٰذَا الْقَوْلَ اِنَّمَا صَدَرَ مِنْهُمْ لِاَجْلِ مَصَالِحِ كَثِيْرَةٍ مِنْهَا سَدُّ بَابِ الطَّعْنِ عَلَيْهَا بِاَنَّهُ اِذَا جَازَ هٰذَا فِي الْقُرْاٰنِ فَكَيْفَ جَازَ الْعَمَلُ بِقَوَاعِدِهٖ وَاَحْكَامِهٖ مَعَ جَوَازِ لُحُوْقِ التَّحْرِيْفِ لَهَا۔ كَيْفَ وَهٰؤُلَاءِ الْاَعْلَامُ رَوَوْا فِيْ مُؤَلَّفَاتِهِمْ اَخْبَارًا كَثِيْرَةً تَشْتَمِلُ عَلٰى وُقُوْعِ تِلْكَ الْاُمُوْرِ فِي الْقُرْآنِ وَاَنَّ الْاٰيَةَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ ثُمَّ غُيِّرَتْ اِلٰى هٰذَا [الانوار النعمانیه ۳۵۸/۲، ۳۵۹]

"ظاہر ہے کہ ان حضرات کا یہ انکار چند مصلحتوں پر مبنی تھا جن میں سے ایک یہ ہے کہ طعن کا دروازہ بند کرنے کے لیے کہ جب قرآن میں تحریف جائز ہے تو اس کے قواعد اور احکام پر عمل کیسے جائز ہو سکتا ہے باوجود اس کے کہ ان میں تحریف کا واقع ہونا جائز ہے اور یہ قرآن کے غیر محرف ہونے کا عقیدہ کیسے رکھ سکتے تھے جبکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں بہت ساری ایسی روایات درج کی ہیں جو تحریف قرآن پر مشتمل ہیں

اور بتاتی ہیں کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی پھر اس طرح بدل دی گئی"۔

معلوم ہوا کہ ان چاروں نے بھی تقیہ کرتے ہوئے اور بعض مصلحتوں کی بنا پر کہہ دیا کہ قرآن محرف نہیں حالانکہ یہ تحریف کے قائل تھے۔ بعض شیعہ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ ہم تو اسی قرآن کو مانتے ہیں اور اسے ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں لہٰذا ہم کیسے اس کی تحریف کے قائل ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی صرف مغالطہ ہے کیونکہ یہ تقیہ کی آڑ میں ایسا کہتے ہیں ان کو یہ حکم ہے کہ جب تک بارھواں امام اصل قرآن لے کر نہیں آتا تم اسے ہی پڑھتے رہو جب وہ اصل قرآن لے کر آئے گا تو پھر اس کی تلاوت ہو گی۔ مولوی مقبول دہلوی نے سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۴۹ میں جو يَعْصِرُوْنَ کا لفظ ہے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں ظاہر اعراب لگا دیئے گئے تو شراب خوار خلفاء کی خاطر يُعْصَرُوْنَ کو يَعْصِرُوْنَ سے بدل کر معنی کو زیر و زبر کیا گیا ہے یا مجہول کو معروف سے بدل کر لوگوں کے لیے ان کے کرتوت کی معرفت آسان کر دی ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اس کے حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو قرآن کو اس کی اسی حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے اور ان ہی کے وقت میں وہ حسب تنزیل خدائے تعالیٰ پڑھا جائے گا۔

(ترجمہ و تفسیر مقبول دہلوی ص: ۳۸۴)

نیز دیکھیں شیعہ حضرات کی معتبر کتب "الانوار النعمانیہ" ۳۶۰/۲ المقدمہ السادسہ من تفسیر الصافی ص ۲۵/۱ بصائر الدرجات الجزء الرابع. ص: ۱۹۳ وغیرھا)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس قرآن کو پڑھنے پر مجبور

ہیں اور ان کے نزدیک اصل قرآن ان کا بارھواں امام صاحب العصروالزماں لے کر آئے گا۔ اس کے ظہور تک یہ اسے ہی پڑھتے رہیں گے۔ حقیقت میں ان کا اس پر ایمان نہیں ہے۔

لہٰذا واضح ہوگیا کہ ان کا ایمان نہ قرآن پر ہے اور نہ ہو سکتا ہے اگر یہ قرآن پر صحیح ایمان لے آئیں تو فقہ جعفریہ کا خون ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ حقائق کو سمجھ کر صحیح عمل کی توفیق نصیب کرے اور مذاہب باطلہ سے محفوظ رکھے۔ شیعہ حضرات کے اس مؤقف کی تفصیل کے لیے ان کی کتاب "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" اور علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی "الشیعہ والقرآن" ملاحظہ ہوں۔

ماہِ محرم کی بدعات

س ماہِ محرم الحرام میں تعزیہ نکالنا، غازی عباس کے نام کا پنجہ نکالنا، ڈولی بنانا، عورتوں کا بازاروں میں مردوں کے ساتھ مل کر سینہ کوبی کرنا وغیرہ شرعاً کیسا ہے۔ کتاب و سنت کی رو سے واضح کریں؟ (محمد نواز، ساہیوال)

ج عشرہ محرم الحرام کے اندر یہ اُمور جو سرانجام دیئے جاتے ہیں، سراسر بدعت اور ناجائز ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے چند ایک ارشادات ملاحظہ ہوں:

① سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ رَدٌّ))

[بخاری (۲۶۹۷) کتاب الصلح ، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مَردود، مسلم (۱۷۱۸) کتاب الاقضیه باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور]

"جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی، وہ مردود ہے"۔

② یہی حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ دِيْنِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

[شرح السنة ۲۱۱/۱ باب ردّ البدع والاھواء]

③ صحیح مسلم (۱۷۱۸) کتاب الاقضیہ میں ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

"جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں وہ مردود ہے"۔

④ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((إِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَاَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَاِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ))

[صحیح بخاری (۷۲۷۷) کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ]

"بے شک سب سے بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے، سب سے اچھی سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے اور سب سے بدترین کام نئے ایجاد کردہ (بدعات) ہیں۔ بے شک جو تم وعدہ دیئے گئے ہو آنے والا ہے اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو"۔

⑤ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا خطبہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کہتے تھے:

((فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

[صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصلوة والخطبه (۸٦۷)]

"یقیناً سب سے بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے، سب سے بہترین راستہ

محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے بدترین کام نئے ایجاد کردہ (بدعات) ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوا کہ ہدایت و راہنمائی طریق و راستہ صرف وہی حق ہے جس پر محمد ﷺ تھے اور جو کام محمد کریم ﷺ کی سنت سے ثابت نہ ہو بلکہ خود تراشیدہ ہو وہ گمراہی و بدعت ہے۔

مذکورہ بالا اُمور نبی کریم ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں بلکہ نبی ﷺ نے تو چہرہ پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ))

[بخاری کتاب الجنائز باب ليس منا من شق الجيوب (۱۲۹۴) شرح السنة ۵/۴۳۶]

"جس نے رخسار پیٹے اور گریبان چاک کیے اور جاہلیت کے واویلے کی طرح واویلا کیا، وہ ہم میں سے نہیں"۔

اسی طرح نوحہ گری کے متعلق آپؐ کا ارشاد ہے:

((اَرْبَعٌ فِيْ أُمَّتِيْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُوْنَهُنَّ الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ وَالنِّيَاحَةُ))

[شرح السنة ۵/۴۳۷ مسلم کتاب الجنائز باب التشديد في النياحة (۹۳۴)]

"میری اُمت میں چار کام جاہلیت کے امر سے ہیں جنہیں یہ ترک نہیں کریں گے (۱) خاندانی وقار پر فخر کرنا (۲) نسب ناموں میں طعن کرنا (۳) ستاروں کے ذریعے پانی طلب کرنا (۴) نوحہ گری کرنا"۔

اسی طرح اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ))

"جب نوحہ کرنے والی نے اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت والے دن اس طرح اٹھائی جائے گی کہ اس پر گندھک کا کرتہ اور خارش کی قمیص ہو گی"۔

ابوبردہ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو سخت تکلیف تھی کہ غشی طاری ہو گئی اور ان کا سر ان کے گھر کی کسی عورت کی گود میں تھا تو ان کے گھر سے ایک عورت چلائی' انہیں طاقت نہ تھی کہ اس عورت پر کوئی چیز لوٹاتے' جب افاقہ ہوا تو فرمایا :

((اَنَا بَرِیْءٌ مِمَّا بَرِئَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرِیْءٌ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَةِ)) [مسلم کتاب الایمان (۱۰۴)]

"جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار تھے میں بھی اس سے بیزار ہوں یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت کے وقت آواز بلند کرنے والی' بال منڈانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے بری تھے"۔

مذکورہ بالا حدیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ تعزیت کے جلوس نکالنا' آہ و بکا کرنا' سینہ کوبی اور ماتم کرنا' مرثیے کہنا اور نوحہ گری کرنا شریعت اسلامیہ میں ممنوع و حرام ہے۔ اب فقہ جعفری کے دو حوالے ذکر کرتا ہوں۔

① فقہ جعفری کی معروف ترین کتاب "الانوار النعمانیہ ۲۱۶/۱" میں معراج کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

((وَرَاَیْتُ الْمَرْاَةَ عَلٰی صُوْرَةِ الْكَلْبِ وَالنَّارُ تَدْخُلُ فِيْ دُبُرِهَا

13702

وَتَخرُجُ مِنْ فِيْهَا وَالْمَلاَئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ رَاْسَهَا وَيَدَهَا بِمَقَامِعَ مِنَ النَّارِ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلاَمُ حَبِيْبِيْ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ! اَخْبِرْنِيْ مَا كَانَ عَمَلُهُنَّ حَتّٰى وَضَعَ اللّٰهُ عَلَيْهِنَّ الْعَذَابَ- فَاِنَّهَا كَانَتْ قَيْنَةً نَوَّاحَةً حَاسِدَةً))

"میں نے ایک عورت کتے کی شکل میں دیکھی جس کے پیچھے سے آگ داخل ہوتی اور منہ سے نکلتی تھی- فرشتے آگ کے ہتھوڑوں سے اس کے سر اور ہاتھوں کو مارتے تھے- فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا میرے محبوب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک! مجھے بتائیں کہ ان عورتوں کا کیا عمل تھا کہ اللہ نے ان پر عذاب مسلط کر رکھا تھا- (آپ نے فرمایا : میری بیٹی) وہ گانے والی' نوحہ گر' حسد کرنے والی عورت تھی"-

اسی طرح یہی روایت ملا باقر مجلسی کی کتاب حیات القلوب ۲/ ۵۴۲ باب بست و چہارم اور عیون اخبار الرضا ۲/ ۱۰ میں بھی موجود ہے-

(۴) من لا یحضرہ الفقیہ ۱/ ۱۲۰ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا اَوْمَثَّلَ مِثَالاً فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلاَمِ

"جس نے کسی قبر کی تجدید کی یا کوئی شبیہ بنائی تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا"-

نیز صاحب کتاب نے "مَثَّلَ مثالا" کی یہ شرح کی ہے کہ

مَنْ اَبْدَعَ بِدْعَةً وَدَعَا اِلَيْهِ اَوْوَضَعَ دِيْنًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلاَمِ

[من لا یحضرہ الفقیہ ۱/ ۱۲۱]

"جس نے کوئی بدعت ایجاد کی اور اس کی طرف دعوت دی یا دین بنایا وہ اسلام سے خارج ہو گیا"-

مذکورہ بالا فقہ جعفریہ کے حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ نوحہ گری کرنا یا شبیہ

بنانا جیسا کہ غازی عباس کا علم اور ہاتھ وغیرہ بنانا شرعاً حرام ہے اور ایسے امور ہیں جنہیں دین سمجھ کر اسلام میں داخل کر دیا گیا ہے۔ ان رسمی جلوسوں' تعزیوں اور نوحہ گری کی پارٹیوں کا گلی بازار وغیرہ میں گھومنا اسلام سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ بدعات خیر القرون کے بعد کی ایجاد ہیں۔ امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ اپنی معروف کتاب البدایہ والنہایہ ۱۱/۲۳۰ میں ۳۵۲ھ کے حالات میں رقم طراز ہیں :

فِیْ عَاشِرِ الْمُحَرَّمِ مِنْ هٰذِهِ السَّنَةِ اَمَرَ مُعِزُّ الدَّوْلَةِ بْنُ بُوَیْهِ... قَبَّحَهُ اللّٰهُ... اَنْ تُغْلَقَ الْاَسْوَاقُ وَاَنْ یَّلْبَسَ النِّسَاءُ الْمُسُوْحَ مِنَ الشَّعْرِ وَاَنْ یَّخْرُجْنَ فِی الْاَسْوَاقِ حَاسِرَاتٍ عَنْ وُجُوْهِهِنَّ نَاشِرَاتٍ شُعُوْرِهِنَّ یَلْطِمْنَ وُجُوْهَهُنَّ یَنِحْنَ عَلَی الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَلَمْ یُمْکِنْ اَهْلُ السُّنَّةِ مَنْعَ ذٰلِكَ لِکَثْرَةِ الشِّیْعَةِ وَظُهُوْرِهِمْ وَکَوْنِ السُّلْطَانِ مَعَهُمْ

"اس سال کے دس محرم کو معزالدولہ بن بویہ... اللہ اس کا برا کرے... نے حکم دیا کہ بازار بند کر دیئے جائیں اور عورتیں بالوں کے بنے ہوئے کمبل پہن کر بازاروں میں اس طرح نکلیں کہ وہ چہرے ننگے کرنے والیاں اور بال بکھیرنے والیاں ہوں۔ اپنے چہروں کو تھپڑ ماریں' حسین بن علی علیہ السلام پر نوحہ کریں اور اس کام سے روکنا اہل سنّت کے بس میں نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی شیعہ حضرات کی اکثریت تھی' انہیں غلبہ حاصل تھا اور بادشاہِ وقت ان کے ساتھ تھا"۔

امام ابنِ اثیر جزری نے بھی تقریباً یہی بات تحریر کی ہے۔ ملاحظہ ہو الکامل لابن اثیر ۲/۱۹۷ اور یہ بات شیعہ حضرات کو بھی مسلم ہے۔

(ملاحظہ ہو مجاہد اعظم ص : ۳۳۳ لشاکر حسین نقوی)

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ تعزیہ وغیرہ کی بدعات کا رواج چوتھی صدی ہجری میں ہوا ہے اور اس کا بانی معزالدولہ بن بویہ ہے۔ اس سے قبل اس بدعت

کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ لہٰذا ایسی بدعات و خرافات سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے اور ان جلوسوں اور تعزیوں میں شامل ہو کر ان کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ان میں حاضری دینے والا گناہ پر تعاون کرتا ہے۔ اس سے اللہ پاک نے منع فرمایا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾

[المائدہ]

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے"۔

(مجلۃ الدعوۃ مئی ۱۹۹۹ء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سُن کر انگوٹھے چومنا

س نبی ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اس کو آدم علیہ السلام اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سُنّت قرار دیتے ہیں' کیا یہ درست ہے؟ (عبدالخالق' شیخوپورہ)

ج اذان سنتے ہوئے مؤذن کے کلمات کا جواب دینے اور مؤذن کے کلمات اَشْهَدُ اَنَّ.... کے بعد ان کلمات وَاَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا (ابن خزیمہ ۲۲۹/۱ مسلم ۲۹۰/۱) کے علاوہ کوئی اور عمل قرآن و حدیث' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے ثابت نہیں۔ اذان نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی ہوتی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنتے تھے' انہیں جو تعلیم دی گئی تھی وہ یہ تھی۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ' ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ))

[رواہ مسلم والبخاری]

"جب تم اذان سنو تو جو کلمات مؤذن کہتا ہے وہی تم بھی کہا کرو اور پھر مجھ پر درود پڑھو"۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ اَحَدُكُمُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ' ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ اَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ' ثُمَّ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) [رواہ مسلم]

"جب مؤذن اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے تو تم اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہو' پھر جب وہ اَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو تم بھی اَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو' پھر جب وہ اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے تو تم بھی اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہو' پھر جب وہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کہے تو تم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہو' پھر جب وہ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو تم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہو' پھر جب وہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے تو تم بھی اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہو' جب لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو تم بھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو' جس نے جواب خلوص دل سے دیا وہ جنت میں داخل ہوگا"۔

اس کے علاوہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے انہیں انگوٹھے چومنے اور آنکھیں ملنے کا حکم دیا ہو۔ نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک صحابی

سے صحیح سند سے ثابت ہے۔ حتیٰ کہ ائمہ اربعہ سے کوئی اس کی سند پیش نہیں کر سکتا۔

اس صریح اور واضح حدیث کے ہوتے ہوئے (جس میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے جواب میں صرف وہی کلمہ دہرانے کی ہی تعلیم ہے اور اس سارے جواب پر جنت کی گارنٹی ہے۔ کہیں بھی انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر ملنے کا ذکر نہیں ہے) افسوس صد افسوس کہ لوگوں نے کہیں انگوٹھے چومنے، کہیں "قرة عینی" والے الفاظ کہنے شروع کر دیئے ہیں۔ یہ خود ساختہ حرکتیں اور خود ساختہ الفاظ ایسے ہیں جن کا دینِ اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ اس بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور دوسری جتنی روایات ہیں وہ سب کی سب موضوع یعنی بناوٹی اور خود ساختہ ہیں۔

چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب رد المحتار ۱/ ۲۹۳ میں ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :

"لَمْ یَصِحَّ فِی الْمَرْفُوْعِ مِنْ کُلِّ هٰذَا شَیْءٌ"

"اس بارے میں جتنی بھی مرفوع روایات ہیں ایک بھی صحیح سند سے ثابت نہیں"۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے ابن طاہر حنفی کی کتاب التذکرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس روایت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انگوٹھا چومنے کا بیان کیا جاتا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ (دیکھیں الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ۹)

حسن بن علی ہندی تعلیقات مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں :

کُلُّ مَا رُوِیَ فِی وَضْعِ الْاِبْهَامَیْنِ عَلَی الْعَیْنَیْنِ عِنْدَ سَمَاعِ الشَّهَادَةِ الْمُؤَذِّنِ لَمْ یَصِحَّ

"مؤذن سے شہادتین کے کلمے سنتے وقت آنکھوں پر انگوٹھے رکھنے کے بارے میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے ان میں سے کچھ بھی صحیح نہیں"۔

علامہ عینی حنفی نے اس سے منع فرمایا ہے' کہتے ہیں :

يَجِبُ عَلَى السَّامِعِيْنَ تَرْكُ عَمَلٍ غَيْرِ الْإِجَابَةِ

"اذان سننے والے کو اذان کا جواب دینے کے علاوہ اور ہر عمل کو چھوڑ دینا ضروری ہے"۔

حتیٰ کہ اہل علم نے تو ان روایات کو من گھڑت اور خود ساختہ قرار دیا ہے۔ امام ابو نعیم الاصبہانی نے کہا :

مَا رُوِيَ فِي ذٰلِكَ كُلُّهٗ مَوْضُوْعٌ

علامہ سیوطی نے بھی کہا ہے :

كُلُّهَا مَوْضُوْعَاتٌ [تیسیر المقال]

اور جس حدیث میں "قرة عینی" والی عبارت ہے اس کے متعلق امام شیبانی تمییز الطیب من الخبیث میں فرماتے ہیں :

قَالَ شَيْخُنَا وَلَا يَصِحُّ' فِيْ سَنَدِهٖ مَجَاهِيلُ مَعَ انْقِطَاعِهٖ عَنِ الْخِضْرِ وَكُلُّ مَا رُوِيَ مِنْ هٰذَا فَلَا يَصِحُّ رَفْعُهُ الْبَتَّةَ

[تمیز الطیب من الخبیث ص : ۱۸۹]

" شیخ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیح نہیں کیونکہ یہ منقطع بھی ہے اور اس کی سند میں راوی بھی مجہول ہیں"۔

امام الانبیاء کا نام سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو لگانا یہ محبت نہیں ہے بلکہ محبت اس چیز کا نام ہے کہ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کے لیے کائنات کی ہر چیز کو قربان کر دیا جائے۔ دیکھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ کے وضو کے پانی کو اپنے جسموں پر ملنا شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا :

((مَا يَحْمِلُكُمْ عَلٰى هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّ

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ إِذَا حَدَّثَ الْيُؤَدِّ أَمَانَتَه إِذَا اوْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ))

[شعب الایمان بیهقی' مشکوٰة' کتاب الادب وقال الالبانی حدیث حسن]

"تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر اُبھارا ہے؟ کہنے لگے : اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے۔ تو پھر آپ نے فرمایا : جسے یہ بات پسند ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے' وہ بات کرتے وقت سچ بولا کرے' امانت میں خیانت نہ کرے اور پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرے"

یعنی قول و فعل میں رسول اللہ ﷺ کا سچا تابع بن جائے۔

(مجلہ الدعوۃ جولائی ۱۹۹۷ء از : ع۔ع)

عید میلاد النبی کے جواز میں ﴿فَلْيَفْرَحُوْا﴾ آیت سے استدلال کرنا

س میلاد النبی کا جشن منانا رسول اللہ ﷺ کی دُنیا میں آمد پر خوشی کا اظہار ہے اور خوشی منانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے :

﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ﴾

[یونس : ۵۷]

اس آیت میں یہ واضح ہے کہ ہم اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہوں اور نبی ﷺ کی ولادت سب سے بڑی رحمت ہے :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

اس پر خوشی منانے سے تو کافر کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی

حدیث میں ہے کہ ابولہب سے ہر سوموار کے دن عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے کیونکہ اس نے اس دن نبی کریم ﷺ کی ولادت کی بشارت دینے والی اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا تھا۔ قرآنِ مجید کی اس آیت اور بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عید میلاد النبی کا جشن منانا درست ہے۔ آپ لوگ کیوں نہیں مناتے؟ اور مجلّہ میں ہمیشہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ (ایک سائل)

ج: نبی کریم ﷺ کی بعثت' ہجرت' تبلیغ' جہاد' امت پر شفقت اور آپؐ کی زندگی کے دوسرے احوال پر مسلمان سے خوشی مطلوب ہے۔ یہ خوشی سال کے ۳۶۰ دنوں میں سے صرف ایک دن یا رات تک محدود نہیں بلکہ ہر زمانے میں ہر وقت اور ہر حالت میں ہونی چاہیے۔ یہ کس قدر زیادتی ہے کہ ہم مسلمان ہو کر سال میں صرف ایک دن تو خوشی اور جشن منائیں باقی سارا سال نہ ہمیں آپ کا قول و فعل یاد رہے' نہ ہی زندگی میں آپؐ کا اسوہ نظر آئے بلکہ ہماری زندگی کا ہر پہلو یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کی رسم و رواج کا مظہر ہو اور سال میں صرف ایک دن رسول اللہ ﷺ کے نام پر وہ بھی ان غیر مسلم قوموں کی مشابہت میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ﷺ کے اسوہ کے خلاف گزرے۔ قرآنِ مجید کی آیت "فَلْيَفْرَحُوْا" سے نبی کریم کی ولادت پر خوشی اور جشن منانے کا استدلال حقیقت میں تحریف قرآن ہے۔ کیونکہ ﴿ فَلْيَفْرَحُوْا ﴾ کا معنی خوشی مناؤ کون سی لغت میں ہے؟ بتاؤ کس مفسر یا مترجم نے لکھا ہے کہ ﴿ فَلْيَفْرَحُوْا ﴾ کا معنی جلوس نکالو' بھنگڑے ڈالو' موسیقی بجاؤ' بیل چھکڑے' بسیں' ٹرک' ٹرالیاں سجا کر میدان میں آؤ' گنبد خضراء کا ماحول بناؤ اور اونٹوں پر بیٹھ کر گلی گلی گھومو' شرکیہ نعتیں پڑھو۔

ابو سعید خدری' ابن عباس' ہلال بن یساف' قتادہ' زید بن اسلم اور ضحاک وغیرہم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے بلند پایہ مفسرین نے اس "فضل اور رحمت" کی تفسیر اسلام اور قرآنِ مجید کے ساتھ کی ہے جس کی تائید اس سے پہلی

آیت بھی کرتی ہے۔ امام ابن جریر' ابن کثیر' امام بغوی' امام قرطبی' ابن العربی اور دوسرے بہت سے مفسرین نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ ائمہ کی تفاسیر میں سے کسی بھی تفسیر میں نہیں ہے کہ اس رحمت سے مراد نبی کریم ﷺ کی ولادت ہے۔ یہ واضح ہو کہ لوگوں کے لیے اصل رحمت نبی کریم ﷺ کی بعثت اور رسالت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

[الانبیاء : ۱۰۷]

یہ آیت نص ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت جہانوں کے لیے رحمت ہے۔ اور صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو کہا گیا کہ آپ مشرکین کے لیے بددعا کریں تو آپ نے فرمایا:

((اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً))

"کہ میں لوگوں پر لعنت کرنے کیلئے نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

یہ آیت اور حدیث دونوں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ جہانوں کے لئے رحمت نبی کریم ﷺ کی بعثت ہے۔ دوسرا جو بخاری شریف کی حدیث سے استدلال ہے وہ بھی باطل ہے:

① پہلی وجہ اہل سنّت والجماعت کا یہ عقیدہ کہ دینِ اسلام وحی کے علاوہ کسی چیز سے ثابت نہیں ہوتا اور یہ بخاری کی حدیث میں جس بات کا تذکرہ ہے۔ وہ خواب ہے اور خواب بھی نبی کریم ﷺ کا نہیں' جو کہ وحی ہوتا ہے بلکہ عباس بن عبدالمطلب کا ہے اور ہے بھی ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کا۔ ایک کافر آدمی کے خواب سے دین کیسے ثابت ہو سکتا ہے' جسے بیان بھی اس نے حالت کفر میں کیا ہو؟

② دوسری وجہ یہ ہے کہ کافر کو مرنے کے بعد اس کے اچھے اعمال کی جزا نہیں

ملتی- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ ﴾

[الفرقان : ۲۳]

"اور ہم پہنچے ان کے عملوں کی طرف جو انہوں نے کیے تھے تو ہم نے اسے اُڑتی ہوئی خاک بنا دیا"۔

دوسری آیت :

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ﴾ [الکہف : ۱۰۵]

"یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کی آیتوں اور اس کی ملاقات کے ساتھ' برباد ہو گئے ان کے اعمال- قیامت کے دن ہم ان کے لیے ترازو کھڑی نہیں کریں گے"۔

۳) اگر ابولہب نبی کریم ﷺ کی ولادت کا سن کر خوش بھی ہوا تھا تو وہ ایک طبعی خوشی تھی کیونکہ ہر انسان اپنے عزیزوں کے بچّے کی پیدائش پر خوش ہوتا ہے اور جو خوشی اللہ کے لیے نہ ہو' اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا اور پھر کیا وہ خوشی ہر سال مناتا تھا یا ایک ہی مرتبہ اس نے منائی تھی۔

۴) قرآنِ مجید کی نصوص سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۳۷﴾ ﴾ [فاطر : ۳۶'۳۷]

"اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے' نہ ان پر فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ مرجائیں اور نہ ہی ان میں سے ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ ہم ہر ناشکرے کو اس طرح سزا دیتے ہیں۔ وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس سے نکال ہم اچھے کام کریں گے' ان کاموں کے علاوہ جو دُنیا میں کرتے تھے (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) کیا ہم نے عمر نہیں دی تھی تمہیں کہ اس میں سوچ لو جس نے سوچنا ہے اور تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے تھے۔ اب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں"۔

دوسری آیت:

﴿ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝ ﴾ [الزخرف: ۷۴'۷۵]

"یقیناً مجرم جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے' نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے"۔

⑤ اگر واقعی آپ کے خیال میں ان دلیلوں سے نبی کریم ﷺ پر خوشی اور جشن منانے کا شرعی حکم ثابت ہوتا ہے تو خود امام الانبیاء اور ان کے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی سمجھ نہ آئی۔ اگر انہیں بھی سمجھ تھی تو انہوں نے یہ جشن کیوں نہیں منایا؟

پھر اس روایت میں ہے کہ ابولہب نے کہا: میں اپنی انگلی سے پانی چوستا ہوں۔ جبکہ انگلی اس کے ہاتھوں کا جز ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ۝ ﴾ [لھب: ۱]

"ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا"۔

قرآنِ مجید کی یہ آیت بھی اس کی تردید کر رہی ہے۔ اب بات ابولہب کی

درست مانی ہے یا قرآن کی؟ فیصلہ کریں۔

اور یاد رکھیں! نبی کریم ﷺ پر خوشی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ دین اسلام میں وہ چیزیں داخل کر دیں جن کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے دین پہنچانے میں خیانت کی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلك

بلکہ خوشی کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے لائے ہوئے دین کو مضبوطی سے تھام لیں اور اس میں کسی قسم کا اضافہ کرنے سے پرہیز کریں اور دل و جان سے اسلام کے احکامات تسلیم کریں۔ یہی آپؐ کی محبت و اطاعت و اتباع ہے۔

(از ع - ع مجلّہ الدعوۃ جولائی ۱۹۹۷ء)

درود کی آواز نبی ﷺ کو پہنچنے والی روایت کی تحقیق

س: بعض لوگ امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب جلاء الافہام ص: ۹۶ سے حدیث پیش کرتے ہیں کہ دنیا کے جس خطے میں بھی نبی ﷺ پر درود پڑھا جائے تو آپؐ کو اس کی آواز پہنچ جاتی ہے کیا یہ روایت صحیح ہے؟ وضاحت کریں۔

ج: نبی مکرم ﷺ کی ذات گرامی پر درود پڑھنے کے متعلق اللہ وحدہ لا شریک کا قرآن حکیم میں حکم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝٥٦ ﴾ [الاحزاب ۳۳: ۵۶]

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلاۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس نبی پر صلاۃ و سلام بھیجتے رہو"۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صلاۃ و سلام پڑھنا چاہیے لیکن یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ دنیا میں جہاں بھی درود پڑھا جا رہا ہو

آپ تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے یا آپ اسے سنتے ہیں۔
امام ابنِ قیم رحمہ اللہ نے صلاۃ و سلام کے متعلق جو کتاب بنام "جلاء الافہام" لکھی اس میں ایک روایت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اس سند کے ساتھ درج کی ہے :

قَالَ الطَّبْرَانِيُّ حدثنا يحيٰى بن ايوب العَلاَّف حدثنا سعيد بن ابى مريم عن خالد بن يزيد عن سعيد بن ابى هلال عن ابى الدرداء قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((اَكْثِرُوا الصَّلاَةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلاَئِكَةُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلاَّ بَلَغَنِيْ صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِيْ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَأْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ))

"ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جمعہ والے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ یہ ایسا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں نہیں ہے کوئی آدمی جو مجھ پر درود پڑھتا ہو مگر مجھ تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ ہم نے کہا آپ کی وفات کے بعد بھی تو آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے"۔

یہ روایت درست نہیں ہے۔ امام عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

اِنَّ اَسْنَادَهٗ لَا يَصِحُّ

[القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع ص : ١٥٩]

"بلاشبہ اس کی سند صحیح نہیں"۔

اس سند کے صحیح نہ ہونے کی دو وجوہات ہیں :

① سعید بن ابی مریم اور خالد بن یزید کے درمیان انقطاع ہے یعنی سعید بن ابی

مریم نے یہ حدیث خالد سے نہیں سنی- اس کی وجہ یہ ہے کہ خالد بن یزید ۱۳۹ھ میں فوت ہوئے- (تہذیب التہذیب ۱۲۸/۲) جبکہ سعید بن ابی مریم کی ولادت ۱۴۴ھ میں ہوئی- (تہذیب التہذیب ۲۹۶/۲) گویا کہ سعید خالد کی وفات کے پانچ سال بعد پیدا ہوا- لہٰذا یہ روایت صحیح کیسے ہو سکتی ہے-

۲) دوسری علت یہ ہے کہ سعید بن ابی ہلال اور ابوالدارداء رضی اللہ عنہ کے درمیان بھی انقطاع ہے- سعید بن ابی ہلال مصر میں ۷۰ھ میں پیدا ہوئے- (تہذیب التہذیب ۳۲۲/۲) جبکہ ابودرداء رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہو چکے تھے- (تقریب : ۵۲) لہٰذا ۷۰ھ میں پیدا ہونے والے آدمی کی ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کیسے ہو سکتی ہے- وہ تو ان کی پیدائش سے پہلے ہی اس دُنیائے فانی سے جا چکے تھے-

امام صلاح الدین العلائی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سعید بن ابی ھلال کی روایت جابر رضی اللہ عنہ سے مرسل ہے (جامع التحصیل : ۲۲۴) اور جابر رضی اللہ عنہ مدینہ میں ۷۰ھ کے بعد فوت ہوئے- (تقریب : ۵۲) جب سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت مرسل ہے تو جابر رضی اللہ عنہ سے پہلے فوت ہو جانے والے صحابی ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے- علاوہ ازیں علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے القول البدیع ص : ۱۵۸ میں طبرانی کبیر سے یہ روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

وَاَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِىُّ فِى الْكَبِيْرِ بِلَفْظِ اَكْثِرُوا الصَّلَاةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهُ يَوْمٌ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّى عَلَيَّ اِلَّا بَلَغَتْنِى صَلَاتُهُ حَيْثُ كَانَ

[القول البدیع اردو ص : ۲۸۳ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

"یعنی جلاء الافہام میں اس روایت کے اندر "بَلَغَتْنِى صَوْتُهُ" اور القول البدیع میں "بَلَغَتْنِى صَلَاتُهُ" کے الفاظ ہیں"-

پہلی دلیل کا مطلب مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے اور دوسری کا مطلب یہ ہے مجھے اس کا درود پہنچتا ہے۔

دوسری صورت میں سائل کا مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے کیونکہ دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کو درود پہنچا دیا جاتا ہے

بہرکیف یہ روایت اسنادی لحاظ سے قابل حجت نہیں۔

بدر کے مقتولوں کا ٹھکانا

س: کیا جنگِ بدر میں نبی اکرم ﷺ نے کافروں کے نام لے لے کر بتایا تھا کہ یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے اور یہ فلاں کا مقتل ہے۔ صحیح حدیث کی رو سے باحوالہ بتائیں۔ (عبداللہ' مرید کے)

ج: نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ نے بدر میں قتل ہونے والے کافروں کے نام لے لے کر یہ بات بتائی تھی کہ یہ فلاں کا مقتل ہے۔ یہ فلاں کی جائے کُشتن ہے۔ یہاں فلاں آدمی مارا جائے گا وغیرہ اور جس طرح آپ نے بتایا تھا بالکل اسی طرح ہی ہر ایک آپ کی بتائی ہوئی جگہ پر قتل ہوا تھا جیسا کہ صحیح مسلم باب غزوۃ بدر ص ۱۰۲ ج ۲ مترجم ۵/۵۶ میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب ابوسفیان کے آنے کی خبر پہنچی تو آپ نے مشورہ کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بات کی اور آپ نے اعراض کیا پھر عمر رضی اللہ عنہ نے بات کی۔ آپ نے ان سے بھی اعراض کیا۔ پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں حکم کریں کہ ہم گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں تو ہم ضرور ڈال دیں گے۔ اور اگر آپ یہ حکم دیں کہ ہم انہیں برک الغماد تک دوڑا دیں تو ہم ایسا ضرور کریں گے' آپ نے لوگوں کو بلایا اور وہ چلے یہاں تک کہ

بدر میں اُترے۔ وہاں پر انہیں قریش کے پانی پلانے والے ملے اور ان میں بنی حجاج کا ایک سیاہ غلام بھی تھا انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے متعلق پوچھ گچھ کی تو اس نے کہا۔ مجھے ابوسفیان کا علم نہیں لیکن ابوجہل' عتبہ' شیبہ اور اُمیہ بن خلف تو لوگوں میں موجود ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو مارنے لگے تو وہ کہنے لگا میں تمہیں بتاتا ہوں یہ ابوسفیان ہے جب انہوں نے اسے چھوڑا اور ابوسفیان کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا مجھے ابوسفیان کا علم نہیں لیکن ابوجہل' عتبہ' شیبہ اور امیہ بن خلف لوگوں میں موجود ہیں۔ جب اس نے یہ بات کہی پھر انہوں نے اس کو مارنا شروع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے یہ حالت دیکھی۔ آپ پھرے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب وہ تم سے سچ بولتا ہے تو تم اسے مارتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے تو تم اسے چھوڑتے ہو۔ آپ نے فرمایا :

((هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم))

[مسلم مترجم ۲/ ۱۰۲]

"یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے اور ہاتھ زمین پر رکھا۔ یہ فلاں کے گرنے کی جگہ۔ یہاں فلاں مرے گا۔ صحابیؓ کہتے ہیں جہاں آپ نے ہاتھ رکھا تھا وہاں سے کوئی بھی نہ ہٹا یعنی اس جگہ ہی وہ شخص مرا جس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ اس کے قتل ہونے کی جگہ ہے"۔

یہی حدیث صحیح مسلم کتاب الجنۃ ص ۳۸۷ ج ۲ میں ان الفاظ سے مروی ہے :

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے۔ ہم سب چاند دیکھ رہے تھے اور میں تیز نگاہ والا تھا میں نے چاند دیکھ لیا اور میرے علاوہ کسی نے نہ دیکھا۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ انہیں دکھائی نہ

دیا- عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں عنقریب دیکھوں گا اور میں اپنے بچھونے پر چت لیٹا تھا- پھر انہوں نے ہم سے بدر والوں کے متعلق دریافت کرنا شروع کیا- فرمایا :

((إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ أَهْلِ بَدْرٍ بِالْأَمْسِ يَقُوْلُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ فَوَ الَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا اخْطَؤُا الْحُدُوْدَ الَّتِیْ حَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ .)) [الحدیث]

"بے شک نبی کریم ﷺ ہمیں کل کے دن (یعنی لڑائی سے ایک دن پہلے) بدر والوں کے گرنے کا مقام بتانے لگے- آپ فرماتے تھے اگر اللہ نے چاہا تو فلاں شخص کل یہاں مرے گا- عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا جو حدیں آپ نے ان کی متعین کی تھیں وہ وہاں سے نہ ہٹے (یعنی ہر کافر اسی جگہ مارا گیا جہاں آپ نے نشاندہی فرمائی تھی)"-

علاوہ ازیں یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مسند احمد ص ۲۶ ج ۱ ص ۲۱۹، ۲۵۸، ج ۳ ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی الاسیر ینال منه ویضرب ویقرن ص ۵۸ ج ۳ نسائی کتاب الجنائز باب ارواح المؤمنین ص ۲۰۹ ج ۱ اور تفسیر ابنِ کثیر میں آیت وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ... کے تحت ان الفاظ کے ساتھ وَاللّٰهُ لَكَاَنِّی الْاٰنَ اَنْظُرُ اِلٰی مَصَارِعِ الْقَوْمِ ص ۳۰۱، ج ۲ روایت کی گئی ہے یعنی آپ نے کہا اللہ کی قسم گویا کہ میں اب قوم کے گرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں- "عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر" لابن سید الناس ص ۱/۳۲۸

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو بعض اوقات غیب کی خبریں دیتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ علم غیب اور اخبار غیب میں بڑا فرق ہے- علمِ غیب صرف خاصہ باری تعالیٰ ہے- اس کے سوا کوئی بھی عالم الغیب نہیں- ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾

[النمل ۲۷ : ۶۵]

"آپ کہہ دیں کہ آسمانوں اور زمین والوں میں سے اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا"۔
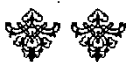
کتاب

الطهارة

مونچھوں اور داڑھی کی مقدار اور خضاب کا حکم

س ① مونچھوں والے شخص کے بارے میں نبی ﷺ کا کیا حکم ہے؟

② کیا سیاہ خضاب لگانا درست ہے یا کس حالت میں لگانا چاہیے۔ ابنِ ماجہ کے اندر جو حدیث ہے کہ تمہاری عورتیں رغبت کرتی ہوں اور تمہارے دُشمن کے دِل میں رعب پیدا ہو۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے کئی لوگوں نے اس حدیث پر عمل کیا ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

③ داڑھی کتنی رکھنی چاہیے ایک مولوی صاحب نے بتایا ہے کہ داڑھی صرف ایک مٹھ رکھنی چاہیے اس سے کم نہ ہو زیادہ رکھنا ثواب ہے۔ قرآن و سُنّت کی روشنی میں وضاحت کریں۔

(عبدالحمید' گاؤں سہالہ ڈاک خانہ ایوبیہ توحید آباد علاقہ گلیات تحصیل و ضلع ایبٹ آباد)

مونچھوں اور داڑھی کا حکم

ج نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

① ((عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ))

[صحيح مسلم ۱/ ۲۲۳ (۲۶۱)]

"دس خصلتیں فطرت میں سے ہیں جن میں سے مونچھیں تراشنا اور داڑھی بڑھانا بھی ہے"۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

② ((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ : اَوْفِرُوا اللِّحٰى وَاَحْفُوا

الشَّوَارِبَ وَفِي رِوَايَةٍ أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحٰى))

[متفق عليه بحواله مشكوٰة المصابيح كتاب اللباس باب الترجل (۴۴۲۱)]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "مشرکوں کی مخالفت کرو۔ داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست کرو اور ایک روایت میں ہے : داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو اچھی طرح کاٹو"۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

③ ((فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ يَقُصُّوْنَ عَثَانِيْنَهُمْ وَيُوَفِّرُوْنَ سِبَالَهُمْ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ قُصُّوا سِبَالَكُمْ وَوَفِّرُوا عَثَانِيْنَكُمْ وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ))

[مسند احمد ۵/۲۶۴ اس حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری ۱۰/ ۳۵۴ میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری ۲۲/ ۵۰ میں حسن قرار دیا ہے]

"ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اہل کتاب داڑھیوں کو کاٹتے اور مونچھوں کو چھوڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا : تم مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور اہل کتاب کی مخالفت کرو"۔

مندرجہ بالا تین احادیث سے معلوم ہوا کہ مونچھیں کاٹنا یا پست کرنا اور داڑھی بڑھانا فطرت اسلام میں داخل ہے اور داڑھی کٹانا' مونچھیں بڑھانا فطرت اسلامی کو بدلنا اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی علامت ہے۔ لہٰذا جو شخص مونچھیں بڑھاتا ہے' کاٹتا نہیں وہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت عذاب الیم کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ [النور : ٦٣]

"پس جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں' ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب اترے"۔

باقی رہا داڑھی کی مقدار کا مسئلہ' اللہ کے رسول ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے اور اس کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ سے پانچ الفاظ مروی ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں :

- "فَحَصَلَ خَمْسُ رِوَايَاتٍ أَعْفُوا وَأَوْفُوا وَأَرْخُوا وَأَرْجُوا وَ وَفِّرُوا وَمَعْنَاهَا كُلِّهَا تَرْكُهَا عَلٰى حَالِهَا هٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنَ الْحَدِيْثِ الَّذِيْ يَقْتَضِي أَلْفَاظُهُ [شرح مسلم للنووی ۱/۱۲۹]

"پانچ روایات مروی ہیں اعفوا' اوفوا' ارخوا' ارجوا' وَوَفِّرُوا ان سب کا معنی یہ ہے کہ داڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ اس حدیث کے ظاہری الفاظ اسی بات کا تقاضا کرتے ہیں۔

لہٰذا جب اللہ کے رسول ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے اور اسے کاٹنا اہل کتاب کی علامت بتائی گئی ہے تو داڑھی کو اسی کے حال پر چھوڑ دینا ہی منشائے ایزدی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے۔ آپؐ کے فرمان کے ہوتے ہوئے کسی دوسری بات کی طرف توجہ کرنا درست نہیں۔

داڑھی تراشنے کے حق میں ایک روایت کا جائزہ

بعض لوگ داڑھی تراشنے اور اسے کانٹ چھانٹ کرنے کے متعلق ترمذی شریف کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں :

- ((إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُوْلِهَا))

[ترمذی کتاب الادب باب ما جاء فی الاخذ من اللیحۃ (۲۷۶۲)' مشکوۃ

کتاب اللباس باب الترجل (۴۴۳۹)]

"عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی کو عرض و طول سے کاٹتے تھے"۔

اگر یہ روایت درست ہوتی تو فی الجملہ داڑھی ترشوانے اور کانٹ چھانٹ کرنے پر استدلال صحیح ہوتا ہے لیکن یہ روایت انتہائی کمزور بلکہ من گھڑت ہے۔ اس کی سند میں عمر بن ھارون نامی راوی ہے جس کے بارے میں حافظ الحدیث امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد بن حنبل اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔ امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ کذاب خبیث ہے۔ اور امام صالح جزرہ رحمہ اللہ بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ امام علی بن مدینی اور امام دارقطنی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف جداً یعنی بے حد ضعیف ہے۔ امام ابو علی الحافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ متروک الحدیث ہے۔ امام ساجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ضعف ہے۔ امام ابو نعیم رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ سن کر حدیثیں بیان کرتا ہے اور محض ہیچ ہے۔ امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب ۳۱۶/۴، ۳۱۷) امام ترمذی رحمہ اللہ اس روایت کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ عمرو بن ہارون کہ یہ روایت بالکل بے اصل ہے۔ (ترمذی (۲۷۶۲) و تہذیب التہذیب ۳۱۷/۴) علامہ البانی اس کو موضوع یعنی من گھڑت کہتے ہیں۔ (سلسلہ احادیث ضعیفہ ۳۰۴/۱) حیرت کی بات ہے اس بے اصل، من گھڑت اور بے بنیاد روایت سے نہ صرف استدلال کیا جاتا ہے بلکہ اسے صحیح احادیث کے معارضہ میں پیش کیا جاتا ہے اور ایک ایسے نظریہ کو ثابت کیا جاتا ہے جس کا خیر القرون میں سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ بعض لوگ اس بے بنیاد روایت کو دلیل بنا کر داڑھی کا حلیہ اس طرح بگاڑ دیتے ہیں کہ کچھ داڑھی اوپر والے حصے سے مونڈ دی اور کچھ نیچے والے حصے سے اور چہرے پر ایک چھوٹی سی پٹی کی صورت میں چند بال رکھ لیے جو کھلم کھلا

شریعت سے مذاق اور شیطان کی پیروی ہے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ سے بغاوت اور اظہارِ بیزاری ہے افسوس تو اس بات کا ہے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے اور اپنے آپ کو سکالر اور Educated سمجھنے والے لوگ اس سُنّتِ متواترہ کا نہ صرف مذاق اُڑاتے ہیں بلکہ اسے سُنّتِ نبویؐ سے بھی خارج گردانتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ

ایک مسلم کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان (جو کہ مبنی بروحی ہوتا ہے) سے بڑھ کر کسی اور چیز کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ آپ کی احادیث صحیحہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اس کی کانٹ چھانٹ نہ کی جائے۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ کی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

خضاب کا حکم

ج رسول اکرم ﷺ اپنے بالوں کو خود بھی خضاب لگاتے تھے اور اس کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنے سفید بالوں کو رنگا کرتے تھے۔ شریعت اسلامیہ میں سیاہ خضاب ممنوع و حرام ہے' اس کے علاوہ مہندی یعنی سرخ' زرد' سیاہی مائل سرخ وغیرہ جائز و مشروع خضاب ہیں۔ سیاہ رنگ کی ممانعت میں کئی ایک احادیث ہیں جن کا ان شاء اللہ بالتفصیل تذکرہ ہو گا۔ آپ کے خضاب کے متعلق اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

① ((عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَأَخْرَجَتْ شَعْرًا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ ﷺ مَخْضُوْبًا بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ))

[مسند احمد ۶/۲۹۶' ۳۱۹' ۳۲۲۔ بخاری کتاب اللباس باب ما یذکر فی الشیب (۵۸۹۷)' ابنِ ماجہ ۲/۱۱۹۶۔ ابنِ ابی شیبہ ۸/۴۳۴]

"عثمان بن عبداللہ نے کہا: میں اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے بالوں سے ایک بال نکالا جس کو مہندی اور کتم

کا خضاب لگا ہوا تھا"۔

کتم ایک ایسی بوٹی ہے جو نرم زمین میں اُگتی ہے۔ اس کے پتے زیتون کی پتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ چرخی وغیرہ پر چڑھ کر بلند ہوتی ہے مرچ کے دانے کی طرح اس کا پھل ہوتا ہے اس کے اندر گٹھلی ہوتی ہے جب اسے کوٹا جائے تو سیاہ رنگ ہوجاتا ہے اور اس کے پتوں کا عرق نکال کر ایک اوقی کی مقدار پیا جائے تو سخت قے آتی ہے۔ اگر کسی کو کتا کاٹ جائے تو اس کے علاج کے لیے مفید ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب اسے پانی میں ڈال کر پکایا جائے تو اس سے سیاہی نکلتی ہے جس سے لکھا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو [زاد المعاد ۴/۳۶۶]

② ((عَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ قَالَ أَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَکَانَ قَدْ لَطَخَ لِحْیَتَهٗ بِالْحِنَّاءِ))

[مسند احمد ۴/۱۶۳، نسائی ۸/۱۴۰، ابوداؤد (۴۲۰۸) ۴/۸۶]

"ابو رمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے اپنی داڑھی مبارک کو مہندی لگائی ہوئی تھی"۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

③ ((وَاَمَّا الصُّفْرَةُ فَاِنِّیْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَصْبُغُ بِهَا فَاَنَا اُحِبُّ أَنْ اَصْبُغَ بِهَا))

[احمد ۲/۱۷، ۱۱۰۔ بخاری کتاب الوضوء باب غسل الرجلین فی النعلین (۱۶۶)، مسلم کتاب الحج (۱۱۸۷)، نسائی (۲۳۵۹) ابوداؤد کتاب المناسك باب وقت الحرام (۱۷۷۲)، ابنِ ماجه (۲۳۲۲)، ابنِ ابی شیبه ۸/۴۴۲]

"ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے دیکھا کہ وہ زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے۔ میں بھی یہی پسند کرتا ہوں"۔

علاوہ ازیں انس رضی اللہ عنہ سے آپ کے خضاب کی نفی منقول ہے جیسا کہ مسند احمد ۳/۱۰۰، ۱۰۸، مسلم (۲۳۴۱)، ابوداؤد (۴۲۰۹)، ابنِ ماجه ۲/۱۱۹۸ میں ہے۔ اس کے

متعلق حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ۱۰/۳۵۴ میں طبری کے حوالہ سے لکھا ہے۔

"وَحَاصِلُهُ أَنَّ مَنْ جَزَمَ أَنَّهُ خَضَبَ كَمَا فِي ظَاهِرِ حَدِيْثِ أُمِّ سَلَمَةَ وَكَمَا فِي حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ الْمَاضِي قَرِيْبًا أَنَّهُ ﷺ خَضَبَ بِالصُّفْرَةِ حَكَى مَا شَاهَدَهُ وَكَانَ ذٰلِكَ فِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ وَمَنْ نَفَى ذٰلِكَ كَأَنَسٍ فَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْأَكْثَرِ الْأَغْلَبِ مِنْ حَالِهِ"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس نے بالجزم یہ بات کی کہ آپؐ نے خضاب لگایا جیسا کہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی ظاہر حدیث میں ہے اور جس طرح ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے زرد خضاب لگایا' جو کہ قریب ہی پیچھے گزر چکی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو انہوں نے مشاہدہ کیا بیان کر دیا اور یہ کبھی کبھی ہوتا تھا۔ اور جس نے انس رضی اللہ عنہ کی طرح خضاب کی نفی کی ہے وہ اکثر اور اغلب حالت پر محمول ہے۔ یعنی آپؐ کبھی کبھی خضاب بھی لگایا کرتے تھے اور اکثر نہیں بھی لگاتے تھے۔

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد ۴/۳۶۷ میں رقم طراز ہیں

"فَإِنْ قِيْلَ قَدْ ثَبَتَ فِي الصَّحِيْحِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لَمْ يَخْتَضِبِ النَّبِيُّ ﷺ قِيْلَ : قَدْ أَجَابَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ هٰذَا وَقَالَ : قَدْ شَهِدَ بِهِ غَيْرُ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ خَضَبَ وَلَيْسَ مَنْ شَهِدَ بِمَنْزِلَةِ مَنْ لَمْ يَشْهَدْ فَأَحْمَدُ أَثْبَتَ خِضَابَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَمَالِكٌ أَنْكَرَهُ۔"

اگر یہ کہا جائے کہ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے

خضاب نہیں لگایا تو کہا جائے گا اس کا جواب امام احمد رحمہ اللہ نے دیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا۔ انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ (امّ سلمہ، ابو رمثہ، ابن عمر رضی اللہ عنہم) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کی شہادت دی ہے اور جس نے مشاہدہ کیا، وہ مشاہدہ نہ کرنے والے کی منزلت پر نہیں ہو سکتا (یعنی مشاہدہ کرنے والے کی بات زیادہ قابل قبول ہو گی) امام احمد رحمہ اللہ نے اور ان کے ساتھ محدثین کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خضاب ثابت کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس بات کا انکار کیا ہے۔

امام مالک کی یہ بات درست نہیں اس لیے کہ صحیح سند کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے خضاب لگایا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم :

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : اُعْفُوا اللِّحٰی وَخُذُوا الشَّوَارِبَ غَیِّرُوْا شَیْبَکُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی)) [احمد ۲/۳۵۶]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں ترشواؤ اور اپنی سفیدی کو بدلو اور یہود و نصاریٰ کی مشابہت نہ کرو"

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے آپ نے فرمایا :

((إِنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَا یَصْبُغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ))

[مسند احمد ۲/۲۴۰، ۲۶۰، ۳۰۹، ۴۰۱۔ بخاری کتاب احادیث الانبیاء (۳۴۶۲) و کتاب اللباس باب الخضاب (۵۸۹۹) مسلم کتاب اللباس والزینہ (۸۰) النسائی ۸/۱۳۷ (۵۰۸۷)۔ ابوداؤد کتاب الترجل باب فی الخضاب (۴۲۰۳)، ابن ماجہ ۲/۱۱۹۶۔ ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۱۔ عبدالرزاق ۱۱/۱۵۴]

"یہودی و عیسائی (اپنے بالوں کو) رنگتے نہیں۔ تم ان کی مخالفت کرو"۔

(نسائی کی روایت میں فَاصْبُغُوْا یعنی تم رنگو کے الفاظ بھی ہیں)

جائز خضاب :

ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

① ((خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى مَشْيَخَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ بِيْضٌ لِحَاهُمْ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ)) [مسند احمد ۵/۲۶۴]

"آپؐ انصار کے بوڑھے افراد جن کی داڑھیاں سفید تھیں' کے پاس آئے تو فرمایا : اے انصار کی جماعت (داڑھیاں) سرخ کرو اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری ۱۰/۳۵۴ میں اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری ۲۲/۵۰ میں اس کی سند کو حسن قرار دیا۔

② ((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ اَلْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ))

[مسند احمد ۵/۱۵۴، ۱۶۹- النسائی ۸/۱۳۹، ۱۴۰- ابوداؤد کتاب الترجل باب فی الخضاب (۴۲۰۴) ترمذی کتاب اللباس باب ما جاء فی الخضاب (۱۷۵۳) ابن ماجہ ۲/۱۱۹۶- عبدالرزاق ۱۱/۱۵۳- ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۳- موارد الظمآن (۱۴۷۵)]

"ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : بے شک جس چیز کے ذریعے تم اپنی سفیدی کو بدلتے ہوئے' ان میں سب سے اچھی مہندی اور کتم ہے"۔

③ ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَرَّ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ : رَجُلٌ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ : "مَا اَحْسَنَ هٰذَا" قَالَ : فَمَرَّ آخَرُ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ فَقَالَ : "هٰذَا اَحْسَنُ مِنْ هٰذَا" قَالَ فَمَرَّ آخَرُ قَدْ

خَضَبَ بِالصُّفْرِ فَقَالَ : "هٰذَا اَحْسَنُ مِنْ هٰذَا كُلِّهِ"))

[ابوداؤد (۴۲۱۱)- ابنِ ماجہ ۲/۱۱۹۸- ابنِ ابی شیبہ ۸/۴۳۲- ابنِ سعد ۱/۴۴۰- قال الالبانی فی تحقیق المشکاۃ ۲/۱۲۶۶ واسنادہ جید]

"ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک آدمی گزرا جس نے مہندی کا خضاب لگایا ہوا تھا تو آپؐ نے فرمایا : یہ کس قدر اچھا ہے۔ پھر ایک اور آدمی گزرا جس نے مہندی اور کتم ملا کر لگایا ہوا تھا۔ فرمایا : یہ اس سے بھی اچھا ہے۔ پھر ایک آدمی اور گزرا جس نے زرد خضاب لگایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا : یہ ان سب سے اچھا ہے"۔

مذکورہ بالا روایات میں بعض میں مطلقاً خضاب لگانے کا حکم ہے لیکن رنگ کی قید نہیں اور بعض روایات میں رنگ کا ذکر موجود ہے تو اصول شرعیہ کی رو سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ظہار کے کفارہ میں گردن آزاد کرنے کا ذکر فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ... ﴾ [مجادلہ : ۳]

"جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کر لیں پھر اپنے قول کی طرف رجوع کریں تو ایک گردن آزاد کریں"۔

اس آیت میں مطلق گردن کے آزاد کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ غلام مؤمن ہو یا کافر۔ اسی طرح قسم کے کفارہ میں بھی ﴿ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ﴾ فرمایا۔ (المائدہ : ۸۹)

لیکن قتل خطا کے کفارہ میں فرمایا :

﴿ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ [النساء : ۹۲]

یہاں مؤمن غلام آزاد کرنے کا فرمایا۔ تو پہلے دو کفاروں میں بھی مؤمن غلام

ہی مراد ہو گا کیونکہ وہ مطلق ہیں۔ یہ آیت مقید ہے۔ اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس طرح جن احادیث میں صرف رنگنے کا ذکر ہے' ان کو ان احادیث پر منطبق کیا جائے گا جن میں جائز رنگوں کا طرز عمل ہے۔

سیاہ خضاب کی ممانعت:

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((أُتِيَ بِأَبِيْ قُحَافَةَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَرَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ كَالثُّغَامَةِ بَيَاضًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ))

[مسلم كتاب اللباس والزينه باب استحباب خضاب الشيب بصفرة او حمرة و تحريمه بالسواد (۷۹)۔ نسائی ۱۳۸/۸ (۵۰۹۱)۔ ابوداؤد (۴۲۰۴)۔ ابن ماجه ۱۱۹۷/۲۔ ابن ابی شیبه ۴۳۲/۸۔ عبدالرزاق ۱۵۴/۱۱۔ حاکم ۲۴۴/۳۔ بیهقی ۳۱۰/۷]

"فتح مکہ والے دن (ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد) ابو قحافہ کو لایا گیا۔ ان کا سر اور داڑھی ثغامہ (سفید پھولوں والا درخت ہے) کی طرح سفید تھی۔ آپ نے فرمایا اس سفیدی کو بدلو اور سیاہی سے اجتناب کرو"۔

مسند احمد ۳۱۶/۳' ۳۲۲ میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

((إِذْهَبُوا بِهٖ إِلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ فَلْيُغَيِّرْهُ بِشَيْءٍ وَجَنِّبُوْهُ بِالسَّوَادِ))

"انہیں ان کی بعض عورتوں کی طرف لے جاؤ۔ وہ ان کی سفیدی کو بدلیں اور سیاہی سے بچاؤ"۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَيَحْرُمُ خِضَابُهُ بِالسَّوَادِ عَلَى الْأَصَحِّ وَقِيْلَ يُكْرَهُ كَرَاهَةَ تَنْزِيْهٍ وَالْمُخْتَارُ التَّحْرِيْمُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ

[شرح مسلم للنووی ۱۹۹/۲]

"اصح قول کے مطابق سیاہ خضاب حرام ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ تنزیہی ہے۔ مختار قول حرمت کا ہے اس لیے کہ آپ نے فرمایا۔ سیاہ خضاب سے بچو"۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فَقَوْلُهُ ﷺ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ دَلِيْلٌ وَاضِحٌ عَلَى النَّهْيِ عَنِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ [تحفۃ الاحوذی ۳/۵۷]

" آپ کا فرمان "اجتنبوا السواد" سیاہ خضاب کی حرمت پر واضح دلیل ہے"۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

ثُمَّ اِنَّ الْمَاذُوْنَ فِيْهِ مُقَيَّدٌ بِغَيْرِ السَّوَادِ لِمَا أَرْجَهُ مُسْلِمٌ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((غَيِّرُوْهُ وَجَنِّبُوْهُ السَّوَادَ)) [فتح الباری ۶/۴۹۹]

"سیاہ خضاب کے علاوہ خضاب لگانے کی اجازت ہے اس لیے کہ امام مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے نکلا ہے کہ آپ نے فرمایا : اس کی سفیدی کو بدلو اور اسے سیاہی سے بچاؤ"۔

امام نووی رحمہ اللہ مزید اپنی کتاب "المجموع شرح المہذب" ۱/۳۲۴ میں فرماتے ہیں کہ :

اِتَّفَقُوْا عَلٰى ذَمِّ خِضَابِ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ بِالسَّوَادِ

"سر اور داڑھی کے بالوں کو سیاہ خضاب لگانے کی مذمت پر محدثین کا اتفاق ہے"۔

اس کے بعد فرماتے ہیں :

وَالصَّحِيْحُ بَلِ الصَّوَابُ أَنَّهُ حَرَامٌ

"صحیح بلکہ درست یہ ہے کہ سیاہ خضاب حرام ہے"۔

علامہ سفارینی نے نقل کیا ہے کہ:

وَيُكْرَهُ بِالسَّوَادِ اِتِّفَاقًا نُصَّ عَلَيْهِ

[شرح ثلاثیات مسند احمد ۲/۵۳]

"سیاہ خضاب کی کراہت پر اتفاق ہے۔ اس پر نص شرعی موجود ہے"۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تُقَرِّبُوْهُ السَّوَادَ))

[مسند احمد ۳/۲۴۷- صحیح الجامع الصغیر (۴۱۶۹) ۲/۷۶۶]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفید بالوں کو بدلو اور ان کو سیاہی کے قریب نہ کرو"۔

((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا يَوْمًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَدَخَلَتْ عَلَيْهِ الْيَهُوْدُ فَرَاٰهُمْ بِيْضَ اللِّحٰى فَقَالَ مَالَكُمْ لَا تُغَيِّرُوْنَ فَقِيْلَ اِنَّهُمْ يَكْرَهُوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَلٰكِنَّكُمْ غَيِّرُوا وَاِيَّايَ وَالسَّوَادَ)) [مجمع الزوائد ۵/۱۶۰ طباخری ۵/۱۶۳ وقال الھیثمی وھو حدیث حسن]

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ایک دن نبی ﷺ کے پاس تھے۔ آپ کے پاس یہودی آئے۔ آپ نے ان کی سفید داڑھیاں دیکھ کر فرمایا۔ تمہیں کیا ہے تم انہیں رنگتے کیوں نہیں۔ کہا گیا کہ یہ ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: (اے مسلمانو) لیکن تم رنگ بدلو اور ہم سیاہی سے بچیں گے"۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بالوں کی سفیدی کو بدلنے سے کراہت کرنا

یہودیوں کا کام تھا۔ مسلمان سیاہ خضاب سے اجتناب کرتا اور دیگر خضاب پسند کرتا ہے۔

((عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَكُوْنُ قَوْمٌ يَخْضُبُوْنَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَّامِ لَا يَرِيْحُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))

[مسند احمد ۱/ ۲۷۳- نسائی ۸/ ۱۳۸ (۵۰۹۰) ابوداؤد (۴۲۱۲) بیہقی ۷/ ۳۱۱]

"ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے کہا : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : آخر زمانے میں ایک قوم ہوگی جو کبوتر کے پوٹوں کی طرح سیاہ خضاب لگائیں گے۔ وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے"۔

یہ حدیث بھی سیاہ خضاب کی ممانعت پر صراحتاً دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں وعید شدید ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يُسَوِّدُوْنَ اَشْعَارَهُمْ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ)) [مجمع الزوائد ۵/ ۱۶۴- المعجم الاوسط للطبرانی (۳۸۱۵) اسنادہ جید]

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے بال سیاہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر (رحمت) نہیں کرے گا"۔

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

[مجمع الزوائد ۵/ ۱۶۲]

"ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس نے سیاہ خضاب لگایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سیاہ کرے گا"۔

مذکورہ بالا چھ احادیث سے معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب کی شریعت میں بڑی مذمت آئی ہے اور اس پر شدید وعید فرمائی گئی- اس لیے یہ حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے علامہ ابنِ حجر مکی نے سیاہ خضاب کو اپنی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر ۱/۲۶۱ میں کبیرہ گناہوں میں لکھا ہے- علاوہ ازیں داڑھی یا سر کے بالوں کو شادی بیاہ' یا کسی کاروباری سلسلے کے لیے سیاہ کرنا دھوکہ اور فراڈ ہے- اپنے بڑھاپے کو چھپانا اور جوانی ظاہر کرنا ہے- اور دھوکہ دہی اور اصلیت چھپانا بھی شرع محمدیؐ میں حرام ہے-

سیاہ خضاب کے حق میں ایک روایت کا جائزہ

جو لوگ سیاہ خضاب نکاح یا جہاد کے موقعہ پر لگانے کا جواز پیش کرتے ہیں وہ ابنِ ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں' جو اس سند سے مروی ہے:

((حَدَّثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ الصَّيْرَ فِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ فِرَاسٍ ثنا عُمَرُ بْنُ الْخَطابِ بْنِ زَكَرِيَّا الرَّاسِبِيُّ ثنا دِفَاعُ بْنُ دَغْفَلٍ السَّدُوْسِيُّ عَنْ عَبْدِالْحَمِيْدِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ صُهَيْبِ الْخَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَحْسَنَ مَا اخْتَضَبْتُمْ بِهٖ لِهٰذَا السَّوَادُ اَرْغَبُ لِنِسَائِكُمْ فِيْكُمْ وَاَهْيَبُ لَكُمْ فِيْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمْ))

[ابن ماجه كتاب اللباس باب الخضاب بالسواد (۳۶۲۵)]

''آپؐ نے فرمایا بہترین خضاب جو تم لگاتے ہو وہ سیاہ رنگ کا ہے جس سے تمہاری عورتیں تمہاری طرف زیادہ رغبت رکھیں گی اور تمہارے دشمن کے سینوں میں ہیبت ناک ہے''-

یہ روایت ضعیف ہے- اس کی چند وجوہات ہیں (۱) دفاع بن دغفل سدوسی ضعیف راوی ہے- (۲) عبدالحمید بن صیفی لین الحدیث ہے (۳) عمر بن خطاب الراسبی کے بارے تقریب (ص : ۱۰) میں لکھا ہے مقبول ہے اور ابنِ حجر تقریب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں : اَلسَّادِسَةُ : مَنْ لَيْسَ لَهٗ مِنَ الْحَدِيْثِ اِلَّا الْقَلِيْلُ وَلَمْ

يَثْبُتُ فِيهِ مَا يُتْرَكُ حَدِيثُهُ مِنْ أَجْلِهِ وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِلَفْظِ مَقْبُولٍ حَيْثُ يُتَابَعُ وَالْاَفَلَيِّنُ الْحَدِيثِ یعنی چھٹی قسم وہ ہے کہ جس راوی کی روایتیں بالکل تھوڑی ہوں لیکن اس کے بارے میں جرح قادح ثابت نہ ہو متابعت کی صورت میں اس کی روایت قبول ورنہ لین الحدیث یعنی کمزور راوی ہے۔ چونکہ اس کی متابعت نہیں اس لیے یہ روایت ضعیف ہے۔ (۴) عبدالحمید کے والد صیفی بن حبیب کو بھی تقریب میں مقبول کہا گیا ہے۔ اس کی متابعت بھی نہیں ملی۔ (۵) اس میں انقطاع بھی ہے امام ذہبی میزان ۲/۱۴ میں راقم ہیں:

عَبْدُالْحَمِيْدُ بْنُ زِيَادِ بْنِ صَيْفِيِّ بْنِ حَبِيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ الْبُخَارِيُّ : لَا يُعْرَفُ سَمَاعُ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ

اس سند کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں بعض راویوں کا بعض سے سماع معروف نہیں لہٰذا یہ روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی۔

خون نکلنے سے وضو ٹوٹنا

س کیا خون کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ مجھے ایک آدمی نے کہا کہ اگر جسم سے خون نکل کر بہہ جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ کیا یہ بات درست ہے؟ کتاب و سنت کی رو سے میری صحیح راہنمائی فرمائیں۔

(ایک سائل' لاہور)

ج جسم سے خون کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

① امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الوضوء میں باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین کے تحت غزوہ ذات الرقاع کے ایک واقعہ کا مختصر طور پر تذکرہ کیا ہے جو کہ دیگر کتب حدیث میں مفصل موجود ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

غزوہ ذات الرقاع میں نکلے۔ ایک آدمی نے مشرکین کی ایک عورت کو پالیا۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس پلٹے اس کا خاوند جو اس وقت موجود نہ تھا واپس آیا۔ تو اسے اس واقعہ کی خبر دی گئی تو اس نے حلف اُٹھایا کہ وہ اس وقت تک رکے گا نہیں جب تک محمد ﷺ کے ساتھیوں کا خون نہ بہا دے۔ تو وہ رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلا۔ جب رسول اللہ ﷺ ایک مقام پر اُترے تو آپؐ نے فرمایا: آج رات چوکیداری کون کرے گا؟ تو آپ کی اس بات پر ایک مہاجر اور ایک انصاری صحابی نے لبیک کہا۔ آپؐ نے فرمایا: اس گھاٹی کے دہانے پر تم دونوں پہرے کے لئے چلے جاؤ کیونکہ وہاں سے دشمن کے آنے کا راستہ ہو سکتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھی گھاٹی کی نشیبی جانب چلے گئے۔ جب وہ دونوں چوکیداری کرنے والے ساتھی گھاٹی کے دہانے کی طرف گئے تو انصاری ساتھی نے مہاجر سے کہا کہ آپ رات کے اوّل حصّے میں پہرہ دینا پسند کریں گے یا رات کے آخری حصّے میں؟ انصاری کے لیے رات کا پہلا حصّہ قرار پایا اور مہاجر ساتھی لیٹ کر سو گیا اور انصاری نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں وہ آدمی آیا جب اس نے گھاٹی کے دہانے پر ایک شخص دیکھا تو اُس نے سمجھا کہ یہ قوم کا پہریدار ہے تو اس نے ایک تیر مارا تو اس انصاری نے وہ تیر نکال کر پھینک دیا اور سیدھا کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہا۔ پھر اس نے دوسرا' اس طرح تیسرا تیر مارا۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے وہ تیر اپنے جسم سے نکال کر پھینک دیئے اور برابر نماز پڑھتے رہے۔ پھر رکوع و سجود کئے پھر بعد میں اپنے ساتھی کو بیدار کیا جب اس آدمی نے ایک کی بجائے دو دیکھے تو وہ بھاگ گیا۔ جب مہاجر نے اپنے انصاری ساتھی کو دیکھا کہ اس کے جسم میں خون ہی خون بہہ رہا ہے تو فرمایا: سبحان اللہ تم نے مجھے بیدار کیوں نہیں کیا؟ تو انصاری صحابی نے کہا: میں ایک ایسی سورت پڑھ رہا

تھا میرا دل نہ چاہا میں اسے ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں۔ جب مجھ پر یکے بعد دیگرے تیر برسائے گئے تو مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں مجھے موت آنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے میرے ذمہ جو خدمت لگائی تھی وہ فوت ہو جائے۔ اگر یہ ڈر نہ ہوتا تو میں مرجاتا مگر سورت ختم ہونے سے پہلے رکوع نہ کرتا۔

یہ واقعہ سنن دار قطنی ۲۳۱/۱ (۸۵۸) کتاب الحیض' باب جواز الصلوۃ مع خروج الدم السائل من البدن' ابوداؤد' کتاب الطہارۃ' باب الوضوء من الدم (۱۹۸)' مستدرک حاکم ۱۵۶/۱' مواردالظمان (۲۵۰)' ابن خزیمہ جماع ابواب الافعال اللواتی لا توجب الوضوء (۳۶) ۲۴/۱'۲۵' سیرۃ ابن ہشام ۲۰۸/۲'۲۰۹ التلخیص الجبیر ۱۱۵/۱'۱۱۴۔ اس روایت کو امام حاکم ' امام ذہبی امام ابن حبان اور امام ابن خزیمہ رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس صحیح واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم سے خون کے بہہ پڑنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر خون کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا تو یہ صحابی اپنی نماز کو توڑ دیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ یقیناً اس واقعہ کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی ہو گی کیونکہ یہ تو ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اتنا بڑا واقعہ رونما ہو اور آپ اس سے بے خبر ہوں۔ اگر آپ کو خبر ہوئی تو اب خون کے ناقض ہونے کی صورت میں ضروری تھا کہ آپ اس کی وضاحت کرتے اور نماز کے فاسد ہونے کا ذکر کرتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خون ناقض وضو نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں ترجمہ الباب میں تعلیقاً بھی لا کر یہی مسئلہ سمجھایا ہے۔

اس حدیث کے ذکر کرنے کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ نے احناف کا رد کیا جو کہتے ہیں کہ خون ناقض وضو ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَاَرَادَ الْمُصَنِّفُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ الرَّدَّ عَلَى الْحَنَفِيَّةِ فِي أَنَّ الدَّمَ السَّائِلَ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ [فتح الباری ۲۸۱/۱]

"امام بخاری نے یہ حدیث لاکر احناف کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بہنے والا خون ناقض وضو ہے"۔

فائدہ: اس انصاری صحابی کا نام عباد بن بیر رضی اللہ عنہ اور مہاجر کا نام عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھا اور سورۃ کہف تھی جس کی وہ انصاری تلاوت کر رہے تھے۔ یہ بات امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری سند سے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں ذکر کی ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری ۲۸۱/۱)

② مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں:

((إِنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ صَلّٰى وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ دَمًا))

[دارقطنی ۲۳۱/۱ (۸۵۹) حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔ (فتح الباری ۲۸۱/۱)]

"عمر رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی نماز پڑھتے رہے کہ ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا"۔

③ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ:

((عَصَرَ ابْنُ عُمَرَ بَثْرَةً فَخَرَجَ مِنْهَا الدَّمُ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ))

[صحیح بخاری مع فتح الباری ۲۸۰/۱ تعلیقاً اور ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ موصولاً مروی ہے۔ التلخیص الخبیر ۱۱۴/۱ المحلی ۲۶۰/۱]

"ابن عمر نے پھنسی کو نچوڑا، اس میں خون نکلا اور انہوں نے وضو نہیں کیا"۔

ابن ابی شیبہ کے لفظ ہیں کہ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ پھر ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ ۱۲۸/۱ (۱۴۷۹)

④ امام طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ:

إِنَّهُ كَانَ لَا يَرَى فِي الدَّمِ السَّائِلِ وُضُوْءً يَغْسِلُ عَنْهُ الدَّمَ

ثُمَّ حَسْبُهٗ

[بخاری مع فتح الباری تعلیقًا ۲۸۰/۱ ابن شیبہ ۱۲۸/۱ (۱۴۷۳)]

"وہ خون نکلنے سے وضو کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے خون خود سے دھو دیتے اور بس"۔

⑤ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَا زَالَ الْمُسْلِمُوْنَ يُصَلُّوْنَ فِيْ جِرَاحَاتِهِمْ

[بخاری مع فتح الباری ۲۸۰/۱]

"مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے"۔

⑥ ابو جعفر الباقر رحمہ اللہ سے امام اعمش نے پوچھا کہ نکسیر بہنے والے خون کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا

لَوْ سَالَ نَهْرٌ مِنْ دَمٍ مَا اَعَدْتُّ مِنْهُ الْوُضُوْءَ

[فوائد الحافظ ابو بشر المعروف سمویہ ملاحظہ ہو فتح الباری: ۲۸۲/۱]

"اگر خون کی نہر بھی جاری ہو جائے تو میں اس سے وضو کا اعادہ نہیں کروں گا"۔

[اور خون کے ناقض وضو نہ ہونے کا موقف مدینے کے فقہاء سبعہ' امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی ہے۔ فتح الباری ۲۸۲/۱]

مذکورہ بالا احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا' خون خواہ جسم کے کسی بھی حصہ سے خارج ہو۔ حلق سے خارج ہو یا مسوڑھوں سے۔ سینگی اور پچھنے لگوانے سے ہو یا چوٹ لگنے سے' زخم کے آنے یا کسی پھنسی پھوڑے کے پھٹ جانے سے ہو۔ انجکشن لگا کر نکالا جائے یا کسی فائر کے لگنے سے نکلے' تھوڑا ہو یا زیادہ' کسی بھی صورت ناقض وضو نہیں ہے اور وضو کے ٹوٹنے کے متعلق جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں' وہ قابل حجت نہیں۔ تفصیل کے لیے نصب الرایہ ۴۲/۱ ملاحظہ ہو۔ (مجلۃ الدعوۃ ستمبر ۱۹۹۸ء)

ناخن بڑھانا

س: موجودہ دور میں اکثر عورتیں ناخن بڑھاتی ہیں اور کئی مرد حضرات بھی عورتوں کی طرح ایک اُنگلی کا ناخن رکھ لیتے ہیں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(محمد عباس' پسرور)

ج: ناخن بڑھانا شرعاً درست نہیں بلکہ فطرت کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ : اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْآبَاطِ))

[بخاری' کتابُ اللباس' باب تقلیم الاظفار (۵۸۹۰)]

"فطرت کی پانچ چیزیں ہیں ' ختنہ کرنا' زیر ناف مونڈنا' مونچھیں تراشنا' ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اُکھیڑنا"۔

اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

((وَقَّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ وَنَتْفِ الْاِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ أَنْ لَا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً))

[صحیح مسلم' کتابُ الطهارة باب خصال الفطرة (۲۵۸)]

"ہمارے لیے مونچھیں کاٹنے' ناخن تراشنے' بغلوں کے بال اُکھیڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے کا وقت مقرر کیا گیا ہے کہ ہم چالیس راتوں سے زیادہ نہ چھوڑیں"۔

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ ناخن تراشنا فطرت میں سے ہے اور اس کے لیے ۴۰ راتوں سے زیادہ عرصہ نہیں۔ چالیس دن کے اندر اندر ہمیں ضرور ناخن تراشنے چاہئیں۔ جو لوگ ناخن رکھتے ہیں اور بالخصوص عورتیں انہیں فیشن کے طور پر استعمال کرتی ہیں تو یہ شرعاً حرام ہے۔ اس سے مکمل اجتناب

کرنا چاہیے۔

اسی طرح مرد بھی چاہے ایک ناخن بڑھائیں، تب بھی یہ سنت کے خلاف ہے اور یوں بھی طبی طور پر یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ناخنوں کے اندر گندگی کے جراثیم پلتے ہیں جو بذریعہ خوراک ہمارے معدے میں جا کر ہمیں بیمار کرتے ہیں اور اس سے سوائے بیماریوں کے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کی چاہے جس قدر صفائی رکھی جائے، تب بھی گندے جراثیموں کا یہاں پہنچنا اور ہمارے پیٹ میں داخل ہونا اتنا مشکل نہیں۔ ویسے بھی جس چیز کا فائدہ نہ دُنیا میں ہے نہ آخرت میں تو ایسا فضول شوق پالنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ (مجلۃ الدعوۃ جولائی ۱۹۹۸ء)

شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینا

س: کیا شوہر اور بیوی وفات کے بعد ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں یعنی شوہر اگر پہلے فوت ہو جائے۔ بیوی اسے غسل دے سکتی۔ اسی طرح کیا بیوی پہلے فوت ہو جائے تو شوہر اسے غسل دے سکتا ہے۔ کتاب و سنت کی رو سے واضح کریں۔ (ایک سائل، لاہور)

ج: زوجین میں سے کوئی ایک پہلے وفات پا جائے تو دوسرا اسے غسل دے سکتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ :

((رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَقِيْعِ فَوَجَدَنِيْ وَاَنَا اَجِدُ صُدَاعًا فِيْ رَأْسِيْ وَاَنَا اَقُوْلُ وَارَأْسَاهُ! فَقَالَ ((بَلْ اَنَا، يَا عَائِشَةُ! وَارَأْسَاهُ)) ثُمَّ قَالَ ((مَا ضَرَّكِ لَوْمِتِّ قَبْلِيْ فَقُمْتُ عَلَيْكِ فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَصَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ))

[ابن ماجه كتاب الجنائز باب ما جاء في غسل الرجل امراته وغسل المراة زوجها (۱۴۶۵) سنن الدارقطني كتاب الجنائز (۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱) السنن الكبرى

للبیھقی کتاب الجنائز باب الرجل یغسل امراته اذا ماتت ۳/۳۹۶ مسند احمد ۶/۲۲۸ سنن الدارمی ۱/۳۹ مسند ابی یعلٰی ۸/۵۶ سیرت ابن ہشام ۲/۳۶۶]

" رسول اللہ ﷺ (ایک آدمی کے جنازے سے) بقیع سے واپس آئے۔ آپ نے مجھے اس حالت میں پایا کہ میرے سر میں درد ہو رہا تھا اور میں ہائے ہائے کر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! بلکہ میرے سر میں بھی درد ہو رہا ہے پھر فرمایا : تجھے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہو گئی تو میں تجھے غسل دوں گا اور کفن پہناؤں گا اور تیرا جنازہ پڑھوں گا اور تجھے دفن کروں گا"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا :

((لَوْ كُنْتُ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا غَسَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ نِسَائِهِ))

[ابن ماجه کتاب الجنائز باب ما جاء فی غسل الرجل امراته وغسل المراة زوجها (۱۴۶۴)، مسند ابی یعلٰی ۷/۴۶۸ (۴۴۹۴)، مسند احمد ۶/۲۶۷، ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی ستر المیت عند غسله (۳۱۴۱)، السنن الکبری للبیھقی ۳/۳۹۸، مستدرک حاکم ۳/۵۹، موارد الظمآن (۲۱۵۷)، شرح السنة ۵/۳۰۸، مسند شافعی ۱/۲۱۱]

"اگر مجھے پہلے وہ بات یاد آ جاتی جو مجھے بعد میں آئی ہے تو رسول اللہ ﷺ کو آپ کی بیویوں کے سوا کوئی غسل نہ دیتا"۔

قاضی شوکانی رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر والی حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں :

فِيهِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْمَرْاَةَ يُغَسِّلُهَا زَوْجُهَا إِذَا مَاتَتْ وَهِيَ تُغَسِّلُهُ قِيَاسًا [نیل الاوطار ۴/۳۱]

" اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورت جب مرجائے تو اس کو اس کا

خاوند غسل دے سکتا ہے اور اس دلیل سے عورت بھی خاوند کو غسل دے سکتی ہے" کیونکہ شوہر اور بیوی کا ایک پردہ ہے۔ جس طرح مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے' عورت بھی مرد کو دیکھ سکتی ہے۔

علامہ محمد بن اسماعیل صاحب سبل السلام رحمہ اللہ راقم ہیں :

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُغَسِّلَ زَوْجَتَهٗ وَهُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ

[سبل السلام ۲/۱۴۱، ۱۴۲]

"اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور یہی قول جمہور محدثین رحمہم اللہ کا ہے"۔

اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ :

اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ غَسَّلَتْ اَبَابَكْرٍ الصِّدِّيْقِ حِيْنَ تُوُفِّيَ

[المؤطا للامام مالك كتاب الجنائز ص : ۱۴۳ مع ضوء السالك، المصنف لعبد الرزاق ۳/۴۱۰، الاوسط لابن المنذر ۵/۳۳۵، شرح السنة ۵/۳۰۸]

"جس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے انہیں غسل دیا"۔

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

اَنَّ فَاطِمَةَ اَوْصَتْ اَنْ يُغَسِّلَهَا زَوْجُهَا عَلِيٌّ وَاَسْمَاءُ فَغَسَّلَاهَا

[دارقطني باب الصلاة على القبر (۱۸۳۳)، السنن الكبرى للبيهقي ۳/۳۹۶، المصنف لعبد الرزاق ۳/۴۱۰، شرح السنة ۵/۳۰۹، مسند شافعي ۱/۲۱۱، حلية الاولياء ۲/۴۳، في ترجمة فاطمة اسناده حسن]

"بلاشبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ انہیں ان کا خاوند علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا غسل دیں تو ان دونوں نے سیدہ

فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا"۔

علامہ احمد حسن محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمَرْأَةَ يُغَسِّلُهَا زَوْجُهَا وَهِيَ تُغَسِّلُهُ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ مِنْ سَائِرِ الصَّحَابَةِ إِنْكَارٌ عَلَى أَسْمَاءَ وَعَلِيٍّ فَكَانَ إِجْمَاعًا [حاشیہ بلوغ المرام ص: ۱۰۵]

"یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو اس کا شوہر غسل دے سکتا ہے اور وہ اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ اس لیے کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر کسی بھی صحابی کا انکار منقول نہیں۔ یہ مسئلہ اجماعی ہوا"۔

عورت کا اپنے شوہر کو غسل دینا تو سب اہل علم کے ہاں متفق علیہ ہے۔ (الاوسط لابن المنذر ۳۳۴/۵) البتہ مرد کا اپنی بیوی کو غسل دینا مختلف فیہ ہے۔ جمہور محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں جائز و درست ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم المعروف بابن المنذر رحمہ اللہ نے علقمہ، جابر بن زید، عبدالرحمٰن بن الاسود، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، قتادہ، حماد بن ابی سلیمان، مالک، اوزاعی، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ جیسے کبار محدثین رحمۃ اللہ علیہم سے یہی بات نقل کی ہے۔ (الاوسط ۳۳۶،۳۳۵/۵)

كتاب

الاذان

فجر کی اذان میں "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہنا

س: کیا فجر کی اذان میں "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے یا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے؟ تفصیل سے راہنمائی فرمائیں۔

(عمران' لاہور)

ج: نبی مکرم ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کا طریقہ جو بذات خود تعلیم فرمایا اس میں صبح کی اذان کے لیے "حی علی الفلاح" کے بعد دو مرتبہ "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہنا صحیح ثابت ہے۔ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ سُنَّةَ الْاَذَانِ قَالَ : فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِیْ قَالَ تَقُوْلُ : اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ .... فَإِنْ كَانَ صَلَاةَ الصُّبْحِ قُلْتَ : اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ' اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ))

[ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب کیف الاذان (۵۰۰' ۵۰۱) موارد الظمان (۲۸۹) طبرانی کبیر ۱۷۴/۷ حلیۃ الاولیاء ۳۱۰/۸ عبدالرزاق ۴۵۸/۱ (۱۷۷۹) شرح السنۃ باب التثویب ۲۶۳/۲' ۲۶۴ (۴۰۸) بیہقی ۳۹۴/۱ ابن خزیمہ ۲۰۱/۱ (۳۸۵) دارقطنی ۲۳۳/۱]

"میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اذان کا طریقہ سکھا دیں۔ آپ نے میرے سر کے اگلے حصے کو چھوا اور فرمایا تو کہہ اللہ اکبر اللہ اکبر......... اگر صبح کی نماز (کے لیے اذان) ہو تو تو کہہ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ' اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ"۔

((عَنْ اَنَسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ فِیْ اَذَانِ الْفَجْرِ حَیَّ

عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ))

[صحیح ابن خزیمہ ۲۰۲/۱ (۳۸۶) دارقطنی ۲۴۲/۱ التحقیق لابن جوزی ۳۱۱/۱ بیہقی ۴۲۳/۱ امام بیہقی نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے نیز دارقطنی میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مرتین کے الفاظ ہیں]

"انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: سُنّت میں سے یہ ہے کہ جب مؤذن فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہہ لے تو دو مرتبہ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہے"۔

اور یہ بات اصول حدیث میں واضح ہے کہ جب صحابی کسی امر کے بارے میں کہے کہ یہ سُنّت ہے تو اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہی ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَاَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلُوْنَ السُّنَّةَ اِلَّا لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [کتاب الام ۲۴۰/۱]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لفظ "سنت" صرف سُنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی بولتے تھے۔"

پس ثابت ہوا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا "اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کو فجر کی اذان میں "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے بعد دو بار سُنّت کہنے کا مطلب یہی ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

((عَنْ بِلَالٍ: اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْذِنُهُ بِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَقِيْلَ هُوَ نَائِمٌ فَقَالَ: اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ' اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فَاُقِرَّتْ فِيْ تَاْذِيْنِ الْفَجْرِ فَثَبَتَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ))

[ابن ماجہ کتاب الاذان (۷۱۶) اس کی سند میں انقطاع ہے لیکن چونکہ اوپر صحیح سند سے ثابت ہے اس لیے اسے بطور تائید اور شاہد کے ذکر کر دیا ہے۔]

"بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لیے

تشریف لائے تو بتایا گیا کہ آپؐ سو رہے ہیں تو بلال رضی اللہ عنہ نے دوبار کہا "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" نماز نیند سے بہتر ہے۔ تو اسے فجر کی اذان میں مقرر کر دیا گیا تو پھر معاملہ اس پر پختہ ہو گیا"۔

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ فجر کی اذان میں "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کے بعد دو مرتبہ "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جو آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائی۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد نہیں ہے جیسا کہ روافض کا کہنا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات غلط منسوب ہے اور جس روایت کا حوالہ دے کر عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے وہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ ملاحظہ ہو:

عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَآءَ اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ یُؤْذِنُهُ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ ' فَوَجَدَهُ نَائِمًا فَقَالَ : اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فَاَمَرَهُ عُمَرُ اَنْ یَّجْعَلَهَا فِیْ نِدَاءِ الصُّبْحِ

[مؤطا مالك كتاب الصلوة باب ما جاء فى النداء للصلوة (٨) ٤٢ مع ضوء السالك]

"مالک رحمہ اللہ کو یہ بات پہنچی کہ مؤذن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نماز صبح کی اطلاع دینے کے لیے آیا تو اس نے عمر رضی اللہ عنہ کو سوتا ہوا پایا۔ مؤذن نے کہا "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ اسے صبح کی اذان میں کہے"۔

مؤطا کی یہ روایت معضل و مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہی روایت سنن دارقطنی ۲۴۳/۱ میں بھی موجود ہے لیکن اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ اس میں کئی علل ہیں۔ (۱) سفیان ثوری مدلس ہے اور اس روایت میں تصریح بالسماع نہیں (۲) محمد بن عجلان بھی مدلس ہیں اور ان کی بھی تصریح بالسماع نہیں ہے۔ علامہ البانی

حفظہ اللہ مشکوٰۃ کی تحقیق میں فرماتے ہیں:

وَهُوَ ضَعِيْفٌ لِإِعْضَالِهِ أَوْ إِرْسَالِهِ [مشکوٰۃ ۲۰۶/۱]

"یہ روایت معضل یا مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے"۔

(۳) ایک سند میں العمری ضعیف راوی ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو اس کی مراد وہ نہیں ہے جو روافض ذکر کرتے ہیں بلکہ مفہوم یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سو رہے تھے اور مؤذن نے آکر یہ کلمہ ان کے پاس کہا تو انہوں نے بتایا کہ امیر کے دروازے پر آکر نیند سے بیدار کرنے کے لیے یہ کلمہ نہیں کہتے بلکہ اس کا تعلق فجر کی اذان کے ساتھ ہے لہٰذا اسے وہاں ہی رکھا جائے۔ جیسا کہ اوپر احادیث صحیحہ سے یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کی اذان میں یہ کلمہ تعلیم فرمایا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ سُنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کس انداز سے کرتے تھے کہ آپ کی تعلیمات میں کمی بیشی کو ناپسند کرتے تھے۔ جو کلمات جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے، انہیں وہاں ہی رکھنے کا حکم دیا تو اس لحاظ سے یہ عمر رضی اللہ عنہ کی منقبت اور شان کی دلیل ہوگی جو کہ روافض کے لیے سم قاتل ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ شیعہ حضرات نے جو اپنی اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ عَلِيٌّ حُجَّةُ اللهِ عَلَى الْخَلْقِ وغیرہ کا اضافہ کیا ہے یہ کسی صحیح تو کجا ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ یا بلال رضی اللہ عنہ میں سے کسی کو تعلیم دیا ہو بلکہ فقہ جعفریہ کی کتب میں ایسا کلمہ کہنے والے پر لعنت وارد ہوئی ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن و سُنّت کی روشنی میں ج ۱، ص ۱۰۱ تا ۱۰۸)

كتاب

الصلوة

نمازِ فجر کے بعد فوت شدہ سُنّت کی قضا

س اگر کسی شخص کی فجر کی سُنّتیں فوت ہو جائیں تو کیا وہ نمازِ فجر کے بعد ادا کر سکتا ہے؟ صحیح دلیل سے ہماری راہنمائی فرمائیں۔ (ذوالفقار' سرگودھا)

ج اگر کسی آدمی کی فجر کی سُنّتیں کسی سبب کی بنا پر فوت ہو جائیں یعنی وہ انہیں وقت پر ادا نہ کر سکے تو نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد پڑھ سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تقریری سُنّت سے یہ بات واضح ہے۔ آپؐ کی احادیث و سنن تین اقسام پر مشتمل ہیں (۱) قول (۲) فعل (۳) تقریر۔ تقریر کا مفہوم یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے سامنے کوئی عمل سرانجام دیا گیا ہو آپؐ نے اس سے منع نہ کیا ہو۔ آپؐ کا منع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ نے اسے برقرار رکھا ہے وگرنہ غلط کام کو نبی ﷺ برقرار نہیں رکھ سکتے۔ صحابی رسول قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

((اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ اِلَيْهِ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيْهِ))

[موارد الظمان (۶۲۴) صحیح ابن خزیمه باب الرخصة فی ان یصلی رکعتی الفجر بعد صلاة الصبح وقبل طلوع الشمس اذا فاتتا قبل صلاة الصبح ۲/ ۱۶۴ (۱۱۱۶) المستدرك ۱/ ۲۷۴'۲۷۵ سنن دارقطنی ۱/ ۳۸۲ بیهقی ۲/ ۴۸۳ المحلی لابن حزم ۳/ ۱۱۲'۱۱۳ نیل المقصود (۱۲۶۸)]

"انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت سُنّت ادا نہیں کی تھیں جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو انہوں نے کھڑے ہو کر فجر کی دو سُنّت ادا کیں اور نبی ﷺ ان کی طرف دیکھ رہے تھے آپ نے اس بات کا انکار نہیں کیا"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کی فجر کی سُنّت فوت ہو جائیں تو وہ نمازِ فجر کے بعد انہیں ادا کر سکتا ہے۔

علامہ ابوالحسن سندھی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَدُلُّ عَلَى الْإِذْنِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ لِمَنْ فَاتَهُمَا قَبْلَ ذٰلِكَ [حاشیہ سندھی علی ابن ماجہ ۳۵۲/۱]

"یہ حدیث جس آدمی کی فجر سے پہلے دو رکعت فوت ہو جائیں اسے فجر کی نماز کے بعد ادا کرنے کی اجازت پر دلالت کرتی ہے"۔

علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

وَقَالَ ابْنُ الْمَلِكِ: سُكُوْتُهُ يَدُلُّ عَلٰى قَضَاءِ سُنَّةِ الصُّبْحِ بَعْدَ فَرْضِهٖ لِمَنْ لَّمْ يُصَلِّهَا قَبْلَهٗ وَبِهٖ قَالَ الشَّافِعِيُّ

[مرعاۃ المفاتیح ۳۶۵/۳]

"نبی ﷺ کا اس بات پر خاموش رہنا دلالت کرتا ہے کہ صبح کی سُنّت فرض ادا کر لینے کے بعد اس آدمی کے لیے قضا کرنا جائز ہے جس نے یہ سُنّت فرض سے پہلے ادا نہیں کی۔ اور یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے"۔

شیخ حسین بن محمود الزیدانی نے مشکاۃ کے حاشیہ المفاتیح میں، شیخ علی بن صلاح الدین نے منهل الینابیع شرح المصابیح میں اور علامہ زینی نے شرح المصابیح میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (مرعاۃ المفاتیح ۳۶۵/۳)

ہمارے حنفی بھائیوں کا کہنا ہے کہ فرض کی ادائیگی کے بعد طلوع شمس تک

سنّت ادا نہیں کر سکتا اور اس کی دلیل ترمذی ۲/۲۸۷ (۴۲۳) سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :

((مَنْ لَّمْ يُصَلِّ رَكْعَتِي الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ))

" جس نے فجر کی دو رکعت نہیں پڑھیں وہ انہیں طلوعِ شمس کے بعد پڑھے "۔

اوّلاً : یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں قتادہ بن دعامہ السدوسی مدلس راوی ہیں اور یہ روایت معنعن ہے جس کی بنا پر ضعیف ہے۔

ثانیاً : امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جن کے حنفی حضرات مقلد ہیں' کے نزدیک اگر سنّت فجر رہ جائیں تو نہ فرضوں کے بعد ادا کرے اور نہ ہی سورج نکلنے کے بعد۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے :

((وَإِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ لَا يَقْضِيهِمَا قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ لِأَنَّهُ يَبْقَى نَفْلًا مُطْلَقًا وَهُوَ مَكْرُوْهٌ بَعْدَ الصُّبْحِ وَلَا بَعْدَ اِرْتِفَاعِهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ))

[هدايه ۱/۷۲ طبع بيروت باب ادراك الفريضة]

"اور جب آدمی سے فجر کی دو رکعت فوت ہو جائیں تو انہیں سورج نکلنے سے پہلے قضا نہ کرے۔ اس لیے کہ اب وہ مطلق نفل ہیں اور صبح کی نماز کے بعد نفل ادا کرنا مطلق طور پر مکروہ ہیں اور نہ ہی انہیں سورج نکلنے کے بعد ادا کرے امام ابوحنیفہ اور قاضی ابویوسف کے نزدیک"۔

صاحب ہدایہ کی توضیح سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی میں شیخین کے نزدیک جس کی صبح کی سنّت رہ جائیں نہ وہ صبح کی نماز کے بعد ادا کرے اور نہ ہی سورج نکلنے کے بعد۔ یعنی ان کا مؤقف صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے اور ضعیف حدیث کے بھی۔ کیونکہ صحیح حدیث کی رو سے فجر کی فوت شدہ سنّت نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد

قضاء کی جا سکتی ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور جن احادیث میں مطلق طور پر نمازِ فجر کے بعد نماز کی ممانعت ہے ان میں سے یہ دو رکعت صحیح حدیث کی رو سے مقید ہیں۔ لہٰذا ان کی ادائیگی میں کوئی کراہت نہیں۔

قبروں والی مسجد میں نماز کی شرعی حیثیت

س: ہمارے علاقے میں ایک جامع مسجد ہے جمعہ کے دن اس مسجد کے ساتھ میلہ بھی لگتا ہے تاہم اس مسجد میں ۷ سات قبریں بھی ہیں کیا ایسی مسجد میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ (فضل جمیل' حال ساکن متحدہ عرب امارات)

ج: ایسی مسجدیں جہاں قبریں ہوں وہاں نماز ادا کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے قبروں والی جگہ یا قبروں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کے متعلق اولاً کچھ احادیث صحیحہ تحریر کرتا ہوں پھر ان کا نتیجہ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اُمِ حبیبہ اور اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حبشہ میں موجود ایک گرجے اور اس میں لگائی ہوئی تصویروں کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا:

((إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَأُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

[بخاری کتاب الصلاۃ (۴۲۷) مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ (۵۲۸) نسائی کتاب المساجد (۷۰۳)]

"بے شک جب ان میں کوئی نیک آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں تصویریں بناتے یہ لوگ مخلوق میں سے اللہ کے ہاں قیامت والے دن بدترین ہوں گے"۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ))

[بخاری کتاب الجنائز (۱۳۹۰) مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاة (۵۲۹)]

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا"۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ))

[مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة (۵۳۰)]

"اللہ یہودیوں کو تباہ کرے جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا"۔

جندب رضی اللہ عنہ سے مروی لمبی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت سے قبل بیان فرمایا :

((أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ))

[صحیح مسلم 'کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة (۵۳۲)]

"خبردار! جو لوگ تم سے پہلے تھے (یہود و نصاریٰ) وہ اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیتے تھے- خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا' میں تمہیں اس کام سے روکتا ہوں"۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قبروں پر مسجدیں بنانا شرعاً حرام و ممنوع ہے تو ایسی مساجد میں نماز ادا کرنا بالاولیٰ منع ہے- اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ شراب کی خرید و فروخت منع ہے اور اس حرمت کے اندر شراب پینے کی حرمت موجود

ہے کیونکہ شراب کی خرید و فروخت وسیلہ ہے اور اس کا مقصود شراب نوشی کرنا ہے اور شرعی اصول یہ ہے کہ وسیلہ کی حرمت اس وسیلے کے مقصود کو بھی شامل ہوتی ہے۔

اسی طرح مسجد بنانا وسیلہ ہے اور ان کا مقصود نماز ادا کرنا ہے۔ جب قبروں پر مسجدیں بنانا حرام ہے تو ان مساجد کے اندر نماز ادا کرنا بھی حرام ٹھہرے گا۔ مسجدیں بنانے کا حکم جب شریعت نے دیا ہے تو اس ضمن میں نماز پڑھنے کا حکم بھی موجود ہے کیونکہ مسجد بنانے کا مقصد نماز ادا کرنا ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے امام ابنِ حزم رحمہ اللہ نے المحلّٰی ۴/۲۷‘۲۸ میں امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی فِیْ مَقْبَرَۃٍ أَوْإِلٰی قَبْرٍ اَعَادَ أَبَدًا

"جس نے قبروں والی جگہ یا قبر کی طرف نماز ادا کی‘ وہ اپنی نماز کو ضرور لوٹائے"۔

ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا تُصَلُّوْا إِلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَیْهَا))

[صحیح مسلم کتاب الجنائز باب النہی عن الجلوس علی القبر والصلاۃ علیہ (۹۷۲) مسند ابی یعلی (۱۵۱۴) ۳/۸۳- اسد الغابۃ ۴/۲۵۵ مسند احمد ۴/۱۳۵ ترمذی کتاب الجنائز (۱۰۵۲) ابوداؤد کتاب الجنائز (۳۲۲۹) نسائی کتاب الصلوٰۃ باب النہی عن الصلاۃ الی القبر ۲/۶۷ (۷۵۹) صحیح ابنِ خزیمہ (۷۹۳‘۷۹۴) صیحح ابن حبان (۲۳۱۱)]

"قبروں کی طرف نماز ادا نہ کرو اور نہ ان پر بیٹھو"۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْاَرْضُ کُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَۃَ وَالْحَمَّامَ))

[ترمذی ابواب الصلاۃ (۳۱۷) ۱/۳۴۱- ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ (۴۹۲) ابن ماجہ کتاب المساجد (۷۴۵) مسند احمد ۳/۸۳- سنن دارمی کتاب الصلوٰۃ (۱۳۹۷)

کتاب الام ۱/ ۴۹۲ ابن خزیمہ (۷۹۱) ابن حبان (۳۳۸، ۳۳۹) مستدرک حاکم ۱/ ۲۵۱]
"ساری زمین مسجد ہے سوائے قبروں والی جگہ اور حمام کے"۔

اس حدیث کو ابن خزیمہ' ابن حبان' حاکم اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہم نے صحیح کہا ہے۔ بعض ائمہ نے اسے معلل قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مرسل اور موصول دونوں طرح سے مروی ہے اور موصول بیان کرنے والا راوی ثقہ ہے۔ جب مرسل و موصول کا جھگڑا ہو تو حکم موصول کا ہوتا ہے ملاحظہ ہو شرح مسلم للنووی ۱/ ۲۵۶، ۲۸۲، ۲/ ۴۷ و ۲/ ۴۰ اور جلد ۱ ص ۲۸۲ میں امام بخاری و مسلم کا بالخصوص ذکر ہے کہ مرسل و موصول میں جب جھگڑا ہو تو ان ائمہ کے نزدیک حکم موصول کا ہوگا۔ اس طرح علامہ عراقی نے شرح الفیہ ۱/ ۸۳ میں یہی بات لکھی ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى اَنْ يُّصَلّٰى بَيْنَ الْقُبُوْرِ))

[موارد الظمآن کتاب المساجد (۳۴۵) مسند بزار (۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳) بحوالہ کتاب الجنائز ۱/ ۲۷۰ امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ مجمع الزوائد ۲/ ۳۰ طبرانی اوسط (۵۶۲۷) ۶/ ۲۹۳ کتاب المعجم لابن الاعرابی (۲۳۳۴) ۳/ ۱۰۸۲ (۲۳۳۰) ۳/ ۱۰۸۱۔ اس کا ایک شاہد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے صحیح ابن حبان میں موجود ہے۔ موارد الظمآن (۳۴۲) التلخیص الجبیر ۱/ ۲۷۷ اور دوسرا شاہد علی رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد (۴۹۰) بیہقی ۲/ ۴۵۱ التلخیص الجبیر ۱/ ۲۷۷ میں موجود ہے]

"نبی ﷺ نے قبروں کے درمیان نماز پڑھنے سے منع کیا ہے"۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلاَتِكُمْ وَلاَ تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا))

[بخاری کتاب الصلوٰۃ (۴۳۲) کتاب التهجد (۱۱۸۷)، ترمذی ابواب الصلوٰۃ (۴۵۱) مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرها (۲۰۸، ۲۰۹) مسند احمد ۲/ ۱۶۰۶، ۱۲۳ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، نسائی قیام اللیل (۱۵۹۷)، ابن ماجہ کتاب اقامة

الصلوٰۃ (۷۷۷) ۱۳

"اپنی نمازوں کا کچھ حصہ گھروں میں ادا کیا کرو۔ انہیں قبرستان نہ بناؤ"۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِيْ تُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ.))

[مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا (۷۸۰) ۵۳۹/۱]

"اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے"۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قبروں والی جگہ پر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور حدیث ابن عمرو ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں جو گھروں کو قبرستان بنانے سے منع کیا ہے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قبروں والی جگہ پر نماز نہیں پڑھی جاتی اور نہ ہی قرآن پڑھا جاتا ہے اس لیے تم گھروں کو قبرستان نہ بناؤ بلکہ نفل نمازیں گھروں میں پڑھ لیا کرو تاکہ یہ قبرستان نہ بنیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ حاشیہ نسائی میں فرماتے ہیں کہ ((وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا)) کا مفہوم امام کرمانی نے یہ ذکر کیا ہے کہ انہیں قبروں کی طرح نہ بناؤ کیونکہ قبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ (نسائی مع حاشیہ سیوطی و سندھی ۲۱۹/۲ ط ۔ دار المعرفہ بیروت)

اور اسی مقام پر علامہ سندھی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں :

أَيْ كَالْقُبُوْرِ فِي الْخُلُوِّ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةِ

"گھروں کو قبروں کی طرح نہ بناؤ جہاں اللہ کا ذکر اور نماز نہیں ہوتی"۔

ان احادیث میں قبروں والی جگہ پر نماز پڑھنے کی ممانعت عام ہے خواہ قبر دائیں طرف ہو یا بائیں طرف آگے ہو یا پیچھے اس لیے کہ منع کی حدیث عام ہے۔ اور جب تک عموم کی تخصیص کتاب و سنت کی کسی دلیل سے نہ ہو تو عام کی دلالت باقی

رہتی ہے- امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (الاختیارات العلمیہ ۲۵ بحوالہ کتاب الجنائز) میں فرماتے ہیں :

"قبروالی جگہ میں اور نہ ہی قبر کی طرف نماز صحیح ہوتی ہے اور اس سے ممانعت کی وجہ سے شرک کا ذریعہ بند کرنا ہے ہمارے بعض اصحاب نے یہ بات ذکر کی ہے کہ ایک یا دو قبریں نماز سے مانع نہیں اس لیے کہ ان پر مقبرہ کا لفظ نہیں بولا جاتا- مقبرہ تین یا تین سے زائد قبروں کو کہتے ہیں- امام احمد اور ان کے عام اصحاب میں یہ فرق نہیں ہے- بلکہ ان کا کلام' علت اور استدلال کی عمومیت ایک قبر کے پاس بھی نماز پڑھنے کو مانع ہے- اور یہی بات درست و حق ہے اور مقبرہ ہر وہ جگہ ہے جس میں قبربنائی جائے نہ کہ قبروں کا مجموعہ-

ہمارے اصحاب نے کہا ہے قبروں کے ماحول میں ہر وہ جگہ جو مقبرہ کے نام کے تحت آتی ہے اس میں نماز نہ پڑھی جائے- یہ بات اسے متعین کر دیتی ہے کہ نماز کی ممانعت ایک قبر کو بھی شامل ہے-

قرآن و سُنّت کے مذکورہ بالا دلائل اور ائمہ محدثین کی توضیحات سے معلوم ہوا کہ قبروں والی جگہ پر نماز نہیں ہوتی اور اگر زیادہ قبریں نہ ہوں ایک ہی قبر ہو تو وہ بھی درست نہیں-

جنابت والے کپڑوں میں نماز

س کیا مرد جس کپڑے میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے' اس کپڑے میں وہ نماز پڑھ سکتا ہے یا یہ کہ حالتِ جنابت میں پہننے کی وجہ سے وہ ناپاک ہو جاتے ہیں- قرآن و سُنّت کی رو سے واضح کریں- (محمد اصغر' مرید کے)

ج قرآن و سُنّت کی رُو سے جس مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ جس کپڑے میں صحبت کی ہے اگر اس میں پلیدی نہیں لگی تو اس کپڑے میں نماز پڑھی جا سکتی ہے اگر کپڑے پر منی لگ جائے تو تری کی صورت میں دھو ڈالے- دھونے

کے بعد اگر کپڑے میں نشان دکھائی دے تو کوئی حرج نہیں اگر منی خشک ہو تو اس کا کھرچ دینا ہی کافی ہے۔

① امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں :

((سَأَلْتُ أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ يُجَامِعُهَا فِيْهِ فَقَالَتْ نَعَمْ إِذَا لَمْ يَرَ فِيْهِ أَذًى))

[ابوداود (۳۶۶) ' نسائی ۱/۱۵۵' ابن ماجہ ۱/۱۹۲' دارمی ۱/۲۶۰' مسند احمد ۶/۳۲۵'۳۲۶' ابن خزیمہ ۱/۳۸۰' ابن حبان (۲۳۷)' بیہقی ۲/۴۱۰]

"میں نے اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی بیوی تھیں' سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ جس کپڑے میں مجامعت کرتے تھے اسی میں نماز پڑھ لیتے تھے تو انہوں نے کہا ہاں۔ جب اس میں گندگی نہ دیکھتے"۔

② ((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ))

[مسلم مع نووی عربی ۳/۱۹۶' ابوداؤد مع عون ۲/۳۱' نسائی ۱/۱۵۶' ابن ماجہ ۱/۱۹۲' احمد ۶/۳۵' ۹۷' ۱۳۲' ۲۱۳' ۲۳۹' ابن خزیمہ ۱/۱۴۶' شرح السنہ ۲/۸۹-۹۰]

"عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی پھر آپ اسی میں نماز پڑھتے"۔

③ ((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهُ الْمَنِيُّ غَسَلَ مَا أَصَابَهُ مِنْهُ ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْبَقْعِ فِيْ ثَوْبِهِ مِنْ أَثَرِ الْغَسْلِ))

[بخاری مع فتح ۱/۳۳۲-۳۳۴' مسلم مع نووی ۳/۱۹۷' ابوداؤد ۲/۳۲'

نسائی ۱/۱۵۶' ترمذی ۱/۲۰۱' ابن حبان ۲/۲۷٦' دارقطنی ۱/۱۲۵' بیہقی ۲/۴۱۸'
شرح السنہ ۲/۸۸ابن ماجہ (۵۳٦) مسند احمد ٦/۱۴۲'۲۳۵]

"عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو جس قدر منی لگ جاتی اس قدر اسے دھو ڈالتے پھر آپ نماز کو نکلتے اور میں آپ کے کپڑے میں دھونے کے نشان دیکھتی"۔

ان ہر سہ احادیث سے معلوم ہوا کہ انسان جس کپڑے میں اپنی بیوی سے مجامعت کرلے' وہی کپڑے پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے اگر اس میں منی وغیرہ لگی ہو تو اس کو دھو ڈالے یا کھرچ ڈالے۔ حالتِ جنابت میں لباس پہننے سے کپڑے پلید نہیں ہوتے۔

ایک رات میں قرآن ختم کرنا

س کیا ایک رات میں قیام کے اندر قرآن ختم کرنا شرعاً درست ہے؟ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا معمول تھا؟ صحیح احادیث کی رو سے وضاحت فرمائیں۔ (محمد افضل' مرید کے)

ج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کی رو سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ نے کبھی بھی ایک رات میں قرآن حکیم ختم نہیں کیا بلکہ آپ کی قراءت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی تھی۔ آپ کبھی زیادہ قرآن پڑھتے اور کبھی کم۔ چند ایک احادیث ملاحظہ ہوں :

① حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَافْتَتَحَ الْبَقَرَةَ فَقُلْتُ يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ۔ ثُمَّ مَضٰى فَقُلْتُ يُصَلِّي بِهَا فِي رَكْعَةٍ فَمَضٰى فَقُلْتُ يَرْكَعُ بِهَا ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ فَقَرَأَهَا۔ ثُمَّ

افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ فَقَرَأَهَا يَقْرَءُ مُتَرَسِّلاً إِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا تَسْبِيحٌ سَبَّحَ إِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ وَإِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ ثُمَّ رَكَعَ..))

[صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین (۷۷۲) نسائی ۲۲۶/۳ مسند احمد ۳۸۲/۵ ابن ماجہ (۸۹۷) ابوداؤد (۸۷۱) شرح السنۃ ۲۰/۴]

"میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپؐ نے سورۃ بقرہ شروع کی۔ میں نے کہا آپؐ سو آیت پر رکوع کریں گے۔ پھر آپؐ جاری رہے میں نے سوچا یہ سورت ایک رکعت میں پڑھیں گے' مگر آپ جاری رہے۔ میں نے کہا شاید یہ پڑھ کر رکوع کریں گے۔ پھر آپؐ نے سورۂ نساء شروع کی' اسے پڑھا۔ پھر آل عمران شروع کر دی آپؐ نے اسے پڑھا۔ آپؐ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے جب ایسی آیت کے پاس سے گزرتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو آپ تسبیح کرتے اور جب سوال والی آیت کے پاس سے گزرتے تو سوال کرتے اور جب پناہ والی آیت کے پاس سے گزرتے تو پناہ پکڑتے۔ پھر آپؐ نے رکوع کیا"۔

② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَالَ حَتّٰى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سُوْءٍ قَالَ قِيْلَ وَمَا هَمَمْتَ بِهٖ؟ قَالَ هَمَمْتُ أَنْ أَجْلِسَ وَأَدْعَهُ))

[صحیح مسلم کتاب المسافرین ۵۳۷/۱ (۷۷۳)]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے قراءت لمبی کر دی۔ یہاں تک کہ میں نے غلط معاملے کا ارادہ کر لیا۔ آپ سے کہا گیا: آپ نے کیا ارادہ کیا: کہنے لگے - میں نے ارادہ کیا کہ بیٹھ جاؤں اور آپؐ کو چھوڑ دوں"۔

③ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

((وَلَا اَعْلَمُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ الْقُرْآنَ كُلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ))

[مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین (۱۳۹) المغنی لابن قدامہ ۲/۶۱۲]

"میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات میں پورا قرآن پڑھا ہو"۔

④ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِقْرَءِ الْقُرْآنَ فِيْ شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّيْ أَجِدُ قُوَّةً حَتّٰى قَالَ فَاقْرَءْهُ فِيْ سَبْعٍ وَّلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ))

[بخاری مع الفتح ۹/۹۵ کتاب فضائل القرآن: باب فی کم یقرء القرآن؟ مسلم کتاب الصیام (۱۱۵۹) باب النهی عن صوم الدهر]

"ایک مہینے میں قرآن پڑھ' میں نے کہا: میں (اس سے کم وقت میں پڑھنے کی) قوت پاتا ہوں یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: سات دنوں میں پڑھ اور اس سے زیادہ نہ کر"۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے انہیں مزید رخصت دیتے ہوئے فرمایا:

((لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ))

[ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تحزیب القرآن (۱۳۹۴) ترمذی مع تحفة الاحوذی ۴/۶۳]

"جس نے تین دن سے کم میں قرآن پڑھا اس نے اسے نہیں سمجھا"۔

⑤ اس لیے رسول اللہ ﷺ خود بھی تین دنوں سے کم میں قرآن ختم نہیں کرتے تھے:

((كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْرَءُ الْقُرْآنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ))

[ابن سعد ۱/۳۷۶ کتاب اخلاق النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لابی شیخ (۲۸۱) بحوالہ صفة صلاة النبی للشیخ الالبانی ۱۲۰]

"نبی کریم ﷺ تین دن سے کم میں قرآن نہیں پڑھتے تھے"۔

⑥ سنن سعید بن منصور میں بسند صحیح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

((اِقْرَءُوا الْقُرآنَ فِيْ سَبْعٍ لَا تَقْرَءُوا فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ))

[فتح الباری ۹/ ۹۷]

"قرآنِ مجید کو سات دنوں میں پڑھو اور تین سے کم میں نہ پڑھو"۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ ایک رات میں قرآنِ مجید ختم نہیں کرتے تھے۔ آپ تین راتوں سے کم میں قرآن مکمل نہیں کرتے تھے۔ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بھی فرمایا کہ جس نے تین دن سے کم میں قرآن پڑھا اس نے اسے سمجھا نہیں۔ لہٰذا مختار مذہب یہی ہے کہ تین دنوں سے کم میں قرآن نہ پڑھا جائے۔ فتح الباری میں ہے کہ

وَهٰذَا اخْتِيَارُ أَحْمَدَ وَاَبِيْ عُبَيْدَةَ وَإِسْحَاقَ بْنَ رَاهُوْيَه وَغَيْرِهِم

[۹/ ۹۷]

"یہ مذہب امام احمد، امام ابو عبید اور امام اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے"۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ تحفۃ الاحوذی ۴/ ۶۳ میں رقمطراز ہیں

وَالْمُخْتَارُ عِنْدِيْ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْإِمَامُ اَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ بْنُ رَاهُوْيَةَ وَغَيْرُهُمَا

"میرے نزدیک مختار مذہب وہ ہے جسے امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ وغیرہما نے اختیار کیا ہے"۔

سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے کئی افراد سے تین دنوں سے کم میں قرآن پڑھنے کا ذکر کتب احادیث میں ملتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا عمل اور حکم سب پر فائق ہے۔ ممکن ہے ان اسلاف کو یہ معلوم نہ ہو۔

اس لیے ہمیں نبی اکرم ﷺ کے اسوہ کو سامنے رکھنا چاہئے آپ سے بہتر عمل کسی کا نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ قرآنِ مجید کو تین دنوں سے کم میں نہ ختم کیا جائے۔ (مجلّۃ الدعوۃ' جون ۱۹۸۸ء)

مسجد میں سُترہ رکھنا

س مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے سُترے کا خیال رکھنا چاہئے یا کہ نہیں؟ یعنی مسجد میں سُترہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ مسجد و صحرا میں نماز ادا کرتے ہوئے سُترے کا فرق رکھنا کیسا ہے؟ قرآن و سُنّت کی رو سے واضح کریں۔

(شیخ عبداللطیف' گوجرانوالہ)

ج جب آدمی نماز کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان اسے مختلف وساوس میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات اس قدر نمازی کی نماز کے دوران حائل ہوتا ہے کہ اسے بھول جاتا ہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ اس شیطانی حملہ سے بچنے کے لیے شریعت اسلامیہ نے جہاں کئی ایک اعمال صالحہ بتائے ہیں' وہاں اس بات کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ نمازی کو اپنے سامنے کوئی ایسی چیز رکھنی چاہئے جو اس کے لیے سُترے کا کام دے یا دیوار و ستون کے پیچھے ہو کر نماز ادا کرے۔ کیونکہ اگر سُترہ نہ رکھا جائے تو شیطان نماز خراب کرتا ہے اور نمازی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرواتا ہے۔ اگر سُترہ سامنے ہو تو شیطان اس کی نماز کو نہیں توڑ سکتا۔ علاوہ ازیں اگر کوئی آدمی اس کے آگے سے گزرنا چاہے تو وہ سُترے کے پیچھے سے گزر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص نمازی اور سُترے کے درمیان سے گزرتا ہے یا سُترے کی شرعی حد کے اندر سے گزرتا ہے تو وہ گناہگار ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يَّقِفَ اَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَّهُ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ))

[بخاری مع فتح الباری ۱/۵۸۴]

"نمازی کے آگے سے گزرنے والا آدمی اگر جان لے کہ اس پر کس قدر گناہ ہے تو وہ چالیس (سال) تک ٹھہر جائے تو یہ اس کے لیے اس کے آگے سے گزرنے سے بہتر ہے"۔

سُترے کی شرعی حد تین ہاتھ ہے۔ یعنی نمازی اور سُترے کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہیئے یا اس کے سجدے والی جگہ اور سُترہ کے درمیان بکری کے گزرنے کی مقدار کا فاصلہ ہو۔ اس سے زیادہ سُترے سے دور نہیں ہونا چاہیئے۔ سترے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کئی ایک احادیث ہیں جن میں اس کی اہمیت بتلائی گئی ہے۔ جیسا کہ:

① عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُصَلِّ اِلَّا اِلٰی سُتْرَةٍ وَلَا تَدَعْ اَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْكَ فَاِنْ اَبٰی فَلْتُقَاتِلْهُ فَاِنَّ مَعَهُ الْقَرِيْنُ))

[صحیح ابنِ خزیمہ ۲/۱۰ (۸۰۰) ۲/۱۷ (۸۲۰) باب النهی عن الصلوٰة الی غیر سترة]

" سُترے کے بغیر نماز نہ پڑھو اور کسی کو اپنے آگے سے گزرنے نہ دو۔ اگر وہ (گزرنے والا) انکار کر دے تو اس سے لڑائی کرو یقیناً اس کے ساتھ شیطان ہے"۔

② ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْيُصَلِّ اِلٰی سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا لَا يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَه))

[صحیح ابنِ خزیمہ ۲/۱۰ (۸۰۳) ابوداؤد (۶۹۵) نسائی ۲/۶۲ مسند احمد ۴/۲ الاوسط لابن

المنذر ۵/۸٦' صحیح ابنِ حبان (۴۰۹) مستدرک حاکم ۱/۲۵۱'۲۵۲ امام حاکم نے اسے صحیح کہا اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے]

"جب بھی تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ سُترے کی طرف نماز ادا کرے اور اس کے قریب ہو۔ شیطان اس پر اس کی نماز کو منقطع نہیں کرے گا"۔

③ سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا صَلّٰی اَحَدُکُم فَلْیَسْتَتِر وَلْیَقْتَرِبْ مِنَ السُّتْرَةِ فَإِنَّ الشَّیْطَانَ یَمُرُّ بَیْنَ یَدَیْهِ)) [شرح السنه ۲/۴۴۷(۵۳۷)]

"جب بھی تم میں سے کوئی آدمی نماز ادا کرے تو وہ سُترہ رکھے اور سُترہ کے قریب کھڑا ہو' اس لیے کہ شیطان اس کے سامنے سے گزرتا ہے"۔

④ طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا وَضَعَ اَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیْهِ مِثْلَ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ فَلْیُصَلِّ وَلَا یُبَالِیْ مَنْ مَرَّ وَرَآءَ ذٰلِكَ))

[صحیح مسلم (۴۹۹) ترمذی' (۳۳۵) شرح السنه ۲/۴۴۹ (۵۳۹) ابنِ خزیمه (۸۰۵) اور الاوسط لابن المنذر ۵/۸۷ (۲۴۳۱)]

"جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کی مانند رکھ لے تو نماز پڑھے۔ اس (لکڑی) کے پیچھے سے جو گزرے اس کی پرواہ نہ کرے"۔

مندرجہ بالا احادیث سے بالصراحت یہ معلوم ہوا کہ نمازی کو سُترہ کے بغیر نماز ادا نہیں کرنی چاہیے۔ یہ احادیث عام ہیں۔ مسجد و غیر مسجد ہر دو صورتوں کو شامل ہیں بلکہ ابنِ خزیمہ کی صحیح حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ آپ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فرمادیا: ((لَا تُصَلِّ اِلَّا اِلٰی سُتْرَةٍ)) سُترہ کے بغیر نماز نہ پڑھیں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ سُترہ کے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو مساجد میں بھی اس

بات کا خیال رکھتے تھے۔ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

وَرَأَى عُمَرُ رَجُلاً يُصَلِّي بَيْنَ أُسْطُوَانَتَيْنِ فَأَدْنَاهُ إِلَى سَارِيَةٍ فَقَالَ صَلِّ إِلَيْهَا

[صحیح بخاری مع فتح الباری ۱/۵۷۷ باب الصلوٰۃ الی الاسطوانۃ]

"عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اسے ایک ستون کے قریب کر دیا اور فرمایا: اس کی طرف نماز ادا کر"۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اثر کو ابنِ ابی شیبہ اور حمیدی نے موصولاً بیان کیا ہے۔ مزید فرماتے ہیں:

وَأَرَادَ عُمَرُ بِذٰلِكَ أَنْ تَكُوْنَ صَلَاتُهُ إِلَى سُتْرَةٍ

[فتح الباری ۱/۵۷۷]

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کام کا ارادہ اس لیے کیا کہ اس کی نماز سُترہ کی طرف ہو"۔

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

لَقَدْ رَأَيْتُ كِبَارَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ [بخاری مع فتح الباری ۱/۵۷۷]

"میں نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ مغرب (کی اذان) کے وقت ستونوں کی طرف جلدی کرتے"۔

ان احادیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب الصلوٰۃ الی الاسطوانۃ میں ذکر کر کے بتایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں بھی سُترہ رکھتے تھے اور اس کا اہتمام کرتے تھے۔

مولوی رشید احمد گنگوہی لامع الداری ۲/۵۰۲ میں رقم طراز ہیں:

فَالْاَوْجَهُ عِنْدِیْ أَنَّ الْإِمَامَ الْبُخَارِیَّ اَشَارَ بِالتَّرْجُمَةِ الْاُوْلٰی عَدَمَ تَخْصِیْصِ السُّتْرَةِ بِالصَّحْرَآءِ

"میرے نزدیک صحیح ترین توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمہ باب سے یہ اشارہ فرماتے ہیں کہ سُترہ صحراء کے لیے مخصوص نہیں"۔

یہی بات مولوی محمد زکریا نے (شرح ابواب و تراجم صحیح البخاری ص: ۷۹) میں ذکر کی ہے۔اسی طرح صحیح بخاری باب یرد المصلي من مر بين يديه **میں ابوصالح السمان سے مروی ہے کہ:**

((رَأَیْتُ اَبَا سَعِیْدِ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِیْ یَوْمِ جُمُعَةٍ یُصَلِّی اِلٰی شَیْءٍ یَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ۔ فَاَرَادَ شَابٌّ مِنْ بَنِیْ اَبِیْ مُعَیْطٍ اَنْ یَّجْتَازَ بَیْنَ یَدَیْهِ فَدَفَعَ اَبُوْسَعِیْدٍ فِیْ صَدْرِهٖ فَنَظَرَ الشَّابُّ فَلَمْ یَجِدْ مَسَاغًا اِلَّا بَیْنَ یَدَیْهِ ۔ فَعَادَ لِیَجْتَازَ فَدَفَعَهُ اَبُوْسَعِیْدٍ اَشَدَّ مِنَ الْاُوْلٰی۔ فَنَالَ مِنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ ثُمَّ دَخَلَ عَلٰی مَرْوَانَ فَشَکَا اِلَیْهِ مَا لَقِیَ مِنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَدَخَلَ اَبُوْسَعِیْدٍ خَلْفَهٗ عَلٰی مَرْوَانَ فَقَالَ مَالَكَ وَلَابْنِ اَخِیْكَ یَا اَبَاسَعِیْدٍ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُهُ إِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی شَیْءٍ یَسْتُرُهٗ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ یَّجْتَازَ بَیْنَ یَدَیْهِ فَلْیَدْفَعْهُ فَاِنْ اَبٰی فَلْیُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَیْطَانٌ)) [بخاری مع فتح الباری ۱/۵۸۱،۵۸۲]

"میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو جمعہ والے دن سُترہ کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ بنو ابی معیط سے ایک نوجوان نے ان کے آگے سے گزرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس کے سینے میں ایک گھونسا مارا۔ نوجوان نے جب ان کے آگے سے گزرنے کے علاوہ کوئی جگہ نہ پائی تو وہ دوبارہ وہاں سے ہی گزرنے لگا تو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اسے پہلے سے زیادہ سخت

گھونسا مارا۔ تو ابو سعید رضی اللہ عنہ سے اس نوجوان کو رنج پہنچا۔ پھر وہ نوجوان مروان کے پاس پہنچا اور ابو سعید رضی اللہ عنہ نے جو کیا تھا اس کی شکایت کی۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے ہی مروان کے پاس جا پہنچے تو مروان نے کہا: ابو سعید رضی اللہ عنہ تیرے اور تیرے بھتیجے کے درمیان کیا جھگڑا ہے؟ ابو سعید رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی لوگوں سے آڑ کر کے نماز پڑھے' پھر کوئی اس کے سامنے (یعنی آڑ کے اندر) سے گزرنا چاہے تو اس کو روکے۔ اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے لڑے' وہ شیطان ہے"۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے روز ابو سعید رضی اللہ عنہ سُترہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اور اس کا وہ اہتمام کرتے تھے۔

یحیٰی بن ابی کثیر سے مروی ہے کہ:

((رَاَيْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ - وَقَدْ نَصَبَ عَصًا يُصَلِّي اِلَيْهَا))

[المصنف لابن ابی شیبه ۳۱۰/۱ (۱۰) باب قدر کم یستر المصلی۔ طبعة اخری ۲۷۷/۱ الاوسط لابن المنذر ۸۹/۵ طبقات ابنِ سعد ۱۱/۷]

"میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو مسجد حرام میں دیکھا' وہ لاٹھی گاڑ کر اس کی طرف نماز ادا کر رہے تھے"۔

نافع سے مروی ہے کہ:

((كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا لَمْ يَجِدْ سَبِيلًا اِلٰى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ قَالَ لِي وَلِّنِي ظَهْرَكَ)) [المصنف ابنِ ابی شیبه ۳۱۳/۱]

"ابنِ عمر رضی اللہ عنہ جب مسجد کے ستون میں سے کسی ستون کی جانب کوئی جگہ نہ پاتے تو مجھے کہتے کہ میری طرف اپنی پشت کر دو"۔

نافع کی دوسری روایت میں یوں الفاظ ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُقْعِدُ رَجُلاً فَيُصَلِّي خَلْفَهُ وَالنَّاسُ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدَيْ ذٰلِكَ الرَّجُلِ [المصنف ۱/۳۱۳]

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک آدمی کو بٹھاتے پھر اس کے پیچھے نماز پڑھتے اور لوگ اس آدمی کے آگے سے گزرتے"۔

احادیث صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے معلوم ہوا کہ وہ مسجد وغیر مسجد جہاں بھی نماز پڑھتے تو سُترے کا خیال رکھتے۔ تاکہ نماز کی صحیح ادائیگی ہو سکے۔ لہٰذا ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جب بھی نماز ادا کریں خواہ مسجد ہو یا کوئی دوسری جگہ، سُترے کا خیال ضرور رکھیں۔ تاکہ اگر کوئی آدمی اس کے آگے سے گزرنا چاہے تو وہ سُترے کے پیچھے سے گزر سکے۔

امام ابنِ ہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَءَانِيْ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ يَوْمًا وَأَنَا أُصَلِّي وَلَيْسَ بَيْنَ يَدَيَّ سُتْرَةٌ وَكُنْتُ مَعَهُ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ فَقَالَ لِي اسْتَتِرْ بِشَيْءٍ فَاسْتَتَرْتُ رَجُلاً

[مسائل احمد لاسحاق بن ابراهیم المعروف بابن هانی ۱/۶۶]

"مجھے امام احمد رحمہ اللہ نے ایک دن نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور میرے آگے سُترہ نہیں تھا اور میں ان کے ساتھ جامع مسجد میں تھا تو انہوں نے مجھے کہا: کسی چیز کو سُترہ بنا لے تو میں نے ایک آدمی کو سُترہ بنا لیا"۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ نمازی خواہ نماز مسجد میں پڑھ رہا ہو یا صحراء میں، اسے سُترے کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بات ذکر کر دی گئی ہے کہ وہ جب بھی نماز ادا کرتے، اس بات کا ضرور اہتمام کرتے۔

اگر آج بھی ہم مساجد میں جب نماز کے لیے آئیں تو اس کا اہتمام آسانی سے

کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے آنے والے اگر اگلی صف پوری کریں اور مسجد کی دیوار کے قریب ہوں اور بعد میں آنے والے ان کے پیچھے نماز ادا کریں تو اس طرح یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ ایک تو صفوں میں پہلے پہنچنے کا اجر ملے گا اور ساتھ ہی سُترے کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور اگر علیحدہ علیحدہ بھی نماز ادا کریں تو مسجد کی دیوار' ستون یا کسی اور لکڑی وغیرہ کو سُترہ بنا کر نماز ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔

بچّوں کو پچھلی صف میں کھڑا کرنا

س: نماز باجماعت کے دوران بچّوں کو اگلی صف سے پچھلی صفوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ میرے بچّے اس سلوک کی وجہ سے مسجد میں جانا چھوڑ گئے ہیں۔ کیا شریعت میں ایسا کرنا ضروری ہے؟ (ایک بہن' پشاور)

ج: نماز میں صف بندی کا صحیح طریق کار یہ ہے کہ امام کے قریب بالغ اور عقلمند لوگ کھڑے ہوں پھر جو ان کے قریب ہوں پھر جو ان کے قریب۔ اس طرح افراد کا لحاظ کرتے ہوئے کیونکہ مَردوں کو امام کے قریب کھڑا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام کو بھولنے کی صورت میں لقمہ دے سکیں' نماز کی کیفیت یاد رکھ سکیں' امام کی نماز ٹوٹنے کی صورت میں قائم مقام بن سکیں۔ رسول اللہ ﷺ اس بات کا امر فرماتے تھے کہ میرے قریب بالغ و عقلمند ہوا کریں جیسا کہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لِيَلِنِي أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ))

[ابوداؤد (۶۷۴) ابنِ ماجہ (۹۷۶) مسلم ۴/ ۱۵۴ مع نووی ابو عوانہ ۲/ ۴۱'۴۲ نسائی ۲/ ۸۷'۹۰ دارمی ۱/ ۲۳۳ حمیدی (۴۵۶) مسند طیالسی (۶۱۲) عبدالرزاق ۲/ ۴۵ مسند احمد ۴/ ۱۲۲ ابنِ خزیمہ ۳/ ۲۰'۲۱ ابنِ حبان (۲۱۶۳) طبرانی کبیر ۱۷/ ۲۱۶'۲۱۷ طبرانی اوسط (۱۷۲۷) بیہقی ۳/ ۹۷]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ جو بالغ اور عقلمند ہیں میرے قریب رہیں۔ پھر جو ان سے قریب ہیں پھر جو ان سے قریب ہیں"۔

یہی حدیث، مسلم، ابوداؤد اور ابوعوانہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے امام خطابی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

إِنَّمَا اَمَرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلِيَهُ ذَوُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى لِيَعْقِلُوا عَنْهُ صَلَاتَهُ وَلِكَيْ يَخْلُفُوْهُ فِي الْاِمَامَةِ حَدَثَ بِهٖ فِي صَلَاتِهٖ [معالم السنن ۱/۳۴۷]

"نبی ﷺ نے بالغ اور عقلمند افراد کو اپنے قریب ہونے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ آپؐ سے آپؐ کی نماز سیکھیں تاکہ امامت میں آپؐ کے جانشین بن سکیں اگر آپؐ کو نماز میں حدث واقع ہو جائے"۔

اگر ایک مرد اور بچے کئی ہوں تو مرد نماز پڑھائے اور بچے اس کے پیچھے کھڑے ہو جائیں جیسا کہ حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((إِنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَلِاُصَلِّ لَكُمْ قَالَ اَنَسٌ فَقُمْتُ إِلٰى حَصِيْرٍ لَّنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ وَالْيَتِيْمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَائِنَا فَصَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ))

[بخاری (۳۸۰، ۷۲۷) مسلم مع نووی (۵/۱۶۲، ۱۶۳)]

"ان کی جدہ ملیکہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے کھانا تیار کر کے دعوت کی۔ آپؐ نے کھانا کھایا پھر فرمایا۔ کھڑے ہو جاؤ، تمہیں نماز پڑھاؤں انس رضی اللہ عنہ نے کہا میں اپنی ایک چٹائی کی طرف اٹھا جو کثرت استعمال سے سیاہ ہو

چکی تھی۔ اس پر میری نانی نے پانی چھڑکا آپؐ کھڑے ہو گئے۔ میں اور ایک لڑکا آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور بڑھیا ہمارے پیچھے تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا"۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا :

((أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى حِمَارٍ أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِمِنًى إِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ))

[بخاری ۸۶، ۴۹۳، ۸۶۱، ۱۸۵۷، ۴۴۱۲)]

"میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا۔ میں ان دنوں بلوغت کے قریب تھا اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں دیوار کے بغیر نماز پڑھا رہے تھے میں (اگلی) صف کے کچھ حصے سے گزرا اور گدھی کو میں نے چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور میں صف میں داخل ہو گیا مجھ پر کسی نے اس بات پر انکار نہیں کیا۔

بخاری شریف کی اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔

امام سبکی نے کہا' بچہ جب اکیلا ہو تو مردوں کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ اگر بچے دو یا زیادہ ہوں تو الگ صف بنا لیں۔ (نیل الاوطار ۲۰۸/۳)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ امام کے قریب تو بالغ عقلمند افراد کو کھڑا ہونا چاہئے اور دیگر مقامات سے بچوں کو صفوں سے نکالنا نہیں چاہئے کیونکہ بچوں کو صفوں سے اگر نکال دیا جائے تو ان کی تربیت نہیں ہو سکے گی۔ اگر وہ صف میں آ کر کھڑے ہوں گے تو نماز کا طریق کار سیکھیں گے لیکن اگر انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا جائے تو ان کی تربیت نہیں ہوگی بلکہ اُلٹا اثر قبول کر سکتے ہیں جیسا کہ

سائلہ نے ذکر کیا ہے لہٰذا ہمیں اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔

فرض نماز کے بعد اجتماعی دُعا

س فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دُعا کے متعلق مفصل وضاحت فرمائیں۔ جو ہمارے بھائی فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دُعا کرتے ہیں وہ فتاویٰ نذیریہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس میں اجتماعی دُعا کا ثبوت موجود ہے۔ آپ ہماری صحیح راہنمائی کریں۔ (محمد زکریا' دفتر مرکز الدعوۃ والارشاد کینٹ روڈ' تحصیل شور کوٹ سیال مارکیٹ)

ج موجودہ دور میں فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی مل کر جو اجتماعی دُعا کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کا نبی کریم ﷺ سے کوئی ثبوت بسند صحیح موجود نہیں' نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی ایسی بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ رسولِ کریم ﷺ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھاتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی اقتداء میں پڑھتے تھے۔ اگر اس دُعا کا کہیں وجود ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذکر فرماتے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باقی نماز کے مسائل بیان کئے ہیں۔ اس طرح کہیں بھی اس اجتماعی دُعا کا ذکر ضرور کیا جاتا۔ بعض لوگ تو اس حد تک آگے نکل گئے ہیں کہ جو لوگ اس مسئلہ پر عمل پیرا نہیں ہوتے انہیں بے عمل اور بہت بڑے گناہ کے مرتکب سمجھے بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ آپ کی ارسال کردہ تحریر سے عیاں ہے جو کہ ایک دینی رسالے میں مطبوعہ ہوئی۔ بہرکیف نبی ﷺ سے کسی صحیح تو کجا ضعیف حدیث میں بھی امام اور مقتدیوں کا مل کر اہتمام کے ساتھ دُعا کرنا ثابت نہیں۔ من الدعی فعلیہ البیان۔ البتہ رسول اللہ ﷺ سے فرض نمازوں کے بعد کچھ اذکار منقول ہیں جو ہم بحمد اللہ پڑھتے ہیں جن میں سے چند ایک مختصراً ذکر کرتا ہوں۔

(۱) ہر نماز کے بعد تکبیر کہنا اور تین بار استغفار پڑھنا۔

(۲) اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ پڑھنا۔

③ معوذتین پڑھنا۔

④ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

⑤ آیت الکرسی

⑥ ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ' ۳۳ مرتبہ الحمدللہ' ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھنا وغیرہ۔
[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "باغیچہ جنّت" اور "حصن المجاہد"۔]

کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بسا اوقات نماز کے بعد سلام پھیر کر جلد اُٹھ جاتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاذان باب من صلی بالناس فذکر حاجة فتخطاھم (۸۵۱) میں ہے کہ:

((عَنْ عُقْبَةَ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ اِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ)) [الحدیث]

"عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز عصر ادا کی۔ آپ نے سلام پھیرا' پھر جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی ایک کے حجرے کی طرف لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے چلے گئے۔ الی آخرہ"۔

اسی طرح صحیح بخاری کتاب الصلوٰة باب تشبیك الاصابع فی المسجد وغیرہ (۴۸۲) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَا عَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانُ)) [الحدیث]

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر و عصر کی نمازوں میں سے کوئی ایک نماز

پڑھائی۔ آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا۔ پس مسجد میں گاڑی ہوئی ایک لکڑی کی جانب کھڑے ہو کر اس پر ٹیک لگائی گویا آپ غصے میں ہیں"۔

ان ہر دو حدیثوں میں فَسَلَّمَ فَقَامَ ہے اور اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ "ف" عربی زبان میں تعقیب مع الوصل کے لیے ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سلام پھیرتے ہی اُٹھ گئے۔ للٰذا اذکار مسنونہ تو نمازوں کے بعد ثابت ہیں اور کبھی کسی کام کی بنا پر سلام پھیرتے ہی اُٹھ جانا بھی درست ہے لیکن کسی صحیح حدیث میں امام اور مقتدیوں کا مل کر اہتمام کے ساتھ دُعا کرنا وارد نہیں ہوا۔

امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کا بدعت ہونا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ الْجَهْرُ بِالدُّعَاءِ عَقِيْبَ الصَّلٰوةِ' مِثْلَ دُعَاءِ الْاِمَامِ وَالْمَامُوْمِيْنَ جَمِيْعًا عَقِيْبَ الصَّلٰوةِ لَمْ يَكُنْ وَلٰكِنَّهٗ ثَبَتَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَجْهَرُوْنَ بِالذِّكْرِ۔ فَالذِّكْرُ ثَابِتٌ وَمَنِ اعْتَقَدَ مَا لَمْ يَدُلَّ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ شَرْعِيٌّ قُرْبَةً فَهُوَ مُخْطِئٌ ظَالِمٌ [مختصر الفتاوی المصریۃ (۴۰'۴۱)]

"اسی طرح نمازوں کے بعد جہری طور پر دُعا کرنا' جیسا کہ امام اور مقتدیوں کا مل کر نماز کے بعد دُعا کرنا ہے' بدعت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہ تھا۔ لیکن ان سے یہ ثابت ہے کہ وہ جہری ذکر کرتے تھے۔ پس ذکر کرنا ثابت ہے (نہ کہ اجتماعی دُعا) جس نے کسی ایسی چیز کے نیک ہونے کا اعتقاد کر لیا جس پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں' وہ خطا کار و ظالم ہے"۔

اسی طرح فتاویٰ الکبریٰ ۱۵۸/۱ میں رقم طراز ہیں کہ:

وَاَمَّا دُعَاءُ الْاِمَامِ وَالْمَامُوْمِیْنَ جَمِیْعًا عَقِیْبَ الصَّلٰوۃِ فَلَمْ یَنْقُلْ اَحَدٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَھٰھُنَا شَیْئَانِ :

اَحَدُھُمَا : دُعَاءُ الْمُصَلِّی الْمُنْفَرِدِ کَدُعَاءِ الْمُصَلِّی لِصَلٰوۃِ الْاِسْتِخَارَۃِ وَحْدَہٗ اِمَامًا کَانَ اَوْ مَامُوْمًا

وَالثَّانِیْ : دُعَاءُ الْاِمَامِ وَالْمَامُوْمِیْنَ جَمِیْعًا فَھٰذَا الثَّانِیْ لَا رَیْبَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَفْعَلْہُ فِی اَعْقَابِ الْمَکْتُوْبَاتِ کَمَا کَانَ یَفْعَلُ الْاَذْکَارِ الْمَاثُوْرَۃَ عَنْہُ اِذْ لَوْ فَعَلَ ذٰلِکَ لَنَقَلَ عَنْہُ اَصْحَابُہٗ ثُمَّ التَّابِعُوْنَ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ کَمَا نَقَلُوْا مَا ھُوَ دُوْنَ ذٰلِکَ

"بہرحال فرائض کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر دُعا کرنا تو کسی ایک آدمی نے بھی رسول اللہ ﷺ سے نقل نہیں کیا۔ درحقیقت یہاں دو چیزیں ہیں :

(۱) ایک نمازی کا دُعا کرنا جیسا کہ نمازی دُعائے استخارہ وغیرہ کرتا ہے خواہ نمازی امام ہو یا مقتدی۔

(۲) امام اور مقتدیوں کا مل کر دُعا کرنا' یہ دوسری چیز بلاشبہ نبی ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد نہیں کی۔ جیسا کہ آپؐ اذکار کیا کرتے تھے جو آپ سے (کتب احادیث میں) منقول ہیں۔ اگر اس موقع پر آپ اجتماعی دُعا کرتے تو آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ سے ضرور نقل کرتے' پھر تابعین پھر دیگر علماء جیسا کہ انہوں نے اس سے کم درجہ کی اشیاء آپؐ سے نقل کی ہیں"۔

اسی طرح امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموعہ الفتاویٰ ۵۱۹/۲۲ میں اسے صراحت کے ساتھ بدعت قرار دیا ہے۔

امام ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَاَمَّا الدُّعَاءُ بَعْدَ السَّلَامِ مِنَ الصَّلٰوةِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ اَوِ الْمَامُوْمِيْنَ فَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ مِنْ هَدْيِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْلًا وَلَا رُوِيَ عَنْهُ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ وَلَا حَسَنٍ [زادالمعاد ۲۵۷/۱]

"باقی رہا نماز سے پہلے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ بیٹھ کر یا مقتدیوں کی طرف پھر کر اجتماعی دُعا کرنا تو یہ آپؐ کا طریقہ قطعاً نہ تھا اور نہ ہی آپ سے بسند صحیح اور نہ ہی بسند حسن نقل کیا گیا ہے"۔

امام ابنِ تیمیہ اور امام ابنِ قیم رحمہما اللہ کی اس صراحت سے واضح ہوا کہ اجتماعی دُعا جو ہمارے دور میں رائج ہے یہ بدعت ہے' اس کا کوئی شرعی ثبوت موجود نہیں۔

دیوبندی علماء میں سے انور شاہ کاشمیری العُرف الشذِی ص : ۸۶ میں رقمطراز ہیں :

نَعَمْ اَلْاَدْعِيَةُ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ ثَابِتَةٌ كَثِيْرًا بِلَا رَفْعِ الْيَدَيْنِ وَبِدُوْنِ الْاِجْتِمَاعِ

"ہاں فرض نمازوں کے بعد بہت سی دُعائیں بغیر ہاتھ اُٹھائے اور اجتماعی شکل اختیار کئے ثابت ہیں"۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

وَلَمْ تَثْبُتْ شَاكِلَةُ الْجَمَاعَةِ فِيْهَا كَمَا هُوَ مَعْرُوْفٌ اَلْآنَ

"اور دُعا کی اجتماعی ہیئت جس کا آج کل رواج ہے' ثابت نہیں"۔

مولوی فیض اللہ بنگلہ دیشی لکھتے ہیں کہ شریعت میں ایسی دعاء کا اصلاً و قطعاً کوئی ثبوت نہیں۔ نہ تعامل سلف سے نہ احادیث سے۔ خواہ وہ صحیح ہوں یا ضعیف یا موضوع اور نہ ہی کسی فقہ کی عبارت سے۔ یہ دُعا یقیناً بدعت ہے۔ (احکام الدعوات

المروجہ ص : ۲۱ حوالہ دُعا بعد الفرائض کا مسنون طریقہ ص : ۲۲ مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی) اسی طرح (ملاحظہ ہو مولوی یوسف بنوری کی کتاب معارف السنن ۳/ ۱۲۴، ۴۰۹) مولوی رفیق دلاوری جو مولوی محمود حسن دیوبندی کا شاگرد ہے اپنی کتاب عماد الدین ص : ۳۹۷ میں لکھتا ہے کہ : الغرض فرض نماز کے سلام کے بعد امام اور مقتدیوں کا مل کر دُعا مانگنا بدعت سیئہ ہے۔

علاوہ ازیں اس مسئلہ پر اب دیوبندی علماء اہلحدیث علماء جیسا موقف اختیار کر رہے ہیں۔ رشید احمد صاحب لدھیانوی نے اپنے احسن الفتاویٰ میں اسے بدعت شنیعہ قرار دیا ہے۔ اس طرح ان کے شاگرد مفتی محمد ابراہیم نے "دعا بعد الفرائض کا مسنون طریقہ" لکھ کر حنفیہ میں جو بالخصوص یہ رواج ہے اس کی تردید کی ہے۔ باقی رہا فتاویٰ نذیریہ میں اس موضوع پر پیش کردہ روایات کا تجزیہ تو اس کی مفصل بحث کے لیے صلوٰۃ الرسول مخرج (تخریج والی) کا مطالعہ کریں۔ جس میں بالتفصیل ان راویات کا ضعف ذکر کیا گیا ہے اور ابنِ ابی شیبہ کی جو روایت فتاویٰ نذیریہ میں مرقوم ہے، اس میں رفع یدیہ و دُعا کے الفاظ مطبوعہ ابنِ ابی شیبہ میں نہیں ملتے۔ باقی یہ مفصل روایت ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔ اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

بہرکیف اجتماعی دُعا کا اہتمام کرنا اور سے سُنّت سمجھنا غلط ہے۔ فرض نمازوں کے بعد جو مسنون اذکار ہیں انہیں پڑھیں اور یاد کریں۔ کئی لوگ بلا تحقیق یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ اہلحدیث نماز کے بعد دُعا نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ہم نماز کے بعد کچھ وقت بیٹھ کر وہ مسنون اذکار و ادعیہ جو ثابت ہیں، پڑھتے ہیں۔ اصل میں جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ امام صاحب نے نماز کے بعد ہاتھ نہیں اُٹھائے تو فوراً فتویٰ عائد کر دیتے ہیں کہ اس نے دُعا نہیں مانگی۔ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا لازم نہیں بلکہ بغیر ہاتھ اُٹھائے بھی دُعا مانگنا درست ہے۔ مثلاً مسجد میں آنے اور باہر جانے کی دُعا، بیت الخلاء میں داخل اور خارج ہونے کی دُعائیں وغیرہ احادیث میں موجود ہیں۔

لیکن یہاں کبھی کسی نے جھگڑا نہیں کیا کہ فلاں آدمی نے دُعا نہیں مانگی اور نہ یہاں ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں۔ حقیقت میں جب کسی چیز کا غلط رواج پڑ جاتا ہے تو پھر جب لوگ اس کے خلاف عمل دیکھتے ہیں تو وہ فوراً انکار کر دیتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل بہتر نہیں ہے۔ اگر مسئلہ کا عِلم نہ ہو تو اس کی تحقیق کر لینی چاہیے اور اہلحدیث اسی بات کی دعوت دیتے ہیں کہ اندھا دھند پیروی نہ کی جائے بلکہ تحقیق والی لائن اختیار کی جائے۔ ہر آدمی اپنی ہِمت و بساط کے مطابق مسئلے کی تحقیق کرے' اہل عِلم سے رابطہ کرے' اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

تشہد اوّل میں دُرود پڑھنے کا مسئلہ

"آپ کے مسائل قرآن و سُنّت کی روشنی میں" کی جلد اوّل ص ۳۹ تا ۱۴۲ میں پہلے تشہد میں درود پڑھنے کا مسئلہ ذکر کیا تھا اور ساتھ ہی یہ وعدہ کیا تھا کہ "جلد دوم" میں اِس مسئلہ پر مفصل بحث کریں گے۔

ہماری جماعت کے معروف و مشہور علمی ہفت روزہ "الاعتصام" میں ۱۹۸۹ء میں اِس مسئلہ پر مختلف علمائے کرام کے مباحث شائع ہوئے تھے۔ قارئین کرام کی معلومات کے لیے ان مباحث کی فوٹو اگلے صفحات میں دی جا رہی ہے تاکہ فریقین کے موقف کو باآسانی سمجھ سکیں۔

احکام و مسائل

حافظ صلاح الدین یوسف

چار رکعت میں پہلے تشہد کے ساتھ درود شریف پڑھنا
بارش کی صورت میں دو نمازیں جمع کرنا

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ جس نماز میں دو تشہد ہوں تو پہلے تشہد میں التحیات سے اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ تک پڑھنا چاہیے یا درود شریف ابراہیمی پڑھنا بھی ضروری ہے۔ اگر پہلے تشہد میں درود شریف نہ پڑھا جائے تو کیا نماز نہیں ہوتی؟

اگر درود شریف پڑھنا ضروری ہو تو دلائل اور نہ پڑھنے کی دلیل کیا ہے؟

(۲) اگر بارش ہو رہی ہو (تھمنے) رکنے کا امکان نہیں یا گلی بازاروں میں سخت کیچڑ ہے۔ یا کسی دوسرے علاقے کی سردی نے غلبہ کیا ہو تو ان میں سے کسی ایک حالت میں نماز مغرب کے ساتھ عشاء کی نماز جمع کر لینا کیسا ہے۔ جب کہ ترمذی شریف میں حدیث موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا خوف و بلا مطر نماز جمع کی ہے۔ علاوہ ازیں جب آپؐ ظہر کے وقت سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر کو عصر کی طرف مؤخر کرتے اگر ظہر ہونے کے بعد سفر شروع کرتے تب عصر کو ظہر کی طرف مقدم کر کے نماز پڑھ کر سفر شروع کرتے۔ بینوا توجروا۔ (سائل۔ (نذیر احمد عینی۔ جھبران، ضلع شیخوپورہ)

الجواب بعون الوہاب

پہلے تشہد میں درود شریف پڑھا جائے یا نہیں؟

اس کے بارے میں علماء کی دو رائے ہیں۔ علماء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ پہلے تشہد میں بھی درود شریف پڑھنا مشروع اور جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف پڑھنے کا حکم دیا ہے اور آپؐ کے اس حکم میں عموم ہے جو تشہد اول اور تشہد ثانی دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے درود کے حکم کو تشہد ثانی ہی کے ساتھ خاص کرنا اور پہلے تشہد میں اس کے پڑھنے کو جائز نہ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور دیگر بعض ائمہ کا مسلک یہی ہے۔

عصر حاضر کے نامور عالم، محقق اور محدث علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اور کہا ہے کہ تشہد اول میں درود شریف کے پڑھنے کو مکروہ سمجھنا بلا دلیل ہے (ملاحظہ ہو صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۴۶)

لیکن علماء کا ایک دوسرا گروہ ہے جس کی رائے میں مذکورہ بالا مسلک صحیح نہیں، اور وہ درج ذیل حدیث سے استدلال کرتا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مسند احمد میں مروی ہے۔ اس روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپؐ اگر وسط صلوٰۃ (یعنی تشہد اول) میں ہوتے تو تشہد سے فراغت کے بعد کھڑے ہو جاتے اور اگر آخری تشہد میں

ہوتے تو تشہد کے بعد دعا مانگتے اور پھر سلام پھیرتے ۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں ۔

قال ثم ان کان فی وسط الصلوٰۃ نهض حین یفرغ من تشهده و ان کان فی آخرها دعا بعد تشهده بماشاء الله ان یدعو ثم یسلم (الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ، ج ۴ ۔ ص ۳۰۲)

علامہ ساعاتی (صاحب الفتح الربانی) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں ۔

وقد احتج به المالکیة ومن وافقهم فی القیام الی الرکعة الثالثة عقب التشهد الاول بدون ذکر الصلوٰۃ علی النبی صلی الله علیه وسلم فیه (حوالہ مذکور)

اس حدیث سے مالکیہ اور ان کے ہم رائے دیگر ائمہ (احناف وغیرہ) نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ پہلے تشہد میں درود پڑھے بغیر ہی تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا چاہیئے ۔

یہ حدیث سنداً صحیح ہے ۔ حافظ ہیثمیؒ نے اس کے رواۃ کے بارے میں کہا ہے رجاله موثقون (اس کے راوی ثقہ ہیں) (مجمع الزوائد ، ج ۲ ۔ ص ۱۴۲)

نامور مصری محدث احمد شاکر مرحوم نے بھی اس حدیث کو سنداً صحیح قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۶ ، ص ۱۴۸، ۱۷۸ ، بہ تحقیق احمد شاکر)

۲ ۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ایک اور روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ۔ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان لا یزید فی الرکعتین علی التشهد رسول الله صلی الله علیه وسلم (پہلی) دو رکعتوں میں صرف تشہد پڑھتے تھے ۔ اس پر زیادتی نہیں کرتے تھے ۔ حافظ ہیثمیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

رواه ابو یعلی من روایة ابی الحویرث عن عائشة والظاهر انه خالد بن الحویرث وهو ثقة وبقیة رجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد ، ج ۲ ، ص ۱۴۲)

گویا اس روایت کے راوی بھی ثقہ ہیں اور یوں یہ روایت بھی صحیح ہے

۳ ۔ ایک اور روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جس میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں اتنا (مختصر) جلوس فرماتے گویا کہ آپ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں ۔ (الفتح الربانی ، ج ۴ ، ص ۱۷) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلے تشہد میں جلدی اٹھ جایا کرتے تھے ، جس سے اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ پہلے تشہد میں آپ صرف تشہد ہی پڑھتے ہوں گے ، اس کے ساتھ درود شریف نہیں پڑھتے ہوں گے ۔

مذکورہ روایات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ پہلے تشہد میں صرف تشہد ہی پڑھنا چاہیئے اس کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ البتہ آخری تشہد میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے ۔ ہاں اگر کوئی شخص بھول کر پہلے تشہد میں بھی درود شریف پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے ۔ نہ اسے سجدہ سہو کرنے کی ہی ضرورت ہے ۔ جیسا کہ احناف کا مسلک ہے کہ ان کے نزدیک پہلے تشہد میں درود شریف پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو کرنا ضروری ہے ۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب ۔

۴ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشبہ ایک مرتبہ بغیر خوف اور بارش کے نماز جمع کرکے پڑھی تھی جس سے

تحقیق و تنقید

جناب خالد جاوید اختر سلفی مرجالوی - جامعہ محمدیہ - گوجرانوالہ

تشہد اوّل میں درود شریف پڑھنے کا مسئلہ

"الاعتصام" شمارہ ۳۲ (۱۵ ستمبر ۱۹۸۹ء) میں ایک سوال کے جواب میں عرض کیا گیا تھا کہ پہلے تشہد میں درود شریف پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ صرف آخری تشہد ہی میں اس کا اہتمام ضروری ہے۔

راقم کے اس مضمون یا فتویٰ کے جواب میں متعدد اہل علم و تحقیق کی طرف سے جوابات موصول ہوئے ہیں جن میں راقم کے بیان کردہ موقف سے اختلاف کیا گیا ہے۔ یہ مضامین جس ترتیب سے موصول ہوئے، حسب ذیل ہیں

۱:۔ حافظ محمد ایوب خالد۔ مدرس جامعہ محمدیہ، توحید آباد۔ شیخوپورہ۔

۲:۔ خالد جاوید اختر سلفی مرجالوی، جامعہ محمدیہ، جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ۔

۳:۔ مولانا ابو محمد عبدالستار الحماد۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد۔

۴:۔ پیر محب اللہ شاہ راشدی۔ سندھ - ۵:۔ عبداللہ عبدالرحمٰن، فیصل آباد۔

ان میں اوّل الذکر پہلے دو مضمون تقریباً یکساں دلائل پر مبنی ہیں۔ تاہم دوسرا مضمون قدرے مفصل ہے۔ جس میں پہلے مضمون کے بھی سارے دلائل موجود ہیں اور مزید کچھ اضافہ ہے۔ اس لئے پہلے مضمون کی شاعت غیر ضروری ہے کیونکہ دوسرے مضمون میں وہ سارا مواد آجاتا ہے۔

تیسرے مضمون میں، جو ہفت روزہ "اہلحدیث" لاہور میں چھپ گیا ہے، انہی دلائل کی تکرار کے ساتھ مزید یہ بات اس میں یہ عرض کی گئی ہے کہ اس مسئلے میں تشدد صحیح نہیں، دونوں مسلکوں پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ نمبر۲۔ مضمون کی اشاعت کے بعد اس کی اشاعت بھی باعث تکرار ہی ہوگی۔

چوتھا مضمون پیر محب اللہ شاہ صاحب حفظہ اللہ کا ہے جس میں کچھ مزید دلائل ہیں، جس سے دوسرے موقف کو، جو اوّل و آخر (دونوں تشہدوں میں) درود پڑھنے پر مبنی ہے، یقیناً تائید و تقویت ملتی ہے اس لئے اس کی اشاعت بھی مفید ہے۔ پانچواں مضمون مولانا عبدالستار الحماد صاحب کے مضمون کے ایک حصے پر تنقید ہے۔ حماد صاحب کا مضمون چونکہ "الاعتصام" میں شائع ہی نہیں ہوا ہے اس لئے اس کی اشاعت بھی غیر ضروری ہے۔

گویا آمدہ مضامین میں سے صرف دو مضمون ہم شائع کر رہے ہیں، ایک خالد جاوید اختر سلفی کا۔ اور دوسرا حضرت پیر صاحب راشدی حفظہ اللہ کا۔ مذکورہ وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے مضامین کی عدم اشاعت کی وجہ صرف تکرار سے قارئین کو بچانا ہے ورنہ یہ سارے دوست، جنہوں نے یہ قلمی کاوشیں کیں، ہمارے نزدیک قابل احترام ہیں، اور ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے تحقیق مسئلہ کے لئے اپنا فرض ادا کیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء

جہاں تک نفسِ مسئلہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں مختصراً عرض ہے کہ اگرچہ پہلے جو موقف پیش کیا گیا تھا۔ اس کے بھی حامی اکابر علماء قائل رہے ہیں، مثلاً امام ابن القیم (جلاء الافہام) نواب صدیق حسن خان (الروضۃ الندیۃ) امام شوکانی (نیل الاوطار) امام ابن حزم (المحلّی) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (تحفۃ الاحوذی) اور مولانا عبیداللہ رحمانی حفظہ اللہ (مرعاۃ المفاتیح) اور دیگر حضرات۔ تاہم یہ دوسرا موقف، جسے تنقیدی مضامین میں پیش کیا گیا ہے، جنہیں قارئین اب ملاحظہ فرمائیں گے، دلائل کی رُو سے زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ بالخصوص مسند ابی عوانہ کی روایت (جو سنن بیہقی اور نسائی میں بھی ہے اجس کا حوالہ علامہ البانی نے بھی دیا ہے۔ ایسی نص ہے جس سے مسئلے کی حد تک وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس کا تعلق تہجد کی نفلی نماز سے ہے۔ اور بعض علماء نے اسے نوافل کے تشہدِ اول میں ہی صلوٰۃ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ تاہم اگر اسے فرائض کے لئے بھی عام کر لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ بالخصوص جب کہ عمومی دلائل سے بھی اس کی تائید مہیا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہر حال اب بالترتیب یہ دونوں مضامین قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں۔ اس اشاعت میں مولانا مرجالوی صاحب کا مضمون شامل ہے۔ آئندہ اشاعت میں ان شاء اللہ حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم کا مضمون شائع ہوگا۔ (ص۔ ی)

"الاعتصام" (شمارہ ۳۷) میں حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کا ایک مضمون ایک سائل کے جواب میں چھپا جو کہ چار رکعت میں پہلے تشہد کے ساتھ درود شریف پڑھنے یا نہ پڑھنے کے بارے میں تھا۔ حافظ صاحب موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ پہلے تشہد میں درود پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن حافظ صاحب کا یہ دعویٰ دلائل کی رُو سے صحیح نہیں۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ پہلے تشہد میں بھی درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ جس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب۔ ۵٦) "کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجو۔"

اگرچہ آیۂ کریمہ کے الفاظ عام ہیں لیکن اس کا تعلق نماز کے ساتھ بھی ہے۔ چنانچہ دارقطنی میں ابو مسعود انصاریؓ سے روایت منقول ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ أَقْبَلَ رَجُلٌ حَتّٰى جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا فِيْ صَلَاتِنَا (دارقطنی مع تعلیق المغنی جلد ۱ صفحہ ۳۵۵)

• ایک آدمی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ اس آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! آپؐ پر سلام بھیجنا تو ہمیں معلوم ہے لیکن جب ہم نماز پڑھ رہے ہوں تو آپ پر درود کیسے بھیجیں؟" آگے پھر اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ درود اس طرح پڑھو۔ الخ۔

یہ روایت مسند احمد، صحیح مسلم، سنن نسائی، جامع ترمذی، ابو داؤد، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی میں مختلف الفاظ

کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ امام ترمذی، حاکم اور بیہقی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ اسی حدیث کے تحت (جو کہ نسائی میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے) مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف رحمہ اللہ حاشیہ ۵ کے تحت امام بیہقی کا نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

بان الآیۃ لما نزلت فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد علمہم کیفیۃ السلام علیہ فی التشہد والتشہد داخل فی الصلوٰۃ فسألوا عن کیفیۃ الصلوٰۃ فعلمہم فدل علی ان المراد بذلک ایقاع الصلوٰۃ علیہ فی التشہد بعد الفراغ من التشہد الذی تقدم تعلیمہ لہم واما احتمال ان یکون خارج الصلوٰۃ فہو بعید۔ (نسائی ج اول، ص۱۵۱ بحاشیہ ۵)

کہ آیت درود وسلام جب نازل ہوئی تو اس کے نزول سے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (صحابہ کرامؓ) کو تشہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کی کیفیت سکھا دی تھی۔ اور تشہد نماز میں داخل ہے۔ تو انہوں نے (اب آیت کے نزول کے بعد) درود پڑھنے کی کیفیت دریافت کی۔ تو اس سے اس پر دلالت ہوتی ہے کہ اس سے مراد ان کا اس تشہد سے فارغ ہونے کے بعد جس کی تعلیم انہیں پہلے سے مل چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تشہد میں درود پڑھنا ہے اور یہ جو احتمال ہے کہ خارج نماز کے متعلق انہوں نے دریافت کیا ہو تو یہ بعید ہے؟

امام بیہقیؒ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ تشہد میں السلام علیک ایہا النبی الخ تو پہلے ہی پڑھتے تھے اب جب کہ آیت نازل ہوئی تو اس میں تھا کہ صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔ کہ سلام کے ساتھ درود بھی پڑھو۔ تو حدیث بھی صاف آ رہی ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا فی صلوٰتنا کہ نماز میں سلام تو ہم پڑھتے ہیں۔ اب ہمیں یا رسول اللہ یہ بتا دیجئے کہ ہم درود کیسے پڑھیں۔

اگر ہم پہلے تشہد میں درود شریف نہ پڑھیں، تو سلموا تسلیما (سلام پڑھو) پر تو عمل ہوگا لیکن صلّوا (درود بھی پڑھو) پر عمل نہیں ہوگا [1]

---

[1] فاضل مضمون نگار نے صرف امام بیہقیؒ کا استدلال ذکر کیا ہے جب کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک مذکورہ آیت وحدیث سے مسئلہ زیر بحث کا اثبات نہیں ہوتا۔ جیسا کہ التعلیقات السلفیہ کے اسی حاشیے کی پہلی عبارت یہ ہے۔ وقد احتج بھذہ الزیادۃ جماعۃ من الشافعیۃ کابن خزیمۃ والبیہقی لایجاب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التشہد بعد التشہد وقبل السلام ولا دلالۃ فیہ علی کون ذلک فی التشہد۔ "شافعیہ کی ایک جماعت (جیسے ابن خزیمہ اور امام بیہقی ہیں) نے اس زیادتی (جو بعض روایات میں ہے) سے تشہد کے بعد سلام سے قبل وجوب صلوٰۃ پر استدلال کیا ہے، حالانکہ یہ تشہد میں ہونے پر دلالت نہیں کرتا" اس سے یہ بات تو کم از کم واضح ہو جاتی ہے کہ تعاقب نگار کا پیش کردہ موقف ائمہ و محدثین کا متفقہ مسلک نہیں ہے بعض شافعی ائمہ کا یہ خیال ہے جب کہ دوسرے ائمہ و محدثین اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ جس "زیادۃ" پر استدلال ہے وہ محمد بن اسحاق کی زیادت ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے اگرچہ حافظ ابن حجرؒ نے اسے قابل قبول قرار دیا ہے تاہم اس سے اس زیادتی کے بارے میں بھی اختلاف کا علم تو ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ زیادتی بھی قاطع نزاع نہیں کیونکہ اس میں مطلق نماز میں پڑھنے کا ذکر ہے م-تشہد اول وثانی کی اس میں وضاحت نہیں ہے اس لئے اگر اسے تشہد ثانی پر محمول کر لیا جائے

شیخ الاسلام علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب "صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ درود پہلے تشہد میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے اور دوسرے میں بھی۔ اور یہ بات آپ نے امت کے لئے بھی مشروع قرار دی۔ چنانچہ ابو عوانہ اور نسائی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وکان صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی نفسہ فی التشہد الاول وغیرہ وشرع ذلک لامتہ حیث امرھم بالصلوٰۃ علیہ بعد السلام علیہ (صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۴۵، ۱۴۶)

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشہد میں بھی اپنے آپ پر درود پڑھتے تھے اور دوسرے میں بھی اور اس کو امت کے لئے بھی مشروع قرار دیا۔ جہاں انہیں آپ نے سلام کے بعد آپ پر درود پڑھنے کا بھی حکم دیا۔

اب یہ مسئلہ تو شواہد و دلائل سے بالکل عیاں ہے کہ دونوں تشہد میں درود شریف پڑھا جائے اور دوسرے تشہد کے ساتھ درود کو خاص کر لینے کی کوئی دلیل نہیں۔ حافظ صاحب موصوف نے اپنے مضمون میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ کمزور ہیں۔ ہم یہاں ان دلائل کا ایک ایک کر کے جواب دیتے ہیں۔

سب سے پہلی دلیل جو حافظ صاحب موصوف نے دی ہے وہ الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی سے عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے۔ یہاں حافظ صاحب موصوف یہ دعویٰ کر گئے ہیں کہ اس حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپ اگر وسط صلوٰۃ میں ہوتے تو تشہد سے فراغت کے بعد کھڑے ہو جاتے اور اگر آخری تشہد میں ہوتے تو تشہد کے بعد دعا مانگتے۔ اور پھر سلام پھیرتے۔

استشہاد کے لئے رقمطراز ہیں۔

قال ثم ان کان فی وسط الصلوٰۃ نہض حین یفرغ من تشہدہ وان کان فی آخرھا دعا بعد تشہدہ بما شاء ان یدعو ثم یسلم (الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج ۳ ص ۳)

اب حافظ صاحب یہ حدیث جو صراحت کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا اور استدلال۔ ان کان فی وسط الصلوٰۃ۔ الخ۔ میں کان کی ھو ضمیر سے کر رہے ہیں گویا ضمیر کا مرجع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں حالانکہ یہاں مرجع ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ ہم تصریح کے لئے صحیح ابن خزیمہ کی حدیث نقل کرتے ہیں جہاں راوی صراحت سے کہتا ہے کہ یہ فعل عبداللہ بن مسعود کا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیہ انا عبداللہ بن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمہ التشہد فی الصلوٰۃ قال کنا نحفظہ عن عبداللہ بن مسعود کما نحفظ حروف القرآن الواو والالف فاذا جلس علی ورکہ الیسری قال التحیات للہ الی قولہ عبدہ ورسولہ ثم یدعو لنفسہ ثم یسلم وینصرف (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۳۴۴) (باقی)

دعائے صحت کی اپیل

راقم الحروف کے ماموں مولانا ضیاء اللہ صاحب سابق خطیب ۴۲۰ موڑ جڑانوالہ تقریباً دو سال سے مسلسل بیمار ہیں۔ احباب جماعت خصوصی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے (حافظ محمد [illegible])

تحقیق و تنقید
قسط ۲ (آخری)

جناب خالد جاوید اختر سلفی مرجالوی ۔ جامعہ محمدیہ ۔ گوجرانوالہ

تشہد اوّل میں درود شریف پڑھنے کا مسئلہ

اب دیکھئے عبدالرحمٰن بن اسود اپنے والد اسود سے روایت کرتے ہیں۔ اسود نے کہا کہ ہمیں عبداللہ بن مسعودؓ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز میں تشہد سکھایا۔ آگے اسود کہتے ہیں۔ کنا نحفظہ عن عبداللہ بن مسعود کما نحفظ حروف القرآن الواو والالف فاذا جلس علی ورکہ الیسری قال التحیات للہ ۔ الخ

کہ "ہم عبداللہ بن مسعود سے تشہد اس طرح یاد کرتے تھے جس طرح ہم قرآن کے حروف یاد کرتے تھے جیسا طرح واو اور الف، پس جب آپ اپنی بائیں سرین پر بیٹھتے تو کہتے التحیات للہ" الخ۔

اب غور کریں اسود عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ ہم ان سے تشہد اس طرح یاد کرتے تھے جس طرح قرآن یاد کرتے تھے اور پھر اسود عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق ہی بتا رہا ہے کہ جب وہ اپنی بائیں سرین پر بیٹھتے تو کہتے التحیات للہ ۔ الخ

تو حافظ صاحب موصوف نے جو حدیث الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی کی پیش کی ہے ۳/۱ میں بھی عبدالرحمٰن بن اسود عن ابیہ عن ابن مسعود ہے۔ وہاں بھی اسود عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق بتا رہے ہیں کہ ثم ان کان فی وسط الصلوٰۃ نہض ۔ الخ۔ کہ اگر عبداللہ بن مسعودؓ وسط صلوٰۃ یعنی پہلے تشہد میں ہوتے تو تشہد پڑھ کر ہی اٹھ کھڑے ہوتے۔ اور اگر نماز کے آخر یعنی دوسرے تشہد میں ہوتے تو تشہد کے ساتھ دعا بھی ملا لیتے اور پھر سلام کہتے [1]

لطف کی بات یہ ہے کہ حافظ صاحب موصوف نے جہاں سے اپنے موقف کی صراحت کرنا تھی وہ حصہ تو کھا

---

[1] تعاقب نگار کا یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ کانَ کا مرجع عبداللہ بن مسعودؓ ہے۔ بنا بریں یہ روایت موقوف ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کانَ کا مرجع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ امام مالکؒ اور دیگر ائمہ نے کہا ہے اور اسی مرجع کی بنیاد پر اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ پہلے تشہد میں درود پڑھنا ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں یہ روایت صحیح ابن خزیمہ میں ۱/۳۵۰ پر بھی آئی ہے۔ وہاں امام ابن خزیمہ نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ امام ابن خزیمہ نے بھی اس کا مرجع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کہا ہے۔ امام ابن خزیمہ نے باب قائم کیا ہے۔ باب الاقتصار فی الجلسۃ الاولی علی التشہد و ترک الدعاء بعد التشہد الاول ۔ کہ "پہلے جلسے (نشست) میں صرف تشہد پڑھا جائے اور اس میں تشہد کے بعد دعائیں نہ پڑھی جائیں" اگر یہ صرف عبداللہ بن مسعودؓ کا فعل ہوتا تو امام صاحب اس حدیث کے تحت یہ باب قائم نہ فرماتے (ص ۔ ی)

دیا لیکن شروع سے جہاں اپنے موقف کا رد ہوتا ہے وہ حصہ چھوڑ دیا[1] یہاں حافظ صاحب موصوف کو غلطی لگی ہے[2] چنانچہ ہم اسی حدیث کو پیش کرتے ہیں جس کا حوالہ حافظ صاحب موصوف نے دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن عبدالرحمٰن بن الاسود بن یزید النخعی عن ابیہ عن عبداللہ بن مسعود قال علّمنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم التشہد فی وسط الصلوٰۃ وفی اٰخرھا فکنا نحفظ عن ابیہ عن عبداللہ حین اخبرنا انّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم علمہ ایاہ فکان یقول اذا جلس فی وسط الصلوٰۃ و آخرھا علی ورکہ الیسری التحیات للہ الی قولہ عبدہ ورسولہ قال ثم ان کان فی وسط الصلوٰۃ نھض حین یفرغ من تشہدہ وان کان فی آخرھا دعا بعد تشہدہ بما شاء اللہ ان یدعو ثم یسلم۔
(الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج ۴ ص ۳۰)

• اسود بن یزید نخعی کہہ رہے ہیں کہ فکنا نحفظ ہم یاد کرتے تھے عبداللہ سے جب اُس نے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سکھایا ہے۔ فکان یقول۔ الخ۔ اسود کہتے ہیں کہ عبداللہ پڑھتے تھے جب وسط صلوٰۃ اور اس کے آخر میں بیٹھتے تھے۔ الخ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ "کنا نحفظ" اور "فکان یقول" ان الفاظ کا قائل ایک ہے (یعنی اسود) اور حافظ صاحب موصوف نے تو اس عبارت کو حذف کر دیا اور آخر سے ایک پیرا حذف کر کے صراحتاً فعل رسول ثابت کر رہے ہیں۔ حالانکہ صراحتاً یہ فعل عبداللہ بن مسعودؓ ثابت ہو رہا ہے۔ جب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا فعل ہے تو پھر اب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے حجت رسول معظم ہیں۔ ہمارے لئے اُسوہ حسنہ خود رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ)

دوسری دلیل حافظ صاحب موصوف نے مسند ابی یعلیٰ سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یزید فی الرکعتین علی التشہد۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلی) دو رکعتوں میں صرف تشہد پڑھتے تھے، اس سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے"۔ یہ روایت حافظ صاحب موصوف نے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۴۲ کے حوالہ سے درج کی ہے اور پھر حافظ ہیثمی کا فیصلہ بھی درج کیا ہے کہ وہ لکھتے ہیں۔

رواہ ابویعلی من روایۃ ابی الحویرث عن عائشۃ والظاھر انہ خالد بن الحویرث وھو ثقۃ وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔

• ابویعلیٰ نے اس حدیث کو ابوالحویرث کی روایت سے روایت کیا ہے جو وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

---

[1] راقم علوم دین کا طالب علم ہے اس کا وہی موقف ہے جو دلائل صحیحہ و قویہ سے ثابت ہو۔ اپنا کوئی موقف نہیں اس لئے یہ بدگمانی صحیح نہیں کہ راقم نے اپنے موقف کے اثبات کے لئے ایسا کیا ہے بلکہ اس سے اصل مقصود صرف اختصار تھا (ص ۔ ی)

[2] یہ کہنا صحیح ہے۔ راقم نے کان اور نھض کا مرجع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کہا تھا۔ اور غالباً اُن ائمہ نے بھی یہی سمجھا ہے جنہوں نے اس سے پہلے تشہد میں درود کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے۔ تاہم راقم کو اپنی اس رائے پر اصرار نہیں ہے ممکن ہے یہ غلط ہی ہو جیسا کہ تعاقب نگار نے لکھا ہے (ص ۔ ی)

روایت کرتے ہیں. اور ظاہر بات یہ ہے کہ (ابوالحویرث نہیں)
خالد بن حویرث ہے جو کہ ثقہ ہے اور باقی اس سند کے راوی صحیح
ہیں ۔ اھ ۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے چنانچہ میزان الاعتدال
میں ہے ۔ ابوالحویرث عن عائشۃ لا یعرف
فان کان الاول فلم یدرک عائشۃ (میزان الاعتدال
جلد ۳ ص۳۵۵)

کہ "ابوالحویرث جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت
کرتا ہے وہ مجہول ہے اور اگر پہلا (یعنی عبدالرحمان بن معاویہ)
ابوالحویرث ہو تو اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا"

اب ابوالحویرث کی روایت تو دونوں صورتوں میں
قبول نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ جو ابوالحویرث عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا سے روایت کرتا ہے وہ تو ہے ہی مجہول۔ اور
مجہول کی روایت قبول نہیں ۔ بصورت دیگر اگر یہ ابوالحویرث
دوسرا ہے (یعنی عبدالرحمن بن معاویہ) تو اس نے عائشہ
رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا ۔ لہٰذا اس صورت میں روایت منقطع
ہو جائے گی ۔

اب ابوالحویرث کی تو بات ہی ختم کہ ابوالحویرث جو بھی
عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرے وہ روایت قبول
نہیں ۔ رہی بات خالد بن حویرث کی تو وہ بھی مجہول ہے ۔
(کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم رازی (ج ۳ قسم ۲ ص۳۲۴)
میں ہے ۔ عثمان بن سعید دارمی نے کہا کہ میں نے یحییٰ ابن معین
سے خالد بن حویرث کی بابت پوچھا تو اس نے کہا کہ میں اسے
نہیں پہچانتا ۔ عبارت یہ ہے ۔ قال سألت یحیی بن
معین عن خالد بن الحویرث فقال لا
اعرفه (حوالہ مذکور) اور تہذیب التہذیب میں ہے کہ
قال عثمان بن سعید الدارمی سألت یحیی
ابن معین عنه فقال لا اعرفه وقال
ابن عدی اذا کان یحیی لا یعرفه فلا
یکون له شهرة ولا یعرف (تہذیب التہذیب ج ۳ ص[illegible])

"عثمان بن سعید دارمی نے کہا کہ میں نے یحییٰ ابن معین
سے خالد بن حویرث کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ میں
اسے نہیں جانتا۔ اور ابن عدی نے کہا کہ جب یحییٰ اسے نہیں
پہچانتا تو یہ مشہور نہیں بلکہ مجہول ہوگا"

جب مسند ابی یعلیٰ کی اس روایت میں نہ تو ابوالحویرث
کا اعتبار ہے اور نہ ہی خالد بن حویرث کا تو پھر اس حدیث
سے استدلال صحیح نہیں ۔

رہی حافظ صاحب موصوف کی تیسری دلیل جو وہ
الفتح الربانی (ج ۴ ص[illegible]) لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل
شیبانی سے پیش کر کے استدلال کرتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ
علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں (تشہد مختصر) جلوس فرماتے گویا کہ
آپ گرم بستر پہ بیٹھے ہیں"

یہ روایت منقطع ہے ۔ اس کی عبارت یوں ہے ۔
عن ابی عبیدة عن ابیه ان النبی صلی الله
علیه وسلم کان فی الرکعتین کأنه علی الرضف
قلت حتی یقوم؟ قال حتی یقوم. (مسند احمد ج ۵
ص ۳۹۶ تحقیق احمد محمد شاکر) حافظ صاحب موصوف نے یہ
روایت پیش کی ہے اور اس میں ابوعبیدہ راوی کا اپنے والد
سے سماع ثابت نہیں تو حدیث بوجہ انقطاع ضعیف ہے
احمد محمد شاکر نے کہا ۔ اسناده ضعیف لانقطاعه
(ایضاً حوالہ مذکور) حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہی کہا ہے کہ ابوعبیدہ
کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ عامر
بن عبدالله بن مسعود الهذلی ابوعبیدة الکوفی
ویقال اسمه کنیته روی عن ابیه ولم یسمع
منه (تہذیب التہذیب ج ۵ ص[illegible]) "عامر بن عبداللہ بن

مسعودؓ ہذلی ابوعبیدہ کوفی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کا نام اس کی کنیت ہی ہے۔ اس نے اپنے والد سے روایت کی لیکن اس سے سماع ثابت نہیں "۔ امام ترمذیؒ جامع الترمذی میں لکھتے ہیں۔ ابوعبیدة بن عبداللہ بن مسعود لم یسمع من ابیه ولا یعرف اسمه. کہ ابوعبیدہ نے اپنے والد سے نہیں سُنا اور اس کا نام معلوم نہیں۔ (جامع الترمذی جلد ۱ صفحہ ۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی "التلخیص الحبیر" میں لکھتے ہیں۔

حدیث: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی الرکعتین الاولیین کانه علی الرضف الشافعی و احمد والاربعة والحاکم من روایة ابی عبیدة بن عبداللہ بن مسعود عن ابیه وھو منقطع لان ابا عبیدة لم یسمع من ابیه قال شعبة عن عمرو بن مرة سألت ابا عبیدة ھل تذکر من عبداللہ شیئا قال لا رواہ مسلم و غیرہ۔ وروی[1] ابن ابی شیبة من طریق تمیم ابن سلمة (التلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۶۳)

"حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں اس طرح ہوتے تھے جیسے کہ گرم پتھر پر ہوں، شافعی، احمد، اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) اور حاکم نے ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے جو وہ اپنے باپ سے بیان کرتا ہے، نقل کیا ہے۔ اور یہ روایت منقطع ہے اس لئے کہ ابوعبیدہؓ کا اپنے والد سے سماع نہیں ہے۔ شعبہ نے عمرو بن مرہؓ سے روایت کی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے ابوعبیدہؓ سے پوچھا کہ کیا تو عبداللہ سے کچھ ذکر کرتا ہے تو اس نے کہا نہیں۔ اس کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے تمیم بن سلمہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔"

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ تیسری دلیل بھی کمزور

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

[1] روی ابن ابی شیبة الخ کا تعلق اس اگلے اثر سے ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے غالباً اس منقطع روایت کے انجبار کے لئے ذکر کیا ہے۔ جس میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ پہلی دو رکعتوں میں (اتنا مختصر بیٹھتے) گویا آپ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں۔ اور اس کی سند کی بابت کہا ہے کہ صحیح ہے۔ نیز یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے بھی یہ تلخیص الحبیر کے حوالے سے اور عبداللہ بن مسعودؓ کی مسند احمد والی روایت

نقل کرکے اپنا رجحان یہی ظاہر کیا ہے کہ تشہد اول تشہد ثانی کے مقابلے میں مختصر ہونا چاہیئے (ج ۱ ص ۲۹۱) اسی طرح صاحب تنقیح الرواۃ نے انقطاع کے باوجود اس روایت کو یہ کہہ کر کہ ابوعبیدہ کا سماع اگرچہ اپنے باپ سے ثابت نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بعض صحابہ سے سن کر یہ روایت کی ہے کیونکہ ابوعبیدہ وہ راوی ہے جس کی حدیثوں سے امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے بھی احتجاج کیا ہے "۔ سے قابل قبول قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: "تنقیح الرواۃ۔ ج ۱۔ ص ۲۶۲)

محدث شہیر مولانا عبیداللہ رحمانی حفظہ اللہ نے بھی اس روایت کو قابل قبول قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ انما حسنه الترمذی مع انقطاعه لشواھدہ "امام ترمذی نے انقطاع کے باوجود اسے اس کے شواہد کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے"۔ پھر مذکورہ شواہد ذکر کرکے آخر میں لکھا ہے۔ فھذہ الروایات شواھد لحدیث الباب حدیث ابن مسعود۔ ودل حدیث الباب انہوں نے سمجھا ہے کہ پہلے تشہد میں صرف تشہد ہی پڑھا جائے اس پر اضافہ نہ کیا جائے الظاھران لا یزید علی التشھد (مرعاۃ۔ ج ۲ ص ۲۰۲)

بقیہ • تشہد اول میں درود شریف

سے اور روایت منقطع یعنی ضعیف ہے جب حافظ صاحب موصوف کے تینوں دلائل درست نہیں تو یہ بات مزید تفصیل کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آئی کہ درود شریف پہلے تشہد میں بھی اسی طرح مستحب ہے جس طرح دوسرے میں، دونوں تشہدوں میں پڑھنا چاہئے اور پہلے اور دوسرے میں کوئی فرق نہیں۔ حافظ صاحب موصوف نے فرمایا ہے کہ آخری تشہد میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے اس آخری تشہد والی تخصیص کی دلیل کیا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے ـــ اللہ کریم جل و علا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق سمجھنے اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

واللہ الموفق وھو المعین۔

تحقیق و تنقید

پیر محب اللہ شاہ الراشدی حفظہ اللہ - سندھ

التحقیق المستحلی فی ثبوت الصلوٰۃ علی النبی فی القعدۃ الاولیٰ

تشہد اول میں بھی درود پڑھنے کا ثبوت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ

حضرت الفاضل محترم المقام حبّی فی اللہ واخی فی الاسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ آپ کا مزاج عالی مع الخیر ہوگا۔ اما بعد:-

۵ ستمبر کے "الاعتصام" میں آپ محترم کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں آں محترم نے یہ ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ قعدہ اولیٰ میں صحیح بات یہ ہے کہ اس میں تشہد کے ساتھ صلوٰۃ نہ پڑھی جائے۔ افسوس کہ اس مسئلہ میں راقم الحروف آں محترم کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکا۔ عصر حاضر کے حضرت علامہ البانی حفظہ اللہ ہی پہلے قعدہ میں صلوٰۃ پڑھنے کے قائل نہیں بلکہ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالقادر حصاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک مضمون شائع کرایا تھا۔ اس میں بھی انہوں نے دلائل سے ثابت کیا تھا کہ پہلے قعدہ میں بھی تشہد کے ساتھ صلوٰۃ پڑھنی چاہئے۔ اور صحیح بات بھی ان شاء اللہ یہی ہے۔

آں محترم نے اپنے موقف کی دلیل میں ایک حدیث تو مسند ابی یعلیٰ کی ذکر فرمائی ہے اور علامہ ہیثمی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایت ابوالحویرث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتا ہے اور وہ ثقہ ہے۔ مسند ابی یعلیٰ کا مکمل مخطوطہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں یہ حدیث بھی (ج ۲ ص ۲۰۴ میں) موجود ہے۔ لیکن حضرت صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے راوی ابوالحویرث نہیں، ابوالجوزاء ہے۔ اور ائمہ محدثین کی تحقیق کے مطابق ابوالجوزاء کا چند صحابہؓ رضی اللہ عنہم جن میں سیدتنا و امنا عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، سے سماع ثابت نہیں۔ دیکھئے تہذیب التہذیب وغیرہ۔ لہٰذا یہ روایت تو انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوسری روایت جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کی سند حسن وجید ہے۔ لیکن اس سے مسئلہ زیر بحث پر استدلال راقم الحروف کے نزدیک صحیح نہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سابقین میں سے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں۔ لہٰذا جو واقعہ وہ اس حدیث میں بیان فرما رہے ہیں وہ پہلے کا تھا اور پہلے قعدہ میں تشہد کے ساتھ صلوٰۃ پڑھنا بعد کا ارشاد ہے۔ اس لئے پہلا حکم بعد میں آنے والے حکم کا رافع نہیں ہو سکتا۔

اب آپ ذیل کی حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ حدیثیں مسند احمد، سنن کبریٰ بیہقی وغیرہا میں اسانید جیاد سے مروی ہیں۔ اس کی اسانید مسند وغیرہ میں دیکھی جائیں۔

۱۔ عن ابی مسعود عقبۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال اَقْبَلَ رجلٌ حَتّٰی جَلَسَ بَیْنَ یَدَیْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن عندہ فقال یارسول اللہ اَمَّا السَّلَامُ علیک فقد عرفناہ

فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا فی صلواتنا صلی اللہ علیک قال فصمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی احببنا ان الرجل لم یسأله قال اذا انتم صلیتم علیّ فقولوا اللّٰھم صل علی ۔الخ۔ اس حدیث میں جو سائل ہے وہ بشر بن سعد ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے اور اس حدیث میں واضح ہے کہ صلوٰۃ کے متعلق سوال نماز میں تشہد کے وقت پڑھنے کے بارے میں تھا اور "سلام" جو صحابہؓ نے پہلے جان لیا تھا وہ وہی ہے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال مدینہ منورہ میں آنے کے بعد بھی کافی عرصہ بعد میں ہوا تھا۔ اس کی وضاحت مزید دوسری حدیث میں آرہی ہے۔

۲۔ یہ حدیث بھی حضرت ابی مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور جید سند سے امام احمد کی مسند میں موجود ہے۔

وعنہ قال اتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مجلس سعد بن عبادۃ فقال له بشر بن سعد اَمَرَنَا اللّٰہُ اَنْ نُصَلِّیَ علیک یا رسول اللہ فکیف نصلی علیک قال فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی تَمَنَّیْنَا اَنَّهُ لَمْ یَسْأَلْهُ ثم قال قولوا اللّٰھم صل علی محمد..... والسلام کما قد علمتم۔ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ سوال اللہ تعالیٰ کے فرمان "یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کے نزول کے بعد ہوا تھا اور یہ آیت سورۂ احزاب کی ہے جو ۵ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا چاہیئے۔ اور یہ حکم بعد کا ہے۔ تشہد کا حکم اس سے کافی عرصہ پہلے ہو چکا تھا۔ اس لئے صحابہؓ نے اس تشہد کا حوالہ دیتے ہوئے عرض کیا کہ سلام تو ہم پہلے معلوم کر چکے ہیں۔ یعنی تشہد میں۔ اور اس دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تکمیل میں صلوٰۃ تو سکھلائی۔ لیکن سلام کے متعلق اسی تشہد والے سلام کی طرف "والسلام کما قد عرفتم" سے اشارہ فرما دیا۔ اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ تشہد کا حکم کافی عرصہ پیشتر ہو چکا تھا۔ اور اس وجہ سے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی پر اکتفا فرماتے تھے۔ لیکن جب سورہ احزاب کی مذکورہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی دریافت پر آپ نے صلوٰۃ بھی بتا دی۔ اور یہ نماز ہی میں پڑھنے کے متعلق سوال تھا جیسا کہ پہلی حدیث سے واضح ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مسند احمد اور سنن کبریٰ للبیہقی میں اس کے موافق حدیث صحیح سند سے موجود ہے۔ لہٰذا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پہلے قعدہ میں تشہد پر اکتفا کے لئے استدلال میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ان دونوں حدیثوں کو اس طرح بھی جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جو صرف تشہد کا ذکر ہے تو اس سے مراد تشہد مع الصلوٰۃ ہے۔ اور عربی زبان میں چند اشیا کے مجموعہ کی طرف ایک اہم جزو سے اشارہ کیا جا سکتا ہے مثلاً مَنْ قَامَ رَمَضَانَ - الخ میں ذکر تو قیام ہی کا ہے لیکن مراد پوری نماز ہے۔ اس طرح اور بھی بہت سے امثلہ موجود ہیں۔ اس کی وضاحت اس طرح سمجھئے کہ اللہ کا حکم تو صلوٰۃ و سلام دونوں کا ہے اور سلام صرف تشہد میں ہی مذکور ہے۔ لہٰذا صلوٰۃ کے حکم کی تعمیل صرف صلوٰۃ کے پڑھنے سے ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جب نماز میں متصلی

قعدہ کرے گا تو اللہ کے ارشاد کی تکمیل میں یہ دونوں پڑھے گا گویا تشہد، جس میں سلام ہے، اور صلوٰۃ آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ اور صرف تشہد کے ذکر سے جو کہ اہم جزو ہے، کیونکہ اس میں سلام کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ اللہ کی ثناء و تعظیم، شہادتین وغیرہ تو اس کے ذکر سے دوسرے جزو یعنی صلوٰۃ کی جانب بھی اشارہ ہو گیا۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے قعدے (وسط صلوٰۃ) میں اگر ہوتے تو صرف تشہد یعنی مع الصلوٰۃ (کیونکہ اللہ کے ارشاد میں دو چیزیں ہیں اور صرف تشہد میں ایک ہی چیز مذکور ہے) پر اکتفا فرماتے۔ اس میں کوئی خرابی نہیں، یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے ذکر سے دوسرے کا ذکر ہو ہی جائے گا۔

باقی حضرت ابن مسعود کی حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ وان کان فی آخرھا دعا بعد تشھدہ بما شاء اللہ ان یدعو..... اس کو تشہد و صلوٰۃ کے علاوہ اور جو ادعیہ وارد ہیں، مثلاً اللّٰھم انی اعوذ بک من عذاب جھنم الخ۔ اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا۔ الخ۔ ان پر محمول کیا جائے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ بہر صورت اس مسئلے میں مجھے ان ائمہ کرام (امام شافعی وغیرہ رحمہم اللہ) کا موقف صحیح نظر آتا ہے جو پہلے قعدہ میں بھی صلوٰۃ کے پڑھنے کو مشروع جانتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

ملحوظہ ۱

مزید برآں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو "وسط الصلوٰۃ" کے الفاظ ہیں، اگر اس سے مراد اگر نماز کا ٹھیک ٹھیک بیچ مراد ہے تو یہ مغرب کی نماز سے منقوض ہے کیونکہ اس صورت میں مغرب کی نماز میں تشہد کے ساتھ صلوٰۃ پڑھنی جائز ہوگی کیونکہ اس میں پہلا قعدہ ٹھیک ٹھیک بیچ میں نہیں ہے اور

اگر وسط سے مراد آخری قعدہ سے پہلے کا قعدہ ہے۔ خواہ ٹھیک وسط و بیچ میں ہو، جس طرح چار رکعتی نماز میں۔ یا ٹھیک بیچ میں نہ بھی ہو تو پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے وسط میں (یعنی دوسرے معنی کے لحاظ سے) تشہد کے ساتھ صلوٰۃ پڑھنی ثابت ہے۔ حضرت سعد بن ہشام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل کا ذکر کرتے ہوئے) فقالت کُنَّا نُعِدُّ لِرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سِواکَہُ وطَھورَہُ فَیَبْعَثُہُ اللّٰہُ مَا شَاءَ أَنْ یَبْعَثَہُ مِنَ اللَّیْلِ فَیَتَسَوَّکُ وَیَتَوَضَّأُ ثُمَّ یُصَلِّی تِسْعَ رَکَعَاتٍ لَا یَجْلِسُ فِیْھِنَّ اِلَّا عِنْدَ الثَّامِنَۃِ فَیَدْعُو رَبَّہُ وَیُصَلِّی عَلٰی نَبِیِّہٖ ثُمَّ یَنْھَضُ وَلَا یُسَلِّمُ ثُمَّ یُصَلِّی التَّاسِعَۃَ فَیَقْعُدُ ثُمَّ یَحْمَدُ رَبَّہُ وَیُصَلِّی عَلٰی نَبِیِّہٖ وَیَدْعُو ثُمَّ یُسَلِّمُ تَسْلِیْمَۃً یُسْمِعُنَا۔ الخ (سنن الکبریٰ للامام البیہقی، ج ۲، ص ۵۰۰) پھر اسی صفحہ پر امام بیہقی فرماتے ہیں "رواہ مسلم فی الصحیح عن ابی بکر بن ابی شیبۃ" اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ رواۃ سب کے سب ثقات ہیں اور سند میں ابن ابی عروبہ اور قتادہ دونوں نے "حدثنا" کہہ کر سماع کی تصریح بھی کر دی ہے۔ لہٰذا تدلیس کا شبہ بھی نہ رہا۔ دیکھئے (سنن کبریٰ: ج ۲ ص ۴۹۹) اور یہی حدیث بعینہ صحیح ابی عوانہ میں بھی موجود ہے۔[1] اس صحیح حدیث سے

---

[1] سنن نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔ ج ۱ ص ۲۴۴۔ مع التعلیقات السلفیہ (ص ۔ ی)

بالوضاحت معلوم ہوگیا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وسط الصلوٰۃ میں اخیری قعدہ سے پہلے قعدہ میں صلوٰۃ پڑھی اور مسئلہ مزید مبرہن ہوگیا۔ فللّٰہ الحمد ولہ المنۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن۔

اس روایت میں پہلے قعدہ میں جو "فیدعو ربہ" وارد ہے اس سے مراد وہی ہے جو نویں رکعت میں "ثم یحمد ربہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی تشہد (التحیات) مقصد یہ کہ وتر کے درمیانی اور اخیری دونوں قعدوں میں صلوٰۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

ملحوظہ: مسند ابو یعلیٰ کی روایت کی مزید سندی تحقیق

اگر بالفرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ابوالجوزاء نہیں بلکہ ابوالحویرث ہو جیسا آں محترم نے حافظ ہیثمی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ ابوالحویرث کون ہے؟ حافظ ابن حجرؒ التقریب میں "کُنیٰ" کے ابواب میں "حا" مہملہ کی فصل میں لکھتے ہیں: "ابوالحویرث عن عائشۃ ان لم یکن الذی قبلہ والا فمجھول من الثالثۃ" اور اس سے قبل جو "ابوالحویرث" ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں: بالتصغیر الزرقی اسمہ عبدالرحمٰن بن معاویۃ۔ اب عبدالرحمٰن بن معاویہ کا ترجمہ نکالتے ہیں تو ان کا ترجمہ اس طرح ملتا ہے:

عبدالرحمٰن بن معاویۃ بن الحویرث بالتصغیر الانصاری الزرقی ابوالحویرث المدنی المشہور بکنیتہ صدوق سیّئ الحفظ رمی بالارجاء من السادسۃ۔ اب آپ ان تراجم پر غور فرماویں کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث ہے تو وہ سیّئ الحفظ ہونے کے علاوہ طبقہ سادسہ سے ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے تقریب کی ابتداء میں یہ تصریح فرمادی ہے کہ طبقہ سادسہ کے رُواۃ کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں اور حالت یہ ہے کہ حضرت سیدہ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم سے تو طبقہ خامسہ و رابعہ کا بھی سماع نہیں بلکہ طبقہ ثالثہ یا ثانیہ کا ہو تو ان سے سماع ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جو راوی طبقہ ثالثہ سے ہی نہیں، تین طبقے نیچے کا ہوا۔ اس کا حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا سے سماع کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی یہ روایت ضعیف ہوئی کیونکہ ایک تو اس میں راوی سیّئ الحفظ ہے اور دوسری وجہ سند میں مابین السیدہ رضی اللہ عنہا اور ابوالحویرث کے انقطاع ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہوئی اگر یہ ابوالحویرث "عبدالرحمٰن بن معاویہ" نہیں تو وہ مجہول ہے جیسا کہ حافظ صاحب نے فرمایا (وقد مرّت عبارتہا) اور جہالت بھی ائمہ حدیث اور محققین کے نزدیک جرح شدید ہے۔ لہٰذا اس صورت میں بھی یہ روایت ضعیف ہوئی۔ واللہ اعلم۔

احکام و مسائل

شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی - لاہور

• کیا تحیۃ المسجد پڑھنا فرض ہے نیز مکروہ اوقات میں تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم؟
• پہلے تشہد میں درود پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوالات

(۱) کیا تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں فرض ہیں؟ کیا اوقاتِ مکروہہ میں پڑھی جا سکتی ہیں؟

(۲) کیا نماز میں پہلے تشہد کے ساتھ درود شریف پڑھنا چاہیے؟ بعض لوگ پہلے قعدے میں تشہد کے ساتھ درود شریف پڑھنے کو، قرآن کی آیت یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ سے اور اس حدیث سے جس میں صحابہ کرام نے آپ سے درود پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تھا، اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ضروری قرار دیتے ہیں جب کہ مسند احمد، تلخیص ابن حجرؒ اور نصب الرایۃ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قعدے میں صرف تشہد ہی پڑھیں گے۔ بہر حال بحوالہ وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط

طالب الدعوات: خادم العلماء بلال احمد غفرلہ
مہتمم جامعہ محمدیہ اہلحدیث گوالہ کالونی - لاہور

الجواب بعون الوہاب

(۱) تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں اگرچہ فرض نہیں ہیں، کیونکہ فرض صرف پانچ نمازیں ہیں لیکن ان کی اہمیت اس قدر ہے کہ خطبہ جمعہ کے دوران آنے والا بھی دو رکعت پڑھ کر ہی بیٹھے گا۔ حالانکہ اس وقت استماع اور انصات کی بطور خاص تاکید وارد ہے۔ کتبِ احادیث میں قصۂ سلیک غطفانی اس امر کی واضح دلیل ہے۔ تحیۃ المسجد چونکہ اتفاقی نماز نہیں بلکہ سببی ہے اس لئے اس کا مکروہ اوقات میں پڑھنا بھی درست ہے جس طرح کہ نماز جنازہ وغیرہ ہے۔ بطور استدلال حدیث کریب عن ام سلمۃ پیش کی جاتی ہے۔

سمعتك تنهى عن هاتين الركعتين وأراك تصليهما قال يا ابنة ابى امية سألت عن الركعتين بعد العصر وانه اتانى ناس من عبد القيس فشغلونى عن الركعتين اللتين بعد الظهر فهما هاتان (متفق علیہ)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (مرعاۃ المفاتیح، ج ۲ ص ۵۱-۵۶)

(۲) کسی بھی صحیح مرفوع متصل روایت میں پہلے تشہد میں درود پڑھنے کی ممانعت نہیں بلکہ عموم حدیث کعب بن عجرۃ جواز پر دال ہے۔ فرماتے ہیں:

ان النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن كيفية الصلوٰة عليه فقال قولوا اللهم صل على محمد ..... الخ

(تلخیص الحبیر جزء ۱ ص ۲۶۸)

• اور بعض صحیح روایات میں الفاظ یوں ہیں۔

نقد قالوا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قد علمنا كيف نسلم عليك (اى فى التشهد)

فکیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللھم صل علی محمد .... الحدیث " یعنی صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس بات کا تو علم ہو گیا آپ پر سلام (یعنی تشہد میں) کیسے پڑھا جائے۔ پس یہ فرمائیے کہ درود کیسے پڑھیں، فرمایا کہو اللھم صل علی محمد .... الحدیث۔ علامہ البانی فرماتے ہیں۔ فلم یخص تشھدا دون تشھد فیہ دلیل علی مشروعیۃ الصلاۃ علیہ فی التشھد الاول ایضا وھو مذھب الامام الشافعی کما نص علیہ فی کتابہ "الام" وھو الصحیح عند اصحابہ کما صرح بہ النووی فی المجموع (۳/۴۶۰) و قد جاءت احادیث کثیرۃ فی الصلاۃ علیہ فی "التشھد" ولیس فیھا التخصیص المشار الیہ بل ھی عامۃ تشمل کل تشھد .... ولیس للمانعین المخالفین ای دلیل یحتج بہ (صفۃ الصلوۃ ص ۱۴۲-۱۴۳)

یعنی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود پڑھنے کے لئے کسی ایک تشہد کو خاص نہیں کیا پس اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے تشہد میں بھی درود پڑھنا مشروع ہے۔ امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے جس طرح کہ "الام" میں منصوص ہے۔ اور امام شافعیؒ کے اصحاب کے نزدیک بھی یہی بات صحیح ہے جس طرح کہ نووی نے المجموع (۳/۴۶۰) میں تصریح کی ہے۔ نیز بہت ساری احادیث میں تشہد میں آپؐ پر درود کا تذکرہ موجود ہے لیکن ان میں مشارٌالیہ تخصیص کا نام و نشان تک نہیں بلکہ وہ عام اور ہر تشہد کو شامل ہیں۔ اور مخالفین کے پاس قابل احتجاج کوئی دلیل موجود نہیں "

مانعین کے دلائل کا جائزہ

اس سلسلے میں مانعین کے بھی چند دلائل ہیں۔ ان کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے جس طرح کہ سائل نے بھی ان کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں حدیث ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان فی الرکعتین الاولیین کأنہ علی الرضف قال قلنا حتی یقوم قال حتی یقوم۔

یعنی" نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں ایسے ہوتے تھے گویا کہ گرم پتھر پر ہیں۔ ہم کہتے ابھی اٹھے"

اور ترمذی کی روایت میں ہے شعبہ نے کہا پھر سعد نے کسی شے کے ساتھ اپنے ہونٹوں کو حرکت دی۔ پس میں نے کہا حتی یقوم وہ بھی کہہ رہے تھے حتی یقوم۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، اہل علم کا عمل اس حدیث کے مطابق ہے وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی پہلی دو رکعتوں میں زیادہ دیر نہ بیٹھے اور پہلی دو رکعتوں میں تشہد سے زیادہ کچھ نہ پڑھے۔ اور اگر کسی نے تشہد پر اضافہ کیا تو اس پر دو سجدہ سہو لازم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح شعبی وغیرہ سے بیان کیا گیا ہے۔ نیز امام ترمذی حدیث ہذا پر حکم لگاتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ھذا حدیث حسن الا ان ابا عبیدۃ لم یسمع من ابیہ۔

یعنی یہ حدیث حسن درجہ کی ہے البتہ ابوعبیدہ کا اپنے باپ (عبداللہ) سے سماع ثابت نہیں"

اور عمرو بن مرّہ کا بیان ہے میں نے ابوعبیدہ سے دریافت کیا تجھے عبداللہ سے کوئی شے یاد ہے، کہا مجھے کوئی شئی یاد نہیں عون المعبود (۱/۳۷۸) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

وھو منقطع لان ابا عبیدۃ لم یسمع من ابیہ۔

لیکن یہ حدیث منقطع ہے، اس لئے کہ ابوعبیدہ کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۶۳) لہٰذا یہ روایت قابل حجت نہ ٹھہری اور جہاں تک تعلق ہے اس روایت کا جو مسند احمد اور ابن خزیمہ میں ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشہد کی تعلیم دی۔ پس جب وہ درمیانہ قعدہ میں بیٹھتے اور آخر قعدہ میں بیٹھتے تو بائیں ران پر بیٹھتے۔ التحیات عبدہ ورسولہ تک پڑھتے۔ پھر اگر درمیانے قعدہ میں ہوتے تو صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے اور اگر اخیر میں ہوتے تو تشہد کے بعد جو اللہ چاہتا دعا مانگتے۔ پھر سلام پھیرتے (التلخیص ۱/۲۶۴)

روایت ہذا واضح طور پر اس بات پر دال ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے قعدہ اولیٰ میں صرف تشہد پر اکتفا کی ہے لیکن روایت موقوف ہے مرفوع نہیں۔

صاحب المرعاۃ فرماتے ہیں، امام ابوحنیفہ نے اسی بات کو اختیار کیا لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک درود کا اضافہ بھی درست ہے پھر وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الظاہر ان لا یزید علی التشہد لکن لو زاد یجب علیہ سجدۃ السہو لانہ لم یقم دلیل شرعی علی وجوب سجدۃ السہو علی ما زاد علی التشہد فی القعدۃ الاولیٰ (۱/۱۶۷)

یعنی "ظاہر بات یہ ہے کہ نمازی تشہد پر اضافہ نہ کرے لیکن اگر کوئی اضافہ کر دے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں کیونکہ کوئی شرعی دلیل اس بات پر قائم نہیں ہو سکی کہ قعدہ اول میں تشہد پر زیادتی کی صورت میں سجدہ سہو لازم ہے۔"

جملہ دلائل سے ظاہر ہے کہ علامہ موصوف کا استدلال صرف شواہد پر مبنی ہے۔ بطور خاص کوئی صحیح مستند موجود نہیں جب کہ دوسری جانب واضح موقف ہے جو صریح دلائل پر موقوف ہے۔ مزید آنکہ المنتقیٰ باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حدیث ہے۔

فقال لہ بشیر بن سعد امرنا اللہ ان نصلی علیک فکیف نصلی علیک ..... ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولوا اللھم صل علی محمد ... الخ

یعنی بشیر بن سعدؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ اللہ نے ہمیں آپ پر درود کا حکم دیا ہے آپ پر کیسے درود بھیجیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو اللھم صل علی محمد .... الخ

اور مسند احمد میں ہے فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا فی صلاتنا؟ یعنی "جب ہم نماز پڑھیں تو اپنی نمازوں میں آپ پر کیسے درود بھیجیں؟" مقام ہذا توضیح و تفصیل کا محل ہے پہلے اور دوسرے قعدہ میں درود پڑھنے کے اعتبار سے فرق کی وضاحت ذکر نا عموم جواز کی دلیل ہے اور علوم فقہ میں قاعدہ معروف ہے تاخیر البیان عن وقت الحاجۃ لا یجوز یعنی ضرورت کے وقت کسی شئے کی وضاحت نہ کرنا ناجائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا پہلے تشہد میں درود پڑھنا جائز ہے۔ واضح ہو کہ علماء کا ایک گروہ نماز میں درود کے وجوب کا قائل ہے جب کہ جمہور علماء عدم وجوب کے قائل ہیں۔ علامہ شوکانی نے عدم وجوب کو اختیار کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ نیل الاوطار (۲/۲۹۵-۲۹۶)

كتاب

المساجد

عورتوں کا مساجد میں تبلیغی پروگرام منعقد کرنا

س: کیا عورتیں مساجد میں دینی و تبلیغی اجتماعات منعقد کر کے ایک دوسرے کو وعظ و نصیحت کر سکتی ہیں۔ جس طرح مرد مساجد میں جلسے اور کانفرنسیں کرتے ہیں؟ کتاب و سنّت کی رو سے مسئلے کی صحیح نوعیت واضح کریں۔

(ایک سائلہ' لاہور)

ج: دعوت و تبلیغ ہر مسلمان کا حق ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اللہ وحدہٗ لا شریک نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جس طرح مردوں کا وظیفہ ذکر کیا ہے اسی طرح عورتوں کے بارے میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ [التوبہ ۹ : ۷۱]

"مؤمن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اچھی بات کا حکم کرتے ہیں اور بری بات سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غلبے والا اور حکمت والا ہے"۔

اس آیت کریمہ میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ مؤمن مرد اور

مؤمنہ عورت کی صفات و خوبیوں سے ایک خوبی و صفت امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے جس طرح مرد کو اچھی بات کہنے اور بری بات سے روکنے کا حکم ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق ہے کہ وہ اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کرے۔ یاد رہے صدرِ اوّل میں مردوں کے اجتماعات شکل و صورت کے اعتبار سے ہمارے آج کے جلسوں اور کانفرنسوں کی طرح منعقد نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا جواز دعوت و تبلیغ کی عمومی آیات و احادیث سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح عورتوں کا معاملہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے لیے بھی دعوت و تبلیغ کا ہر وہ طریقہ درست ہو گا جس میں شرعی حدود کا خیال رکھتے ہوئے اپنے گھر سے نکلیں گی مثلاً عورت باپردہ ہو' مہکنے والی خوشبو لگا کر نہ نکلے' فیشن ایبل ہو کر نہ نکلے' مردوں سے اختلاط نہ ہو۔ اس طرح اجتماعات میں شریک نہ ہوں جیسے آج کل گلوکارائیں اور اداکارائیں فیشن ایبل ہو کر سٹیج پر نمودار ہوتی ہیں۔ یوں معلوم نہ ہو کہ وہ کسی فیشن شو یا حسن و آرائش کے مقابلہ کے لیے آئی ہیں بلکہ مکمل طور پر شرعی لباسوں میں ملبوس اور آرائش و نمائش سے مبرا ہو کر دعوت و تبلیغ کے اجتماعات میں آئیں اور اگر تبلیغی اجتماع گھر سے دور ہو تو ایسے سفر پر نکلنے کے لیے اپنے محرم کو ساتھ لے کر جائیں محرم کے بغیر بالکل سفر نہ کریں۔ ان تمام شرعی حدود کو مد نظر رکھ کر عورتیں مساجد میں اپنا دعوتی و تبلیغی پروگرام منعقد کر سکتی ہیں۔ مساجد دین اسلام کا شعائر ہیں اور ان کا مقصد انہیں آباد کرنا ہے اور مساجد کی آبادی نماز' روزہ' تلاوت' ذکر و اذکار' قرآن و سُنّت کی تعلیم و تبلیغ اور عبادات سے ہی ممکن ہے جس طرح مسجد کو آباد کرنے کا مرد کو حق ہے' بالکل اسی طرح عورت کا بھی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِذَا اسْتَأْذَنُوكُمْ))

[مسلم کتاب الصلاۃ باب خروج النساء الی المساجد (۱۴۰-۴۴۲)]

"جب عورتیں تم سے اجازت طلب کریں تو ان کو مساجد کے حصّہ سے منع نہ کرو"۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مساجد میں عورتوں کا بھی حصّہ ہے اور اس عموم میں تبلیغی و اصلاحی اور اسلامی اجتماعات بھی شامل ہیں۔ اسی طرح عورتوں کا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا اور مردوں کے پیچھے آ کر نماز پڑھنا اور عید گاہ جو مسجد کے حکم میں ہے وہاں پر عورتوں کو حاضر ہونے کی تاکید کرنا اور بعض بے سہارا خواتین کا مسجد نبوی میں قیام کرنا وغیرہ اُمور اس بات کے مؤید ہیں کہ عورت کو بھی مسجد میں قیام کی اجازت ہے اور مسجد میں قیام کا مقصد مسجد میں ذکر اللہ' عبادات اور وعظ و نصیحت ہے۔ لہٰذا عورتیں شرعی حدود میں رہتے ہوئے مرد و زن کے اختلاط سے اجتناب کرتے ہوئے مسجد میں تبلیغی اجتماع دعوتی و اصلاحی پروگرام منعقد کر سکتی ہیں۔ اس میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں۔

مساجد میں چندہ مانگنے والوں کا آواز بلند کرنا

س بعض لوگ مساجد میں آ کر نماز کے سلام پھرنے سے متصل کھڑے ہو کر مساجد و مدارس کی تعمیر کے لیے اس طرح اعلان کرتے ہیں۔ نہ صرف نمازیوں کی نماز میں فرق آتا ہے' خشوع و خضوع متاثر ہوتا ہے بلکہ اکثر دفعہ اس طرح بھی ہوا کہ نماز کے بعد کے اذکار پڑھتے ہوئے سہو ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ اعلان کرنے والے بنتے ہیں۔ کیا مساجد میں اس طرح آواز بلند کرنا کہ نمازیوں کا خشوع و خضوع متاثر ہو' درست ہے۔ اسی طرح لاؤڈ سپیکر کا بے جا استعمال کرنا کیسا ہے؟ (مقصود صاحب' لاہور)

ج مساجد اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾
[الجن ۷۲ : ۱۸]

"اور یقیناً مسجدیں اللہ کے لیے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو"۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مساجد اللہ کی ہیں ان میں اسی کی پکار و عبادت ہونی چاہیے اور اسی کا نام بلند ہونا چاہیے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا :

﴿ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ... ﴾
[النور ۲۴ : ۳۶]

"(اس کے نور کی طرف ہدایت پانے والے) ان گھروں میں پائے جاتے ہیں جنہیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ نے حکم دیا ہے"۔

اس آیت میں مساجد کی تعمیر کا مقصود واضح ہے کہ اس میں اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت ہونی چاہیے اور اس کا نام بلند ہونا چاہیے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی آیا تو وہ مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے ڈانٹنے لگے۔ آپ نے فرمایا : اس پر اس کا پیشاب منقطع نہ کرو' اسے چھوڑ دو۔ جب اس نے پیشاب کر لیا۔ آپ نے اسے بلا کر فرمایا :

((إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَلَا الْقَذَرِ إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ))

[مسلم کتاب الطھارۃ باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات (۲۸۵) المسند المستخرج علی صحیح مسلم (۶۵۴) مسند احمد ۳/۱۹۱ شرح السنۃ ۲/۴۰۰ اخلاق النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لابی الشیخ ص : ۱۷]

"بلاشبہ مساجد پیشاب و گندگی کے لیے نہیں ہوتیں یہ تو صرف اللہ تعالیٰ

کے ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں"۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فِیْهِ صِیَانَةُ الْمَسَاجِدِ وَتَنْزِیْهِهَا عَنِ الْأَقْذَارِ وَالْقَذٰی وَالْبُصَاقِ وَرَفْعِ الْأَصْوَاتِ وَالْخُصُوْمَاتِ وَالْبَیْعِ وَالشِّرَاءِ وَسَائِرِ الْعُقُوْدِ وَمَا فِی مَعْنٰی ذٰلِكَ [شرح مسلم للنووی ۱۶۴/۳]

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کو ہر قسم کی گندگیوں، کوڑا کرکٹ، تھوک، اُونچی آوازوں، جھگڑوں، خرید و فروخت اور تمام اس قسم کے معاملات سے بچانا ضروری ہے"۔

امام نووی کی توضیح سے معلوم ہوا کہ مسجد میں جس طرح خرید و فروخت، کوڑا کرکٹ اور گندگی وغیرہ برقرار رکھنا منع ہے اسی طرح آواز بلند کرنا بھی آداب مسجد کے خلاف ہے۔ اسی طرح وہ حدیث جس میں مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا منع قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا، شور وغیرہ منع ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَمِعَ رَجُلًا یَنْشُدُ ضَالَّةً فِی الْمَسْجِدِ فَلْیَقُلْ : لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَیْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا))

[مسلم کتاب المساجد باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد (۵۶۸) المسند المستخرج علی صحیح مسلم (۱۲۴۰، ۱۲۳۹) ابوداؤد کتاب الصلاة باب فی کراهیة انشاد الضالة فی المسجد (۴۷۳) ابن ماجه کتاب المساجد باب النبی عن انشاد الضوال فی المسجد (۷۶۷) مسند ابوعوانه ۴۰۶/۱ ابن خزیمه (۱۳۰۲) بیهقی ۱۰۲/۱۰، ۴۴۷/۲ مسند احمد ۳۴۹/۲، ۴۲۰]

"جو شخص کسی آدمی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو وہ اسے کہہ دے اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھ پر نہ لوٹائے۔ کیونکہ مسجدیں اس

لیے نہیں بنائی گئیں"۔

مسلم شریف میں دوسری حدیث کے اندر ہے کہ آپ نے فرمایا:

((لَا وَجَدْتَ إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ))

"تو یہ چیز نہ پائے مسجدیں تو محض عبادت اور ذکر و اذکار کے لیے بنائی گئی ہیں"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حدیثوں کی شرح میں فرماتے ہیں:

فِيْ هٰذَيْنِ الْحَدِيْثَيْنِ فَوَائِدُ. مِنْهَا النَّهْيُ عَنْ نَشْدِ الضَّالَّةِ فِي الْمَسْجِدِ وَيَلْحَقُ بِهِ مَا فِي مَعْنَاهُ مِنَ الْبَيْعِ وَالشِّرَآءِ وَالْإِجَارَةِ وَنَحْوِهَا مِنَ الْعُقُوْدِ وَكَرَاهَةِ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسْجِدِ

[شرح مسلم للنووی ۴۶/۵]

"ان دونوں حدیثوں میں کئی ایک فائدے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ گم شدہ چیز کا اعلان کرنا مسجد میں منع ہے۔ اور یہی حکم ہر اس بات میں ہے جو اس معنی میں ہو جیسے خرید و فروخت' اجارہ اور اس جیسے دیگر معاملات اور مسجد میں آواز بلند کرنا بھی مکروہ ہے"۔

کیونکہ جب آدمی مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرے گا تو نمازیوں کی نماز میں اس کے آواز بلند کرنے سے خلل واقع ہو گا اور ان کے خشوع و خضوع اور تذلل و عاجزی میں فرق آئے گا۔ جس بنا پر ایسا اعلان منع ہے تو اسی طرح مسجد میں نمازوں کے بعد چندہ وغیرہ لینے والے افراد کا ایسا اعلان بھی درست نہ ہو گا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو گا۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَفِيْهِ النَّهْيُ عَنْ رَفْعِ الصَّوْتِ بِنَشْدِ الضَّالَّةِ وَمَا فِيْ مَعْنَاهُ مِنَ الْبَيْعِ وَالشِّرَآءِ وَالْإِجَارَةِ وَالْعُقُوْدِ [عون المعبود ۱۷۷/۱]

"اس حدیث میں گم شدہ چیز کے لیے مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت ہے اور اسی طرح ہر وہ مسئلہ جو اس کے معنی میں ہو جیسے خرید و فروخت' اجارہ اور دیگر معاملات"۔

ایسی بلند آوازیں جو نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالتی ہیں' ان کی ممانعت کے بارے میں چند ایک احادیثِ صحیحہ ملاحظہ ہوں :

((عَنِ الْبَيَّاضِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَقَدْ عَلَتْ اَصْوَاتُهُمْ بِالْقِرَأَةِ فَقَالَ : إِنَّ الْمُصَلِّي يُنَاجِيْ رَبَّهُ فَلْيَنْظُرْ بِمَا يُنَاجِيْهِ بِهِ وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ))

[شرح السنه ۸۷/۳ (۶۰۸) مئوطا مالك كتاب الصلاة باب العمل القر ۹۰/۱]

"بیاضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر نکلے اور وہ نماز ادا کر رہے تھے۔ اور قراء ت قرآن کے ساتھ ان کی آوازیں بلند تھیں۔ آپؐ نے فرمایا : یقیناً نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اسے یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ وہ کس سے سرگوشی کر رہا ہے۔ تم ایک دوسرے پر اُونچی آواز میں قرآن نہ پڑھو"۔

امام ابن عبدالبرؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (التمہید ۳۱۹/۲۳) اس حدیث کی شرح میں امام بن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَإِذَا لَمْ يَجُزْ لِلتَّالِي الْمُصَلِّي رَفْعُ صَوْتِهِ لِئَلَّا يَغْلِطَ وَيَخْلِطَ عَلٰى مُصَلٍّ اِلٰى جَنْبِهِ فَالْحَدِيْثُ فِي الْمَسْجِدِ مِمَّا يَخْلِطُ عَلَى الْمُصَلِّي ۔اَوْلٰى بِذٰلِكَ وَاَلْزَمُ وَاَمْنَعُ وَاَحْرَمُ [التمہید ۳۱۹/۲۳]

"جب ایسا نمازی جو تلاوت کر رہا ہو' اس کے لیے آواز بلند کرنا جائز نہیں تاکہ اس کے ساتھ نماز ادا کرنے والے نمازی کی نماز میں غلطی و

اختلاط واقع نہ ہو تو مسجد میں ایسی آوازیں بلند کرنا جو نماز ادا کرنے والے کی نماز میں اختلاط ڈال دے' اس سے زیادہ حرمت و ممانعت کی متقاضی ہے"۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی آوازیں بلند کرنا جو مسجد میں نمازیوں کی نماز خراب کر دے' منع و حرام ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((اِعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَسَمِعَهُمْ يَجْهَرُوْنَ بِالْقِرَاءَةِ فَكَشَفَ السِّتْرَ وَقَالَ : أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا' وَلَا يَرْفَعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ اَوْقَالَ فِي الصَّلَاةِ))

[ابوداؤد كتاب الصلاة باب فى رفع الصوت بالقراءة فى صلاة الليل (۱۳۳۲) التمهيد ۲۳/۳۱۸ ابن خزيمه (۱۱۶۲) عبدالرزاق (۴۲۱۶) مسند احمد ۳/۹۴]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اونچی آواز سے قراءت کرتے ہوئے سنا تو آپ نے پردہ ہٹا کر فرمایا : خبردار تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہے۔ تم ہرگز ایک دوسرے کو تکلیف نہ دو اور نہ ہی ایک دوسرے پر بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرو"۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

((اِعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَاتُّخِذَ لَهُ فِيهِ بَيْتٌ مِنْ سَعَفٍ قَالَ : فَأَخْرَجَ رَأْسَهُ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ : إِنَّ الْمُصَلِّيْ يُنَاجِيْ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ بِمَا يُنَاجِيْ رَبَّهُ وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ))

[مسند احمد ۲/۶۷' ۳۶' ۱۲۹ اس کی سند صحیح ہے فقہ السنۃ ۱/۳۲۱]

"رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا تو آپ کے لئے کھجور کی شاخوں کا گھر بنایا گیا۔ آپ نے ایک دن اپنے خیمہ سے سر نکالا اور فرمایا: بے شک نمازی اپنے رب عزت و جلال والے سے سرگوشی کرتا ہے پس اسے یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ وہ کس سے سرگوشی کر رہا ہے تم ایک دوسرے پر اونچی آواز سے قرآن نہ پڑھو"۔

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اونچی آواز سے قرآن پاک کی تلاوت بھی ممنوع ہے جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو لہٰذا جب قرآن کی بلند آواز سے ایسی تلاوت ممنوع ہے جو نمازیوں کی نماز خراب کرے اور تشویش کا باعث ہو تو چندے وغیرہ کے لیے ایسا اعلان کیسے جائز ہو گا جس سے ذکرو اذکار' تلاوت اور نماز میں خلل واقع ہوتا ہو۔ اور ایسی آواز جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو اور تشویش کا باعث ہو اس پر بڑی سخت وعید بھی بتائی گئی ہے۔ نبی مکرم ﷺ بیت اللہ میں جب نماز ادا فرماتے تو کفار بلند آواز سے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تاکہ آپ دلجمعی و اطمینان سے نماز ادا نہ کر سکیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴾ [انفال ۸ : ۳۵]

"اور ان کی نماز بیت اللہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں مارنا' سو عذاب کا مزہ چکھو جو تم کفر کرتے تھے"۔

امام مجاہد تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَخْلِطُونَ بِذٰلِكَ كُلِّهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ

[تفسیر ابن ابی حاتم ۱۶۹۶/۵ - تفسیر قرطبی ۲۵۴/۷ و تفسیر فتح القدیر ۳۰۷/۲]

"مشرکینِ مکہ سیٹیاں اور تالیاں نبی ﷺ پر آپ کی نماز خلط ملط کرنے کے

لئے بجاتے تھے"۔

علامہ عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ نَحْوَ ذٰلِكَ اِذَا قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلَاتِهٖ يَخْلِطُوْنَ عَلَيْهِ [تفسیر المدارك ۱/۴۷۰]

"مشرکینِ مکہ سیٹیاں اور تالیاں اس وقت بجاتے تھے جب رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں قراءت کرتے تھے تاکہ وہ آپ کی نماز آپ پر خلط ملط کر دیں"۔

قاضی محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَمَعْنَى الْاٰيَةِ : أَنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا يُصَفِّرُوْنَ وَيُصَفِّقُوْنَ عِنْدَ الْبَيْتِ الَّذِيْ هُوَ مَوْضِعٌ لِلصَّلَاةِ وَالْعِبَادَةِ فَوَضَعُوْا ذٰلِكَ مَوْضِعَ الصَّلَاةِ قَاصِدِيْنَ بِهٖ اَنْ يُّشْغِلُوا الْمُصَلِّيْنَ عَنِ الصَّلَاةِ

[تفسیر فتح القدیر ۲/۳۰٦]

"اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ بیت اللہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے جو کہ نماز اور عبادت کی جگہ ہے انہوں نے اس کو سیٹیوں اور تالیوں کی جگہ بنا لیا تھا اور ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ نمازیوں کو نماز سے بے خبر کر دیں تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ نماز ادا نہ کر سکیں"۔

اس آیت کریمہ سے کم از کم یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عبادت کرنے والے کی عبادت میں مخل ہونا مسلمان کا شیوہ نہیں بلکہ کفار کا ہے۔ اور ہر وہ حرکت جو نمازیوں کے لیے نقصان و ضرر کا باعث ہو وہ مسجد میں ناجائز و حرام اور عذاب کا باعث ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ))

[مسند احمد ۵/۳۲۷ ابن ماجه كتاب الاحكام باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره (۲۳۴۰) مؤطا مالك كتاب الاقضيه باب القضاء فى المرفق (۳۱) شیخ البانی حفظہ

اللہ نے اس حدیث کو کثرت طرق کی بنا پر صحیح کہا ہے۔ارواء الغلیل ۴۰۸/۳ (۸۹۶)]

"نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ خود تکلیف میں پڑو"۔

اس حدیث کے عموم سے بھی معلوم ہوا کہ کوئی ایسی حرکت جس سے دوسرے مسلمان بھائی کو تکلیف پہنچے' بجا لانا جائز نہیں۔ چونکہ مساجد میں اعلانات' لاؤڈ سپیکر کا بے جا استعمال ' نمازوں کے بعد فوراً کھڑے ہو کر سفیر حضرات کا چندے کے لیے اپیلیں کرنا نمازیوں کی نماز اور عبادت میں خلل کا باعث بنتی ہیں لہٰذا ان سے مکمل اجتناب کریں۔ نماز سے فارغ ہو کر ساتھیوں سے ملاقات کر کے مساجد و مدارس کے لیے اپیل کریں یا خطبہ جمعہ میں خطیب کے ذریعے اعلان کروا لیں یعنی ایسا طریقہ کار اختیار کر لیں جس سے نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔

مسجد کو نقش و نگار کر کے سجانا

س عصر حاضر میں بہت سی مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ انہیں بیل بوٹوں اور شیشے وغیرہ سے سجایا گیا ہے۔ بالخصوص مساجد کے محراب میں شیشے کے ساتھ نقش و نگاری کی جاتی ہے اور نماز ادا کرتے وقت توجہ ان کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اسی طرح نقش و نگار اور کڑھائی سے مزین جائے نماز بنائے جاتے ہیں۔ ان کی شرعی حیثیت واضح کریں۔ (ابو عبداللہ' قصور)

ج مساجد کا اصل مقصود یہ ہے کہ ان میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر' تلاوت قرآن اور نماز جیسی عبادات سرانجام دی جائیں اور انہی اُمور سے مساجد آباد ہوتی ہیں۔ لیکن آج کل مساجد کی تعمیر میں بناؤ سنگھار' نقش و نگار اور بیل بوٹوں پر زرِ کثیر صرف کیا جا رہا ہے لیکن عبادات کی طرف توجہ کم ہو گئی ہے۔ نمازی حضرات کی تعداد میں کمی اور مساجد و عبادات کی گلکاری اور کشیدہ کاری میں وافر مقدار میں حصہ لیا جا رہا ہے۔ اور یہ علامات قیامت سے ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ

ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ))

[ابوداؤد ابواب المساجد باب في بناء المسجد (۴۴۹) نسائي كتاب المساجد باب المباهاة في المساجد (٦٨٨) ابن ماجه كتاب المساجد باب تشييد المساجد (۷۳۹) شرح السنه ۳۵۰/۲ (۴۶۴) ابن حبان (۳۰۸) دارمي باب في تزويق المساجد ۲٦۸/۱ (۱۴۱۵) مسندُ ابي يعلٰى ۱۸۵/۵ (۲۷۹۸، ۲۷۹۹) مسند احمد ۱۳۴/۳، ۱۵۲، ۲۸۳، ۱۴۵، ۲۳۰ طبراني كبير (۷۵۲) طبراني صغير ۱۱۳/۲ ابن خزيمه (۱۳۲۲، ۱۳۲۳)]

"قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں فخر کریں گے"۔

ابن خزیمہ اور ابی یعلٰی وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ:

((يَأْتِي عَلٰى أُمَّتِيْ زَمَانٌ يَتَبَاهَوْنَ بِالْمَسَاجِدِ ثُمَّ لَا يَعْمُرُوْنَهَا إِلَّا قَلِيْلًا)) [نیز دیکھیں شرح السنۃ ۳۵۱/۲]

"میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ مسجدوں پر فخر کریں گے انہیں بہت تھوڑا ہی آباد کریں گے"۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى

[ابوداؤد (۴۴۸) شرح السنۃ ۳۴۸/۲ نیز بخاری میں تعلیقاً مروی ہے]

"تم مساجد کو ضرور یہود و نصاریٰ کی طرح نقش و نگار کرو گے"۔

اور آج بالکل یہی کیفیت ہے کہ مساجد کو اس قدر منقش کر دیا گیا ہے کہ نمازی کا خشوع و خضوع متاثر ہوتا ہے اور توجہ الی اللہ میں خلل اندازی ہوتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ مساجد کی دیواریں اور محراب سادہ ہوں کیونکہ نبی ﷺ نے دیوار پر لٹکے ہوئے پردے کو صرف اسلئے اُتروا دیا تھا کہ وہ آپ کی نماز سے توجہ ہٹاتا

تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :

((كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا ، فَاِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهُ تَعْرِضُ فِيْ صَلَاتِيْ))

[بخاری كتاب الصلوة باب ان صلى فى ثوب مصلب او تصاوير هل تفسد صلاته (٣٧٤) مسند احمد ١٥١/٣، ٢٨٣]

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا جو انہوں نے اپنے گھر کی دیوار پر لٹکایا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وہ پردہ دیکھ کر) فرمایا : یہ پردہ ہم سے دور کر دو یعنی دیوار سے اتار دو اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے پھرتی رہتی ہیں"۔

علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فِي الْحَدِيْثِ دَلَالَةٌ عَلٰى اِزَالَةِ مَا يُشَوِّشُ عَلَى الْمُصَلِّيْ صَلَاتَهُ مِمَّا فِيْ مَنْزِلِهٖ اَوْ فِيْ مَحَلِّ صَلَاتِهٖ

[سبل السلام ٢٣٧/١ فتح العلام ٢١٣/١]

نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

دریں جا دلیل است بر ازالہ چیزی کہ مصلی را مشوش کند در نماز از انچہ در خانہ یا در محل نماز اوست [مسک الختام ٣٣٩/١]

دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ :

"اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو چیز نمازی کی نماز میں تشویش کا باعث ہو، اسے زائل کر دینا چاہیے۔ وہ چیز اس کے گھر میں ہو یا نماز پڑھنے والی جگہ میں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ :

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ خَمِيْصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ

فَنَظَرَ اِلٰی اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : اِذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِیْ هٰذِهٖ اِلٰی اَبِیْ جَهْمٍ وَاْتُوْنِیْ بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِیْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِیْ آنِفًا عَنْ صَلَاتِیْ)) فی روایة ((كُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰی عَلَمِهَا وَاَنَا فِی الصَّلَاةِ فَاَخَافُ اَنْ تَفْتِنَنِیْ))

[بخاری کتاب الصلاۃ باب اذا صلی فی ثوب له اعلام ونظر الی علمها (۳۷۳) وکتاب الاذان باب الالتفات فی الصلاۃ (۷۵۲) وکتاب اللباس باب الاکسیة والخمائص (۵۸۱۷) مسلم کتاب المساجد باب کراهة الصلاۃ فی ثوب له اعلام (۵۵۶)]

"نبی کریم ﷺ نے ایک اونی چادر میں نماز پڑھی جس میں دھاریاں تھیں۔ آپؐ نے ایک نظر ان دھاریوں کی طرف دیکھا۔ جب نماز سے سلام پھیرا تو فرمایا : میری یہ اونی چادر ابی جہم کو واپس کر دو اور کڑھائی کے بغیر لے کر آؤ۔ اس کڑھائی والی چادر نے ابھی مجھے میری نماز سے غافل کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے۔ میں نماز میں اس کی طرف دیکھنے لگا تو مجھے ڈر لاحق ہوا کہ یہ مجھے فتنے میں ڈال دے گی"۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

فَفِيْهِ الْحَثُّ عَلٰی حُضُوْرِ الْقَلْبِ فِی الصَّلَاةِ وَتَدَبُّرِ مَا ذَكَرْنَاهَا وَمَنْعِ النَّظْرِ مِنَ الْاِمْتِدَادِ اِلٰی مَا يُشْغِلُ وَاِزَالَةُ مَا يُخَافُ اشْتِغَالُ الْقَلْبِ بِهٖ وَكَرَاهِيَةُ تَزْوِيْقِ مِحْرَابِ الْمَسْجِدِ وَحَائِطِهٖ وَنَقْشِهٖ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الشَّاغِلَاتِ لِاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ الْعِلَّةَ فِیْ اِزَالَةِ الْخَمِيْصَةِ هٰذَا الْمَعْنٰی

[شرح مسلم للنووی ۵/ ۳۸]

"اس حدیث میں نماز کے اندر حضور قلب اور ذکر و تلاوت اور مقاصد نماز پر تدبر کرنے میں رغبت دلائی گئی ہے اور جو چیز نماز سے بے خبر کرتی

> ہے اس کی طرف نظر پھیلانے کی ممانعت اور جو چیز نماز سے بے خبر کرتی ہے اس کا ازالہ کرنا اور مسجد کے محراب اور اس کی دیواریوں کو بناؤ سنگھار اور نقش و نگار کرنا اور اس جیسی دیگر بے خبر کرنے والی اشیاء کی کراہت ہے اس لیے کہ نبی ﷺ نے دھاری دار چادر کو زائل کرنے کی یہی علت ذکر کی ہے"۔

ان احادیث صحیحہ اور شارحین حدیث کی تشریحات سے معلوم ہوا کہ مساجد کے در و دیوار اور محراب کو منقش کرنا' شیشے وغیرہ سے مزین کرنا اور ان جیسی دیگر اشیاء مکروہ ہیں جو نماز سے نمازی کی توجہ ہٹاتی ہیں اور خشوع و خضوع اور تذلل و عاجزی میں کمی کرتی ہیں تاہم نماز فاسد نہیں ہو گی کیونکہ نبی ﷺ نے اپنی نماز کا اعادہ نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی نماز کو توڑا تھا جس سے ثابت ہوا کہ نماز تو ہو گئی مگر توجہ بٹ گئی اس لیے بہتر و اولیٰ یہی ہے کہ شیشے اور بیل بوٹے وغیرہ والی جائے نماز یا محراب نہ بنایا جائے کیونکہ یہ اشیاء نماز سے توجہ ہٹاتی ہیں۔

نابالغ بچوں کا مسجد میں آنا

س کیا نابالغ بچے اور بچیاں مسجد میں آ سکتے ہیں صحیح دلائل سے راہنمائی فرمائیں اور یہ بھی واضح کریں کہ جب کبھی یہ بچے مسجد میں شور کریں اور نمازیوں کے لیے لڑائی جھگڑے کا سبب بن جائیں تو پھر کیا حکم ہے؟

(نصر اللہ' لاہور)

ج مساجد میں نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کا آنا شرعاً جائز و مستحب ہے جبکہ وہ پاک و صاف ہوں۔

① ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ أَمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِأَبِي

الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا))

[مؤطا کتاب قصر الصلاة فی السفر باب جامع الصلاة (۸۱) بخاری کتاب الصلاة باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه فی الصلاة (۵۱۶) و کتاب الادب باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته (۵۹۹۶) مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاة باب جواز حمل الصبيان فی الصلاة (۵۴۳) شرح السنه ۲/۲۶۳'۲۶۴ (۷۴۱'۷۴۲) یہی حدیث مفصل طور پر ابوداؤد کتاب الصلاة باب العمل فی الصلاة (۹۲۰) شرح السنہ ۲۶۵/۳ (۷۴۳) وغیرہما میں مروی ہے]

"رسول اللہ ﷺ اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جو کہ ابوالعاص بن ربیعہ کی بیٹی تھیں۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو اسے نیچے رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے"۔

۲ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَجَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَعَلَيْهِمَا قَمِيصَانِ أَحْمَرَانِ يَعْثُرَانِ فِيهِمَا فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَطَعَ كَلَامَهُ فَحَمَلَهُمَا ثُمَّ عَادَ إِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللَّهُ ﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ رَأَيْتُ هَذَيْنِ يَعْثُرَانِ فِي قَمِيصَيْهِمَا فَلَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قَطَعْتُ كَلَامِي فَحَمَلْتُهُمَا))

[نسائی کتاب الجمعه باب نزول الامام عن المنبر قبل فراغه من الخطبة وقطعه كلامه (۱۴۱۳) و کتاب العيدين باب نزول الامام عن المنبر قبل فراغه من الخطبة (۱۵۸۴) ابوداؤد کتاب الصلاة باب الامام يقطع الخطبة للامر يحدث (۱۱۰۹) ترمذی کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین (۳۷۷۴) ابن ماجه کتاب اللباس باب لبس الاحمر للرجال (۳۶۰۰) مسند احمد ۳۵۴/۵ تفسير

طبری ۸۱/۲۸]

"رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اس دوران حسن و حسین رضی اللہ عنہما سرخ قیمیں زیب تن کیے ہوئے گرتے ہوئے آگئے تو رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے اُترے۔ اپنا کلام منقطع کیا پھر ان دونوں کو اٹھا کر منبر پر تشریف لے آئے۔ پھر فرمایا : اللہ تعالیٰ نے سچ کہا "تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں" میں نے ان دونوں بچوں کو گرتے ہوئے قیصوں میں دیکھا تو صبر نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات کو روک کر انہیں اٹھالیا"۔

③ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اِنِّیْ لَاَقُوْمُ فِی الصَّلَاۃِ اُرِیْدُ اَنْ اُطَوِّلَ فِیْھَا فَاَسْمَعُ بُکَآءَ الصَّبِیِّ فَاَتَجَوَّزُ فِی صَلَاتِی کَرَاھِیَةَ اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمِّہٖ))

[بخاری کتاب الاذان باب من اخف الصلاۃ عند بکاء الصبی (۷۰۷) و باب انتظار الناس قیام الامام العالم (۸۶۸) نسائی کتاب الامامة باب ما علی الامام من التخفیف (۸۲۳) ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب تخفیف الصلاۃ للامر (۷۸۹) ابن ماجه کتاب اقامة الصلاۃ باب الامام یخفف الصلاۃ اذا حدث امر (۹۹۱) مسند احمد ۳۰۵/۵]

"میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو ارادہ کرتا ہوں کہ قراءت لمبی کروں۔ پس میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اس کی ماں کو مشقت میں ڈال دوں گا"۔

④ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْمَعُ بُکَآءَ الصَّبِیِّ مَعَ اُمِّہٖ وَھُوَ فِی الصَّلَاۃِ فَیَقْرَءُ بِالسُّوْرَۃِ الْخَفِیْفَةِ اَوْ بِالسُّوْرَۃِ الْقَصِیْرَۃِ))

[صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب امر الائمة بتخفیف الصلاۃ فی تمام

[(۴۷۰) ترمذی ابواب الصلاۃ (۳۷۶) مسند احمد ۱۰۹/۳، ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۸۲، ۲۰۵]

"نماز کی حالت میں رسول اللہ ﷺ بچے کی اپنی ماں کے ساتھ رونے کی آواز سنتے تو چھوٹی سورۃ کی تلاوت کرتے"۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ بچوں کو مسجد میں لانا جائز ہے لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ بچے صاف ستھرے ہوں مسجد میں گندگی و ناپاکی نہ پھیلے۔ امام نووی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت رقمطراز ہیں:

وَفِيْهِ جَوَازُ صَلاَةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ وَأَنَّ الصَّبِيَّ يَجُوْزُ اِدْخَالُهُ الْمَسْجِدَ وَاِنْ كَانَ الْاَوْلٰى تَنْزِيْهُ الْمَسْجِدِ عَمَّنْ لَا يُؤْمَنُ مِنْهُ حَدَثٌ [شرح مسلم للنووی ۱۵۶/۴]

"اس حدیث میں مسجد کے اندر مردوں کے ہمراہ عورتوں کے نماز پڑھنے کا جواز ہے اور اسی طرح بچوں کو مسجد میں لانا بھی جائز ہے۔ اگرچہ جس کی ناپاکی سے بچا نہیں جا سکتا اس سے مسجد کو بچانا اولیٰ ہے"۔

اور وہ روایت درست نہیں جس میں آتا ہے:

((جَنِّبُوْا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ))

[حاشیہ شرح السنۃ ۲۶۵/۳ کشف الخفاء ومزیل الالباس ۳۳۴/۱ المقاصد الحسنۃ ص ۱۷۵ الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص: ۲۵ تحقیق مختصر المقاصد ص: ۱۰۸]

"اپنی مسجدوں کو بچوں سے بچاؤ"۔

حافظ عراقی، حافظ ابن حجر، امام ابن جوزی رحمہم اللہ وغیرہ نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے، امام بزار اور امام عبدالحق الاشبیلی رحمہما اللہ نے کہا "لَا اَصْلَ لَهُ" اس کی کوئی اصل نہیں۔

یاد رہے کہ اگر بچے مسجد میں شور و غوغا کریں، نمازیوں کے لیے تشویش کا باعث بنیں تو ایسی صورت میں بچوں کو مسجد میں لانے سے اجتناب بھی کیا جا سکتا

ہے کیونکہ چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانا جائز تو ہے لیکن واجب نہیں اور امر جواز پر اصرار کرنا درست نہیں بالخصوص جب مسجد میں بچوں کی بنا پر جھگڑا و فساد وغیرہ کھڑا ہو تو جواز پر اصرار کرنا مکروہ ہو گا۔ اس کی مثال یہ سمجھ لیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں ایک باب یوں منعقد کیا ہے "باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال" یعنی نماز پوری کر کے دائیں اور بائیں جانب پلٹنے کا بیان۔ پھر اس میں ذکر کرتے ہیں کہ

وَكَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَنْفَتِلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ وَيَعِيْبُ عَلٰى مَنْ يَتَوَنّٰى اَوْمَنْ يَعْمِدُ الْاِنْفِتَالَ عَنْ يَمِيْنِهٖ

"اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ دائیں اور بائیں دونوں جانب پھر کر بیٹھتے تھے اور جو آدمی جان بوجھ کر دائیں جانب پھر کر بیٹھتا اس پر اعتراض کرتے تھے"۔

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث درج کی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

لَا يَجْعَلْ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهٖ يَرٰى اَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهٖ [بخاری (۸۵۲)]

"تم میں سے کوئی آدمی اپنی نماز میں سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے کہ خواہ مخواہ یہ سمجھے کہ نماز سے پھر کر دائیں طرف بیٹھنا ہی لازم ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ دیکھا کہ آپ بائیں جانب پھرتے تھے"۔

اس باب اور حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے سلام پھیر کر دائیں اور بائیں دونوں جانب پھرنا درست و جائز ہے لیکن اگر اس جائز کام کو کوئی شخص لازم جان لے اور صرف ایک طرف ہی پھرنے پر اصرار کرے تو یہ شیطان کی کارستانی ہے جو

کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے واضح ہے۔ شارح بخاری امام ابن المنیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِیْهِ اَنَّ الْمَنْدُوْبَاتِ قَدْ تَتَقَلَّبُ مَكْرُوْهَاتٍ اِذَا رُفِعَتْ عَنْ رُتْبَتِهَا لِاَنَّ التَّيَامُنَ مُسْتَحَبٌّ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ اَيْ مِنْ اُمُوْرِ الْعِبَادَةِ لٰكِنْ لَمَّا خَشِيَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَنْ يَعْتَقِدُوْا وُجُوْبَهُ اَشَارَ اِلٰى كَرَاهَتِهِ

[فتح الباری ۳۳۸/۲' ارشاد الساری ۱۴۵/۲' مرعاۃ المفاتیح ۳۰۱/۳]

"اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلاشبہ مباح اُمور اس وقت مکروہ ہو جاتے ہیں جب انہیں ان کے مقام سے بلند کر دیا جائے اس لیے کہ عبادت کے تمام اُمور میں دائیں جانب کا لحاظ کرنا مستحب ہے لیکن جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس بات کا خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں لوگ دائیں طرف پھرنے کو واجب سمجھنے لگے ہیں تو انہوں نے اس کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا"۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيْهِ اَنَّ مَنْ اَصَرَّ عَلٰى اَمْرٍ مَنْدُوْبٍ وَجَعَلَهُ عَزْمًا وَلَمْ يَعْمَلْ بِالرُّخْصَةِ فَقَدْ اَصَابَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْاِضْلَالِ فَكَيْفَ بِمَنْ اَصَرَّ عَلٰى بِدْعَةٍ اَوْ مُنْكَرٍ

[شرح الطیبی علی مشکوۃ المصابیح ۱۰۵۱/۳ مرعاۃ المفاتیح ۳۰۱/۳ مرقاۃ المفاتیح ۳۱/۳]

"اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو آدمی کسی مندوب و مباح کام پر اصرار کرے اور اسے لازم قرار دے لے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو اسے شیطان نے گمراہ کر دیا ہے جب مباح و جائز کام پر اصرار کا یہ حال ہے تو جو شخص کسی بدعت یا منکر پر اصرار کرے اس کا نتیجہ کیسا ہو گا"۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ صریحہ کا خلاصہ یہ ہے کہ نابالغ بچوں کا مسجد میں آنا جائز و درست ہے لیکن اگر یہ بچے نمازیوں کی نماز میں خلل اور مسجد میں فتنے و فساد کا باعث بن جائیں تو انہیں مسجد میں لانے سے گریز کیا جا سکتا ہے۔

کیا تحیۃ المسجد ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے؟

س ہمارے درمیان آج کل یہ مسئلہ کافی اختلافی شکل اختیار کر گیا ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھنا لازمی ہے یا کہ نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اوقات نہی میں انہیں ادا نہ کیا جائے جیسا کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت بعض کہتے ہیں کہ اسے ہر وقت پڑھ سکتے ہیں۔ آپ قرآن و سنت کی رو سے ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں۔ (محمد اسلم' کھیوڑہ)

ج اس مسئلہ میں ہمارے نزدیک صحیح ترین بات یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کسی وقت بھی ادا کر سکتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم عام ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو قتادہ السلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ))

[موطا ۱/۱۶۲ بخاری ۱/ ۷ ۴۴ مسلم (۷۱۴) ترمذی (۳۱۶) شرح السنہ ۲/ ۳۶۵]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے قبل دو رکعتیں ادا کرے"۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ:

((دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ النَّاسِ قَالَ فَجَلَسْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَرْكَعَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ

تَجْلِسَ قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْتُكَ جَالِسًا وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ قَالَ فَإِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى يَرْكَعَ رَكْعَتَيْنِ))

[صحیح مسلم ۱/۲۴۸ مسند احمد ۵/۳۰۵ (۲۲۰۹۵)]

"میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے میں بھی جا کر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تجھے بیٹھنے سے قبل دو رکعتیں پڑھنے میں کیا چیز مانع ہوئی؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے آپ کو اور لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا: جب بھی تم میں سے کوئی شخص داخل ہو تو اتنی دیر تک نہ بیٹھے یہاں تک کہ دو رکعتیں ادا کر لے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان دو رکعتوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ جب دو رکعتیں پڑھے بغیر بیٹھ گئے تو آپ نے دو رکعتیں نہ پڑھنے کی وجہ پوچھی۔ پھر عام حکم دیا کہ مسجد میں داخل ہونے والا شخص دو رکعتوں کی ادائیگی کے بغیر نہ بیٹھے۔

ان دو رکعتوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جمعہ والے دن دوران خطبہ کسی شخص کو بولنے کی اجازت نہیں جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ لَغَوْتَ))

[مؤطا ۱/۱۰۳ مسلم (۸۵۱) بخاری مع فتح ۲/۴۱۴ شرح السنہ ۴/۲۵۸]

"جب تم نے جمعہ والے دن امام کے خطبہ کے دوران اپنے ساتھی سے کہا چپ ہو جاؤ تو تم نے بیکار بات کی"۔

لیکن دورانِ خطبہ اگر کوئی شخص بغیر دو رکعت ادا کئے بیٹھے تو اسے بھی اس

دوران دو رکعت ادا کرنے کا حکم ہے جیسا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((دَخَلَ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ الْمَسْجِدَ وَالنَّبِیُّ یَخْطُبُ فَقَالَ لَهُ اَصَلَّیْتَ؟ فَقَالَ لَا، قَالَ: فَصَلِّ رَکْعَتَیْنِ))

[بخاری ۳۴۲/۲ مسلم (۸۷۵) احمد ۲۹۷/۳، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۸۹ ترمذی (۵۱۰)]

"ایک آدمی جمعہ والے دن مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے اس سے کہا کہ کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا، دو رکعتیں ادا کرو"۔

اور صحیح مسلم (۸۷۵) میں ہے کہ سلیک غطفانی جمعہ والے دن اس وقت مسجد میں آئے جب آپ خطبہ دے رہے تھے تو وہ بیٹھ گئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب بھی تم میں سے کوئی شخص جمعہ والے دن مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعتیں ہلکی سی ادا کرلے، پھر بیٹھے۔

ان احادیثِ صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو اسے دو رکعتیں پڑھے بغیر بیٹھنا نہیں چاہیے۔

یہ دو رکعت اس لیے بھی پڑھنا ضروری ہے کہ یہ سبب والی نمازوں میں سے ہے جیسا کہ طواف کی نماز، سورج گرہن کی نماز، ایسی تمام نمازیں ممنوعہ اوقات میں بھی ادا کی جاسکتی ہیں جیسا کہ آپ نے نمازِ کسوف کے متعلق فرمایا:

((إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ))

"بے شک سورج اور چاند اللہ کی آیات میں سے دو آیتیں ہیں"۔

راستہ میں رکاوٹ بننے والے مسجد کے محراب کا حکم

نقشے کے مطابق کسی سڑک یا گلی کی حدود میں مسجد کا محراب یا کوئی
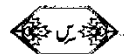
اور حصہ تعمیر کے وقت بڑھا دیا جائے جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو تو اسے گرایا یا شہید کیا جا سکتا ہے؟... یا یہ کہ مسجد کی تعمیر تو اپنی حدود میں ہی ہے مگر بعد میں سڑک یا گلی کو کشادہ کرنے کی ضرورت پیش آ گئی تو اب ایسی صورت میں مسجد کا کچھ حصہ شہید کیا جا سکتا ہے یا پوری مسجد ہی کہیں اور منتقل کر دی جائے۔

(طلبہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور)

ج جو چیز وقف کر دی جائے اسے ہبہ کرنا' فروخت کرنا یا کسی اپنی شخصی ضرورت کے لیے استعمال کرنا درست نہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے:

((فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهُ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْرَثُ وَلَا يُوْهَبُ))

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خیبر والی زمین کو وقف کر دیا تھا۔ اس حدیث میں یہ بات ہے کہ اس زمین کا اصل نہ فروخت کیا جا سکتا ہے' نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ مسجد بھی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں:

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾

[الجن : ۱۸]

"اور مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں (اس کی عبادت کے لئے) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو"۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسجدیں بنانے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ وَاَنْ تُنَظَّفَ وَيُطَيَّبَ))

[ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ وقال البانی اسنادہ صحیح]

" رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ان کو صاف ستھرا اور خوشبودار رکھا جائے"۔

مسجد کو گرانا آپ کے حکم کے خلاف ہے۔ اس لیے مسجد کو بلاوجہ گرانا یا کسی شخص کا صرف اپنے تصرف میں لے آنا اور اس کی فروخت وغیرہ کرنا درست نہیں۔ ہاں! اگر مسجد ایسی جگہ پر ہے جہاں لوگ اس سے مستفید نہیں ہو سکتے یا وہ کہیں راستے میں ہے' جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے یا کسی اور مصلحت کے لیے مسجد ایک جگہ سے ختم کر کے دوسری جگہ تعمیر کرنا درست ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ کوفہ میں بیت مال المسلمین کو نقب لگا کر کسی نے چوری کر لی۔ نقب لگانے والا بھی پکڑا گیا۔ اس وقت بیت المال کے نگران عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا تو انہوں نے جواب دیا : ((أَنْ انقُلِ الْمَسْجِدَ وَصَيِّرْ بَيْتَ الْمَالِ فِي قِبْلَتِهِ)) کہ مسجد کو یہاں سے اس طرح منتقل کر لو کہ بیت المال مسجد کے قبلہ میں آ جائے۔ اور مسجد میں کوئی نہ کوئی نمازی تو ضرور ہوتا ہے (اس سے بیت المال محفوظ ہو جائے گا) تو سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے مسجد وہاں سے ختم کر کے کھجوروں کی منڈی میں بنا دی اور منڈی کو مسجد والی جگہ منتقل کر دیا۔ بیت المال بھی مسجد کے قبلہ میں بن گیا۔

(فتاویٰ ابنِ تیمیہؒ)

یہ سب کچھ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہو رہا تھا کسی نے بھی اس سے نہ روکا۔ اگر یہ کام درست نہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کا ضرور انکار کرتے۔

ایک اور بھی دلیل ہے کہ جس سے اہل علم استدلال کرتے ہیں اور وہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا :

((لَوْ لَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثُوْا عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ

وَلَصَقْتُهَا بِالْأَرْضِ وَلَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ ...)) [الحدیث]

"اگر تیری قوم میں نئے نئے مسلمان نہ ہوتے تو میں کعبہ کی عمارت توڑ دیتا اور اس کو زمین سے ملا دیتا (یعنی دروازہ اونچا نہ رہتا) اور اس کے دروازے بنا دیتا ایک اندر جانے اور دوسرا نکلنے کے لئے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف کی عمارت وغیرہ کو تبدیل کرنا جائز ہے۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ یہ اظہار نہ کرتے اور مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا یہ بھی تبدیلی کی ایک قسم ہے لہٰذا جائز ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب مصلحت اس کا تقاضا کرتی ہو اور کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے متعلق اپنی خواہش کے اظہار کے باوجود فتنے سے بچنے کے لیے ایسا نہ کیا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی گئی ہو' وہ بھی وقف ہو جاتی ہے۔ اس کو تبدیل کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ثابت ہے۔ مثلاً ایک شخص نذر مانتا ہے کہ میں اپنے گھر کو مسجد بناؤں گا پھر وہ اس سے زیادہ اچھی جگہ پر مسجد بنوا دیتا ہے تو یہ درست ہے۔ دلیل اس کی مسند احمد اور سنن ابی داؤد کی حدیث ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص فتح مکہ کے موقع پر کھڑا ہوا اور کہا : اے اللہ کے رسولؐ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کر دیا تو میں بیت المقدس جا کر نماز پڑھوں گا۔ آپؐ نے اسے کہا : صَلِّ هٰهُنَا یہیں مسجد نبوی میں پڑھ لے' اس نے پھر وہی بات کی۔ نبی کریم ﷺ نے اسے پھر یہی جواب دیا۔ اُس نے تیسری مرتبہ پھر دہرائی تو آپؐ نے فرمایا : فشانك اذا پھر جس طرح مرضی کر۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں :

((وَالَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ لَوْ صَلَّیْتَ هٰهُنَا لَاَجْزَأَ عَنْكَ صَلٰوةً فِیْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ)) [ابوداؤد واحمد]

"نبی کریم ﷺ نے اس کو بیت المقدس کی بجائے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کا کہا اور کہا کہ اگر یہاں پڑھتا تو یہ تجھے بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے افضل ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس کو افضل کی طرف رہنمائی کر دی"۔

باقی رہا محراب کا مسئلہ تو محراب نہ تو مسجد کا جزء ہے' نہ مسجد کے لیے ضروری ہے اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہوتے تھے۔ اگر کسی مسجد کا محراب راستہ میں بنایا گیا ہے تو اسے دور کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(از ع - ع مجلۃ الدعوۃ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

کتاب

الجنائز

خودکشی کرنے والے کا جنازہ

س: آج کل نوجوان نسل خودکشی (Sucide) کی طرف بہت زیادہ مائل ہے۔ ذرا گھر والوں نے ڈانٹا تو موت کو گلے لگا لیا جو مرد یا عورت خودکشی کرے' کیا اس کا جنازہ جائز ہے اور اس کو دفن کیسے اور کہاں کریں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (ابو طیب خالد سجانوی' حافظ آباد)

ج: جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی بیمار ہو گیا۔ اس پر چیخ و پکار کی گئی۔ اس کا پڑوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ وہ مر گیا ہے۔ آپؐ نے کہا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا۔ اس نے کہا میں نے اسے دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نہیں مرا۔ وہ آدمی واپس لوٹا تو اس آدمی پر چیخ و پکار کی جا رہی تھی' اس نے آ کر آپؐ کو بتایا کہ وہ مر گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ نہیں مرا۔ وہ پھر واپس لوٹا تو اس پر چیخ و پکار کی جا رہی تھی۔ اس آدمی کی بیوی نے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر انہیں خبر دے تو اس آدمی نے کہا اے اللہ اس پر لعنت کر۔ پھر وہ آدمی اندر گیا۔ اس نے جا کر دیکھا کہ اس نے اپنے نیزے کے پھل کے ساتھ اپنا گلا کاٹ لیا ہے پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپؐ کو خبر دی کہ وہ اب مر گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تجھے کیسے معلوم ہوا اُس نے کہا میں نے اسے دیکھا ہے کہ اس نے اپنے تیر کے پھل کے ساتھ اپنا گلا کاٹ لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "لَا اُصَلِّي عَلَيْهِ" میں اس پر جنازہ نہیں پڑھوں گا۔

[ابوداؤد (۳۱۸۵) واللفظ له مسلم كتاب الجنائز باب ترك الصلاة على

القاتل نفسه (۹۷۸ مختصرًا) نسائي ۱/۱۷۹ ترمذی ۲/۱۶۱ ابن ماجه ۱/۴۸۸ (۱۵۳۶) حاکم ۱/۳۶۴ بیهقی ۴/۱۹ مسند طیالسی (۷۷۹) مسند احمد ۵/۸۷، ۹۱، ۹۲، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود کشی کرنے والے پر آپؐ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "کتاب الجنائز" ص ۶۱، ۶۲ میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث اور اس سے قبل ایک خائن آدمی کا جنازہ پڑھنے کی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق بدکار مسلمان کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھنی چاہیے چنانچہ یہی مذہب حضرت عمر بن عبدالعزیز اور اوزاعی وغیرہما کا ہے مگر امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ فاسق کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بذاتہ نماز نہیں پڑھی تھی لوگوں کی عبرت و تنبیہ کے لیے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے پڑھی تھی۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نسائی کی روایت میں ہے کہ "لیکن میں اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھوں گا"۔

رہا اس کو دفن کرنے کا معاملہ تو اسے قبرستان میں ہی دفن کر دیں۔ واللہ اعلم

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ بہرکیف مسلم معاشرے کے ممتاز صاحب علم و بصیرت افراد ایسے لوگوں کا جنازہ نہ پڑھائیں۔ البتہ عوام الناس اس کا جنازہ پڑھ لیں کیونکہ مرنے والا مسلمان آدمی ہے۔ جب قوم کے ممتاز افراد ایسے لوگوں کا جنازہ نہیں پڑھائیں گے تو اس طرح ایسے فاسق اور بے عمل افراد کو تنبیہ ہو گی اور برائی کی حوصلہ افزائی نہ ہو گی۔ (مجلۃ الدعوۃ جون ۱۹۹۷ء)

مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنا

س: کیا مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنا درست ہے؟ جناز گاہ میں نمازِ جنازہ ادا کرنے کی بنسبت مسجد میں زیادہ فضیلت ہے یا نہیں۔ علاوہ ازیں قبر پر نمازِ جنازہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (عبداللہ' منڈی بہاؤ الدین)

ج: نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کرنا جائز و درست ہے اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

① سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((لَمَّا تُوُفِّيَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَاصٍ اَرْسَلَ اَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّمُرُّوا بِجَنَازَتِهِ فِي الْمَسْجِدِ فَيُصَلِّيْنَ عَلَيْهِ فَفَعَلُوا فَوُقِفَ بِهِ عَلٰى حُجَرِهِنَّ يُصَلِّيْنَ عَلَيْهِ اُخْرِجَ بِهِ مِنْ بَابِ الْجَنَائِزِ الَّذِيْ كَانَ اِلَى الْمَقَاعِدِ فَبَلَغَهُنَّ اَنَّ النَّاسَ عَابُوا ذٰلِكَ وَقَالُوْا : مَا كَانَتِ الْجَنَائِزِ يُدْخَلُ بِهَا الْمَسْجِدَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَقَالَتْ : مَا اَسْرَعُ النَّاسَ اِلٰى اَنْ يَّعِيْبُوا مَا لَا عِلْمَ لَهُمْ بِهِ عَابُوا عَلَيْنَا اَنْ يَّمَرَّ بِجَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ وَمَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى سُهَيْلِ بْنِ بَيْضَاءَ اِلَّا فِي جَوْفِ الْمَسْجِدِ))

[مسلم کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد (۹۹-۹۷۳) مع شرح النووی ۷/۳۳ موطا ۱/۱۱۹ مسند احمد ۶/۷۹' ۱۳۳' ۱۶۹' ۲۶۱ ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد (۳۱۹۰) ترمذی کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصلاۃ علی المیت فی المسجد (۱۰۳۵) نسائی کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد ۴/۶۸ (۱۹۶۶' ۱۹۶۷) ابنِ ماجہ کتاب

الجنائز باب ما جاء في الصلاة علی الجنائز في المسجد ۴۸۶/۱ (۱۵۱۸) شرح معانی الاثار ۳۳۰/۱ بیهقی ۵۱/۴ الاوسط لابن منذر ۴۱۶/۵ عبدالرزاق ۵۲۶/۳ (۶۵۷۸) شرح السنة ۳۵۰/۵'۳۵۱ (۱۴۹۱'۱۴۹۲) ابن ابی شیبه ۴۴/۳ (۱۱۹۷۰)]

"جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لائیں تاکہ وہ بھی ان پر نمازِ جنازہ پڑھ لیں۔ سو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کے پاس جنازہ رکھا گیا کہ وہ بھی نماز پڑھ لیں اور جنازہ کو باب الجنائز سے جو مقاعد کی طرف تھا' نکالا گیا۔ ازواج کو یہ بات پہنچی کہ لوگوں نے اس پر نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے کہ جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے۔ یہ بات عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ جلدی عیب لگانے لگ جاتے ہیں جس بات کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ انہوں نے ہم پر عیب لگایا کہ جنازہ مسجد میں لایا گیا ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد میں ہی ادا کیا تھا"۔

نیز ابوداؤد مسلم اور بیہقی میں سہیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے بھائی سہل رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل اور ان کے بھائی سہل رضی اللہ عنہما کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھائی۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ ابوداؤد کی شرح عون المعبود میں رقمطراز ہیں:

هٰذَانِ الْحَدِيْثَانِ يَدُلَّانِ عَلٰى مَشْرُوْعِيَّةِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ الْحَافِظُ فِي الْفَتْحِ وَبِهٖ قَالَ الْجَمْهُوْرُ

[عون المعبود ۱۸۲/۳]

"یہ دونوں حدیثیں مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں

فرماتے ہیں۔ یہی قول جمہور ائمہ محدثین رحمہم اللہ کا ہے۔

(نیز ملاحظہ ہو فتح الباری ۱۹۹/۳)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَفِي هٰذَا الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ لِلشَّافِعِيِّ وَالْاَكْثَرِيْنَ فِي جَوَازِ الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ وَمِمَّنْ قَالَ بِهٖ اَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ

[شرح نووی للمسلم ۳۴/۷]

"اس حدیث میں امام شافعی اور اکثر فقہاء و محدثین کی دلیل ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنا جائز ہے اور یہی قول امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا ہے"۔

علامہ عبیداللہ الرحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَالْحَدِيْثُ يَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ إِدْخَالُ الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ وَالصَّلَاةُ عَلَيْهِ فِيْهِ وَبِهٖ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ وَالْجَمْهُوْرُ

[مرعاة المفاتیح ۳۸۶/۵' ۳۸۷ نیز دیکھیں تحفة الاحوذی ۱۳۶/۲]

"مذکورہ حدیث میت کو مسجد میں داخل کرنے اور اس پر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہے اور یہی قول امام شافعی' امام احمد' امام اسحٰق بن راہویہ اور جمہور فقہاء محدثین رحمہم اللہ کا ہے"۔

(۲) عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"مَا صُلِّيَ عَلٰى أَبِيْ بَكْرٍ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ"

[ابن ابی شیبہ ۳۴/۳ (۱۱۹۶۷) مصنف عبدالرزاق ۵۲۶/۳ (۶۵۷۶) شرح السنہ ۳۵۱/۵ الاوسط لابن منذر ۳۱۵/۵ الاقناع ۱۶۰/۱ ابنِ سعد ۲۰۶/۳' ۲۰۷ بیہقی کتاب الجنائز ۵۲/۴]

"ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جنازہ مسجد میں ہی پڑھا گیا"۔

③ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

صُلِّيَ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي الْمَسْجِدِ

[مؤطا مالك كتاب الجنائز باب الصلاة على الجنائز فِي الْمَسْجِدِ ۱/۱۹۹ ابنِ ابى شيبه كتاب الجنائز ۴۴/۳ (۱۱۹۶۹) عبدالرزاق ۵۲۶/۳ (۶۵۷۷) الاوسط لابنِ منذر ۴۱۵/۵ بيهقى ۵۲/۴ طحاوى ۴۹۲/۱ شرح السنة ۳۵۱/۵ الاقناع لابن منذر ۱۶۰/۱]

"عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کی گئی"۔

بیہقی اور فتح الباری ۱۹۹/۳ وغیرہما میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنا صحیح و درست ہے بلکہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کیونکہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے جنازہ میں ہزاروں انصار و مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کی کسی نے بھی انکار نہیں کیا اور ان کے جنازے مسجد میں ادا کیے گئے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے جنازے کی ادائیگی کا مسجد میں ذکر کر کے فرماتے ہیں : وَهٰذَا يَقْتَضِي الْاِجْمَاعَ عَلٰى جَوَازِ ذٰلِكَ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خلفاء کے مسجد میں جنازے ادا کرنے کا عمل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسجد میں جنازہ ادا کرنا اجماعی طور پر جائز ہے۔

بعض ائمہ نے مساجد میں جنازہ ادا کرنا مکروہ قرار دیا ہے جس کی دلیل یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ))

[ابو داؤد كتاب الجنائز باب الصلاة على الجنازة في المسجد (۳۱۹۱) ابنِ

ماجه (۱۵۱۷) عبدالرزاق ۳/ ۵۲۷ ابنِ ابی شیبه ۳/ ۴۴ (۱۱۹۷۲) کتاب المجروحین لابن حبان ۱/ ۳۶۶ الکامل لابن عدی ۴/ ۱۳۷۳ بیهقی ۴/ ۵۲ حلیة الاولیاء ۷/ ۹۳ مسند طیالسی ۱/ ۱۶۵]

"جس نے مسجد میں جنازہ پڑھا اس پر کوئی چیز نہیں"۔

بعض روایتوں میں فلا شیء له ہے یعنی اس کے لیے کچھ نہیں۔

ج: اوّلاً : اس روایت کو امام احمد بن حنبل، امام ابنِ حبان، امام ابن عدی، امام بیہقی، امام خطابی، امام ابنِ المنذر، امام نووی، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرھم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ مرعاۃ المفاتیح ۵/ ۳۷۲، شرح السنۃ ۵/ ۳۵۲ شرح مسلم للنووی ۷/ ۳۴ اس کی سند میں صالح بن نبھان مولی التوءمہ کا تفرد ہے اگرچہ صدوق ہے مگر اسے آخر میں اختلاط ہو گیا تھا۔ یہ روایت اس سے ابنِ ابی ذئب نے بیان کی ہے اور اسکے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا سماع صالح سے اختلاط سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ امام ابنِ معین رحمہ اللہ نے فرمایا : اس سے ابنِ ابی ذئب نے بڑھاپے کے سبب عقل فاسد ہونے سے پہلے سنا ہے۔ یہی بات امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ امام جوزجانی رحمہ اللہ نے فرمایا : آخر عمر میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور ابنِ ابی ذئب کی روایت اس سے مقبول ہے اور اس کا سماع قدیم ہے۔ امام ابنِ عدی نے فرمایا : جب اس سے قدیم شاگرد ابنِ جریج اور ابنِ ابی ذئب جیسے روایت کریں تو کوئی حرج نہیں۔

امام ترمذی نے از امام بخاری از امام احمد بن حنبل نقل کیا ہے : ابن ابی ذئب نے صالح سے آخر عمر میں سنا ہے اور اس سے منکر روایت بیان کی ہے۔ ابنِ عدی نے یہ روایت اس کی منکرات میں شمار کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ابن ابی ذئب نے صالح سے قبل از اختلاط اور بعد از اختلاط سماع کیا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس نے یہ روایت اس سے اختلاط سے پہلے سنی ہے یا بعد میں۔ امام ابنِ حبان نے فرمایا : اسکی

آخری روایت قدیم روایت سے خلط ملط ہو گئی ہے اور امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ واجب الترک ہے۔ اس بنا پر یہ روایت قابل حجت نہیں۔

[ملاحظہ ہو مرعاۃ المفاتیح ۵/۳۷۲، ۳۷۳ الکامل لابن عدی ۴/۱۷۴ کتاب المجروحین ۱/۳۶۶ نصب الرایہ ۱/۳۵۷، ۳۸۹ ۲/۲۷۵، ۲۷۶ تاریخ یحییٰ بن معین ۲/۲۶۶ بیہقی ۴/۵۲، ۱/۳۰۳]

ثانیاً : سنن ابی داؤد کے محقق و مسموع اور مشہور نسخوں میں ((مَنْ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ فِی الْمَسْجِدَ فَلَا شَیْ ءَ عَلَیْہِ)) کے الفاظ ہیں یعنی جس نے مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کی اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس صورت میں مخالفین کی یہ دلیل نہیں بن سکتی۔

ثالثاً : اگر یہ روایت "فَلَا شَیْ ءَ لَہٗ" کے الفاظ کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس کی تاویل "فَلَا شَیْ ءَ عَلَیْہِ" کے ساتھ واجب ہے تاکہ دونوں احادیث کو جمع کر لیا جائے اور تضاد و تعارض نہ رہے۔ اور لہ کبھی علیہ کے معنیٰ میں استعمال ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَھَا ﴾ [بنی اسرائیل : ۷]

"اگر تم نے برائی کی تو اپنے ہی نفس کے خلاف کی"۔

(شرح مسلم للنووی وغیرہ ۷/۳۴، ۳۵)

رابعاً : اگر ثابت ہو جائے تو یہ روایت اس آدمی کے حق میں اجر کی کمی پر محمول ہے جس نے مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کی پھر قبرستان میں ساتھ نہ گیا بلکہ وہاں سے ہی واپس پلٹ آیا۔ کیونکہ میت کا جنازہ پڑھنا اور اس کو دفن کرنا دو قیراط کے برابر اجر رکھتا ہے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((مَنْ تَبِعَ جَنَازَۃَ مُسْلِمٍ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَ کَانَ مَعَہٗ حَتّٰی یُصَلّٰی

عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ))

[مشکوۃ المصابیح کتاب الجنائز باب المشی بالجنازۃ والصلاۃ علیھا (۱۶۵۱) بخاری (۱۳۲۵) کتاب الجنائز باب من انتظر حتی تدفن- مسلم کتاب الجنائز باب فضل الصلاۃ علی الجنازۃ واتباعھا (۹۴۵)]

"جو آدمی کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے ایمان اور ثواب سمجھ کر گیا اور وہ اس پر جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے کے وقت تک ساتھ رہا- وہ دو قیراط اجر لے کر لوٹتا ہے- ہر قیراط اُحد پہاڑ کی مثل ہے اور جو جنازہ پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے واپس لوٹ گیا' وہ ایک قیراط کے ساتھ لوٹتا ہے"-

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ زیادہ قدم چل کر جانے پر بھی ثواب ہے اس لحاظ سے کہ مسجد میں جنازہ پڑھنے والا جنازہ گاہ میں جنازہ پڑھنے والے کی نسبت سے منقوص الاجر ہے- (معالم السنن ۴/۳۲۵)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا ضَعِيْفُ الْأَسْنَادِ وَيُعَدُّ مِنْ أَفْرَادِ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ وَإِنْ ثَبَتَ فَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ مِنْهُ نُقْصَانَ الْأَجْرِ' لِأَنَّ الْغَالِبَ أَنَّهُ إِذَا صَلَّى فِي الْمَسْجِدِ يَنْصَرِفُ فَلَا يَشْهَدُ دَفْنَهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا فِي الصَّحْرَاءِ بِحَضْرَةِ الْقُبُوْرِ يَشْهَدُ دَفْنَهُ فَيَسْتَكْمِلُ أَجْرَ الْقِيْرَاطَيْنِ [شرح السنه ۵/۳۵۲]

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ((فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ أَوَّلَهُ)) **ضعیف الاسناد** ہے- اور یہ صالح مولی التوأمہ کے تفردات میں سے شمار کی جاتی ہے اور اگر یہ ثابت

ہو بھی جائے تو اس بات پر محمول ہے کہ اس سے مُراد اَجر کی کمی ہے اس لیے کہ اکثر اوقات ایسے ہی ہوتا ہے کہ آدمی جب مسجد میں جنازہ پڑھ لیتا ہے تو میّت کے دفن میں حاضر نہیں ہوتا اور جو آدمی صحراء میں قبروں کی موجودگی میں جنازہ پڑھتا ہے تو وہ دفن میں شریک ہو کر دو قیراط اَجر مکمل کر لیتا ہے۔

خامساً: اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنے کی وجہ سے زائد اَجر نہیں ملتا جیسا کہ فرض نماز مسجد میں ادا کرنے کی وجہ سے گھر کی نسبت بہت زیادہ اَجر ہے لیکن نمازِ جنازہ کا اصل اَجر باقی ہے۔ اگر یہ مفہوم مراد لیا جائے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کرنے سے بالکل اَجر نہیں ملتا تو یہ عبث ہے کیونکہ اوپر دلائل صحیحہ سے یہ بات ذکر کر دی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سہیل اور سہل رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کی اسی طرح انصار و مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کی۔ اور اس پر کسی صحابیِ رسول نے انکار بھی نہیں کیا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کرنا بالکل جائز و درست ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنا متروک العمل ہے۔ اس لیے کہ لوگوں نے سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد میں لانے پر ازواج مطہرات پر انکار کیا اور یہ انکار کرنے والے لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی تھے۔ اس لیے مسجد میں جنازہ ادا کرنا درست نہیں۔ لیکن یہ بات مردود ہے اس لیے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بات کا انکار کیا تو انہوں نے اسے تسلیم کر لیا اور جنازہ بعد میں لایا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بات انکار کرنے والوں کو معلوم نہ تھی یا بھول چکی تھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یاد تھی اور انہوں نے بروقت بتایا کہ نبی ﷺ نے سہل اور سہیل رضی اللہ عنہما کی نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بتلانے پر کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہم نے بھی انکار نہیں کیا۔ پھر سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی نمازِ جنازہ مسجد میں ادا

کی گئی تو کبار صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے سب نے جنازہ مسجد میں پڑھا اور کسی نے بھی انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنے پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق تھے۔

قبر پر نمازِ جنازہ ادا کرنا

قبر پر نمازِ جنازہ ادا کرنا بھی شرعاً جائز و درست ہے۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کئی ایک احادیثِ صحیحہ صریحہ مروی ہیں۔ چند ایک ذکر کرتا ہوں۔

① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

((أَنَّ رَجُلاً اَسْوَدَ اَوِامْرَاَةً سَوْدَآءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ فَسَأَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْهُ؟ فَقَالُوْا : مَاتَ قَالَ : اَفَلاَ كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِي بِهٖ؟ دُلُّوْنِي عَلٰى قَبْرِهٖ اَوْ قَالَ عَلٰى قَبْرِهَا فَاَتٰى قَبْرَهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهَا.))

[بخاری کتاب الصلاۃ (۴۵۸، ۴۶۰) و کتاب الجنائز (۱۳۳۷) ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی القبر (۳۲۰۳) مسلم کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی القبر (۹۵۶) ابنِ ماجہ کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصلاۃ علی القبر (۱۵۲۷)]

"ایک سیاہ فام آدمی یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا تو وہ فوت ہو گیا (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے معاملے کو ہلکا سمجھا اور جنازہ وغیرہ پڑھا کر دفن کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن) اس کے بارے پوچھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا وہ فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے اس کے بارے اطلاع کیوں نہیں دی؟ اس کی قبر پر میری راہنمائی کرو۔ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس پر نمازِ جنازہ ادا کی"۔

② امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

((اَخْبَرَنِي مَنْ مَرَّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَبْرٍ مَنْبُوْذٍ

فَأَمَّهُمْ وَصَفُّوْا عَلَيْهِ فَقُلْتُ : يَا أَبَا عَمْرٍو مَنْ حَدَّثَكَ؟ فَقَالَ : ابْنُ عَبَّاسٍ.))

[بخاری کتاب الأذان (۸۵۷) مسلم کتاب الجنائز (۹۵۴)]

"مجھے اس شخص نے خبر دی جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک اکیلی قبر کے پاس سے گزرے آپ نے (صاحب قبر کے جنازے کے لئے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امامت کی اور قبر پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے صفیں باندھیں (راوی حدیث سلیمان شیبانی کہتے ہیں) میں نے کہا اے ابو عمرو! آپ کو کس نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ تو انہوں نے کہا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے"۔

③ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرے مقام پر اس کی کچھ تفصیل یوں ہے:

((مَاتَ إِنْسَانٌ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَمَاتَ بِاللَّيْلِ فَدَفَنُوْهُ لَيْلاً فَلَمَّا أَصْبَحَ أَخْبَرُوْهُ فَقَالَ "مَا مَنَعَكُمْ أَنْ تُعْلِمُوْنِي؟ قَالُوْا : كَانَ اللَّيْلُ فَكَرِهْنَا، وَكَانَتْ ظُلْمَةٌ، أَنْ نَشُقَّ عَلَيْكَ فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ.))

[بخاری کتاب الجنائز باب الاذن بالجنازة (۱۲۴۷)]

"ایک ایسا انسان فوت ہو گیا جس کی عیادت رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے وہ رات کے وقت فوت ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے رات کے وقت دفن کر دیا جب صبح ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا: مجھے اطلاع دینے میں تمہیں کون سی چیز مانع ہوئی؟ تو انہوں نے کہا اندھیری رات تھی ہم نے آپ پر مشقت کو ناپسند کیا آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس پر نمازِ جنازہ ادا کی"۔

[یہ حدیث نسائی کتاب الجنائز (۲۰۲۳) ابو داؤد کتاب الجنائز (۳۱۹۶) ترمذی کتاب الجنائز (۱۰۳۷) ابن ماجہ کتاب الجنائز (۱۵۳۰) مسند ابی یعلی (۲۵۲۳) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔]

④ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى قَبْرٍ.))

[مسلم کتاب الجنائز (۹۵۵) مسند ابی یعلی (۳۴۵۴) مسند احمد ۱۳۰/۳ ابنِ ماجه (۱۵۳۱) بیهقی ۴۶/۴ دار قطنی ۷۷/۲]

"انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی"۔

⑤ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى قَبْرِ امْرَأَةٍ بَعْدَ مَا دُفِنَتْ)) [نسائی کتاب الجنائز باب الصلاة علی القبر (۲۰۲۴)]

"یقیناً نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کی قبر پر اس کے دفن کر دیئے جانے کے بعد نمازِ جنازہ ادا کی"۔

⑥ ابنِ ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما مکہ سے چھ میل کے فاصلے پر فوت ہو گئے ہم انہیں اٹھا کر مکہ لائے پھر انہیں دفنا دیا۔ اس کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے پاس تشریف لائیں اور اس بات پر انہوں نے برا بھلا کہا۔ پھر فرمایا میرے بھائی کی قبر کہاں ہے؟ ہم نے اس پر راہنمائی کی۔ پھر وہ تشریف لائیں اور اس پر نمازِ جنازہ ادا کی۔

[عبدالرزاق باب الصلاة علی المیت بعد ما یدفن ۵۱۸/۳ ابنِ ابی شیبة ۱۴۹/۴، طبع هند ۳۶۱/۳ التمهید لابن عبد البر ۲۶۱/۶]

امام ابنِ عبدالبر رقمطراز ہیں:

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَصْحَابُهُ مَنْ فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَازَةِ، صَلّٰى عَلَى الْقَبْرِ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ، وَهُوَ رَأْيُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ، وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ، وَهُوَ قَوْلُ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَإِسْحٰقَ بْنَ رَاهْوَيَةَ، وَدَاوُدُ بْنُ عَلِيٍّ، وَ سَائِرِ اَصْحَابِ الْحَدِيْثِ، قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: رُوِيَتِ الصَّلَاةُ عَلَى الْقَبْرِ عَنِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْ سِتَّةِ وُجُوْهٍ حِسَانٍ كُلِّهَا

[التمهید لابن عبدالبر ۲۶۱/۶، الاوسط لابن المنذر ۴۱۳/۵]

"امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے کہا جس کی نمازِ جنازہ فوت ہو جائے وہ قبر پر ادا کرے ان شاء اللہ۔ یہی رائے، عبداللہ بن وہب اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کی ہے اور یہی قول امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، امام داؤد بن علی اور تمام اہل حدیث کا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: نبی ﷺ سے قبر پر نمازِ جنازہ ادا کرنے کے بارے چھ اچھی سندوں سے احادیث روایت کی گئی ہیں"۔

یہ چھ احادیث سہل بن حنیف، سعد بن عبادہ، ابوہریرہ، عامر بن ربیعہ، انس بن مالک اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے بیان کی گئی ہیں جن کی تفصیل "التمہید" ۲۶۳/۶-۲۷۶ میں موجود ہے۔

امام ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ صَلّٰى عَلٰى قَبْرٍ، أَوْ عَلٰى جَنَازَةٍ قَدْ صُلِّيَ عَلَيْهَا فَمُبَاحٌ لَهُ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ قَدْ فَعَلَ خَيْرًا، لَمْ يَحْظُرْهُ اللّٰهُ وَلَا رَسُوْلُهُ، وَلَا اتَّفَقَ الْجَمِيْعُ عَلَى الْمَنْعِ مِنْهُ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ **وَافْعَلُوا الْخَيْرَ** ﴾ [حج: ۷۷] وَقَدْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَبْرٍ، وَلَمْ يَأْتِ عَنْهُ نَسْخُهُ..... وَنَحْنُ نَتَّبِعُ وَلَا نَبْتَدِعُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ [التمهید لابن عبدالبر ۲۷۸/۶، ۲۷۹]

"جس آدمی نے قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی یا ایسی میت پر جس کا جنازہ پڑھا جا چکا ہو تو اس کے لیے یہ مباح ہے اس لیے کہ اس نے خیر کا کام کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع نہیں کیا اور نہ ہی اس کی ممانعت پر سب کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (نیکی کے کام کرو) اور نبی ﷺ نے یقیناً قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی ہے اور آپ سے اس

کا نسخ ثابت نہیں۔ اور ہم متبع سنّت ہیں' بدعتی نہیں۔ الحمد للہ"۔

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَ يُصَلّٰى عَلَى الْقَبْرِ' لِاَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى عَلَيْهِ [الاقناع ۱۵۸/۱]

"اور قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی اس لیے کہ نبی ﷺ نے قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی ہے"۔

علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں :

وَفِي الْحَدِيْثِ اَيْضًا دَلِيْلٌ عَلٰى صِحَّةِ الصَّلَاةِ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ دَفْنِ الْمَيِّتِ سَوَاءً أُصَلِّي عَلَيْهِ قَبْلَ الدَّفْنِ اَمْ لَا وَبِهٖ قَالَ اَكْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ مَنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرُهُمْ' رُوِيَ ذٰلِكَ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى وَابْنِ عُمَرَ' وَعَائِشَةَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاَنَسٍ وَ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَقَتَادَةَ وَاِلَيْهِ ذَهَبَ الْاَوْزَاعِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ وَابْنُ وَهْبٍ وَدَاؤُدُ وَسَائِرُ اَصْحَابِ الْحَدِيْثِ وَيَدُلُّ لَهُمْ اَيْضًا اَحَادِيْثُ مِنْ بَيْنِ صِحَاحٍ وَحِسَانٍ وَرَدَتْ فِي الْبَابِ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَشَارَ إِلَيْهَا الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيْصِ ص : ۱۶۲

[مرعاۃ المفاتیح ۳۹۰/۵]

"اس حدیث میں دفن کے بعد قبر پر نمازِ جنازہ ادا کرنے کی صحت پر دلیل ہے۔ خواہ دفن سے قبل اس پر جنازہ پڑھا گیا ہو یا نہ۔ نبی کریم ﷺ کے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کا یہی قول ہے۔ اور یہ بات ابو موسیٰ اشعری' ابنِ عمر' عائشہ' علی' ابنِ مسعود' انس رضی اللہ عنہم' سعید بن مسیّب اور قتادہ رحمہما اللہ سے روایت کی گئی ہے۔ اور اسی بات کی طرف امام اوزاعی' امام

شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ، امام عبداللہ بن وھب، امام داؤد ظاہری رحمہم اللہ اور تمام اہلحدیث گئے ہیں۔ اور ان کے موقف پر اسی طرح کئی ایک صحیح اور حسن احادیث دلالت کرتی ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے اس مسئلہ میں احادیث وارد ہوئی ہیں جن کی طرف حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر ۱/۱۶۲ میں اشارہ کیا ہے"۔

حنفی علماء امام ابو حنیفہ کے فضائل میں یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے دفن کرنے کے بعد بھی بیس دن تک لوگوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

(سیرۃ نعمان ص : ۴۲، مولانا شبلی بحوالہ مقام ابی حنیفہ ص : ۹۹، مولوی سرفراز صفدر)

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ صریحہ متصلہ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ کے فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ قبر پر نمازِ جنازہ ادا کرنا بالکل صحیح و درست ہے۔ اس کا نسخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا

س کیا نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ وضاحت فرمائیں۔ (عبداللہ، منڈی بہاؤ الدین)

ج نمازِ جنازہ ادا کرنا مسلمان کا حق ہے اور صحیح حق کی ادائیگی تب ہی ہوتی ہے جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے مطابق ادا کیا جائے۔ دورِ حاضر میں دیکھا گیا ہے کہ جنازہ پڑھنے کے لیے ایک تو افراد کی کمی بہت ہوتی ہے لوگ اسے فرض کفایہ سمجھ کر رسمی طور پر ادا کرنے لگے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنازہ پڑھانے والے افراد بھی ایک آدھ منٹ میں جنازہ پڑھا کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ میت کے ساتھ صحیح وفاداری تب ہی ہوتی ہے جب اس آخر وقت میں اس کا جنازہ سُنّت کے مطابق ادا کیا جائے۔ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ

کوئی سورۃ پڑھیں۔ بہرکیف فاتحہ پڑھنا تو لازم ہے چند ایک احادیثِ صحیحہ ملاحظہ ہوں :

① حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف کہتے ہیں :

صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰی جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ لِتَعْلَمُوْا أَنَّهَا سُنَّةٌ))

[بخاری کتاب الجنائز باب قراۃ فاتحۃ الکِتاب علی الجنازۃ (۱۳۳۵) ابوداؤد (۳۱۹۸) ترمذی (۱۰۲۷)]

"میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی فرمایا : تاکہ تم جان لو یہ سُنّت ہے"۔

② حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف ہی کہتے ہیں :

صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰی جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ وَ سُوْرَةٍ وَجَهَرَ حَتّٰی أَسْمَعَنَا فَلَمَّا فَرَغَ أَخَذْتُ بِيَدِهٖ فَسَأَلْتُهُ قَالَ : سُنَّةٌ وَّحَقٌّ

[نسائی کتاب الجنائز باب الدعاء (۱۹۸۶، ۱۹۸۷) المنتقی لابن الجارود (۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸) بیہقی ۳۸/۴ مسند ابی یعلٰی ۶۷/۵ (۲۶۶۱) الاوسط لابن المنذر ۴۳۷/۵)]

"میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی انہوں نے سورۂ فاتحہ اور ایک سورۃ جہری طور پر پڑھی یہاں تک کہ ہمیں سنایا۔ جب فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ انہوں نے فرمایا : یہ سُنّت اور حق ہے"۔

[یہی حدیث کتاب الام للشافعی ۲۷۰/۱ بیہقی ۳۹/۴ شرح السنہ ۳۵۳/۵ (۱۴۹۴) المحلی ۱۲۹/۵ مسند طیالسی (۲۷۴۱) دارقطنی ۷۲/۲ شرح معانی الآثار ۵۰۰/۱ مستدرک حاکم ۳۵۸/۱ میں بھی موجود ہے۔]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورۃ پڑھ کر تعلیم دے دی کہ نمازِ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنّت ہے اور جب صحابی رسول کہے کہ یہ عمل سنّت ہے تو اس سے مراد سنّت رسول ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الحج باب الجمع بین الصلاتین بعرفة (۱۶۶۲)میں ہے کہ سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (جو کہ مدینہ کے سات فقہاء میں سے ایک ہیں) کہتے ہیں کہ جس سال حجاج بن یوسف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے مکّہ میں اُترا۔ اس زمانہ میں اُس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ عرفہ کے دن آپ عرفات کی قیام گاہ میں کیا کرتے ہیں۔ سالم نے کہا اگر تو سنّت چاہتا ہے تو عرفہ کے دن ظہر کی نماز کو جلدی ادا کر لے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔ سالم نے سچ کہا۔ کیونکہ سنّت نبویؐ ادا کرنے کے لیے لوگ ظہر و عصر کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے سالم رحمہ اللہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا؟ تو سالم رحمہ اللہ نے فرمایا: ((وَهَلْ تَتَّبِعُوْنَ فِي ذٰلِكَ اِلاَّ سُنَّتَهُ)) یعنی اس فعل سے مراد محض سنّت کا اتباع ہی تو ہے۔

معلوم ہوا کہ جب مطلق طور پر لفظ سنّت بولتے ہیں تو مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہی ہوتی ہے۔

حد خمر کے بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((جَلَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِيْنَ وَجَلَدَ اَبُوْبَكْرٍ اَرْبَعِيْنَ وَعُمَرُ ثَمَانِيْنَ وَكُلٌّ سُنَّةٌ))

[صحیح مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر (۱۷۰۷)]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴۰ دُرّے لگائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ۴۰ دُرّے لگائے اور عمر رضی اللہ عنہ نے اَسّی دُرّے لگائے اور یہ سب سنّت ہے"۔

علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ مطلق سنّت سے مراد اوّلاً سنّت

رسول ہی ہوتی ہے نیز خلیفہ راشد کے فعل کو بھی سُنّت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت امام حاکم فرماتے ہیں :

وَقَدْ اَجْمَعُوْا عَلٰی أَنَّ قَوْلَ الصَّحَابِیِ سُنَّةٌ حَدِیْثٌ مُسْنَدٌ

[مستدرک ۳۵۸/۱]

"فقہاء محدثین رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابی کا کہنا کہ یہ سُنّت ہے مسند حدیث کے حکم میں ہے"۔

امام شافعی رحمہ اللہ کتاب الام ۲۴۰/۱ میں فرماتے ہیں :

وَأَصْحَابُ النَّبِیِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقُوْلُوْنَ : اَلسُّنَّةُ اِلاَّ لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

[حاشیہ نصب الرایہ ۲۷۱/۲]

"نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سُنّت کا لفظ صرف سُنّتِ رسول ﷺ پر ہی بولتے تھے ان شاء اللہ تعالیٰ"۔

[یہ قاعدہ متفق علیہ ہے اس کے لیے ملاحظہ ہو : عمدۃ القاری ۱۴۰/۸، ۲۷۸/۵، ۳۰۳/۹، ۲۰۱/۲۰، جوہر نقی ۳۰۳/۱، المجموع ۲۳۲/۵، التحریر لابن ہمام ۱۴۹/۳، ۱۵۰، ۲۶۳ فتح القدیر شرح ہدایہ ۹۵/۲، ۹۶-۲۱۲/۱ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملاّ علی قاری ۶۳۸/۲، ۳۸۱/۶ نصب الرایہ ۴۱۳/۱ وحاشیہ نصب الرایہ ۲۷۱/۲ غیر مقلدین سے لاجواب سوالات ص : ۴۹ فتح الباری ۲۰۳/۳، ۵۱۲، ۵۲۳/۱، ۲۷۴/۲، ۳۱۴/۹ المقنع ۱۲۵/۱ المستصفی ۱۳۱/۱ تدریب الراوی ۹۷/۱ فتح المغیث للسخاوی ۱۲۵/۱ الفیہ سیوطی ص : ۲۱ الکفایہ ص : ۴۲۰ شرح نخبۃ الفکر ص : ۱۱۰، ۱۱۱ الباعث الحثیث ص : ۴۴ قواعد التحدیث ص : ۱۴۴، ارشاد الفحول ص : ۹۳، المغنی لابن قدامہ ۳۰۳/۳، ۴۰۷ بذل المجہود ۱۲۶/۲ مقدمہ صحیح البخاری للسہارنفوری ص ۱۰ وغیرہا]

لہٰذا اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا نبی کریم ﷺ کا معمول تھا۔

② ابو امامہ بن سہیل بن حُنیف فرماتے ہیں :

((اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ اَنْ يُكَبِّرَ ثُمَّ يَقْرَأُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يُخْلِصُ الدُّعَاءَ لِلْمَيِّتِ وَلَا يَقْرَأُ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى ثُمَّ يُسَلِّمُ فِي نَفْسِهٖ عَنْ يَّمِيْنِهٖ))

[عبدالرزاق ۴۸۹/۳، ۴۹۰ (۶۴۲۸) المنتقی لابن الجارود (۵۴۰) فضل الصلاة علی النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاسماعیل القاضی (۹۴) فتح الباری ۲۰۳/۳، ۲۰۴ وقال : اسناده صحیح نسائی کتاب الجنائز (۱۹۸۸) الاوسط لابن المنذر ۴۳۷/۵]

"نمازِ جنازہ میں سُنّت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کہیں پھر سورۂ فاتحہ پڑھیں پھر (دوسری تکبیر کے بعد) نبی ﷺ پر درود پڑھیں پھر (تیسری تکبیر کے بعد) میت کے لیے خلوص کے ساتھ دُعا کریں پہلی تکبیر کے سوا کسی میں قراءت نہ کریں پھر آہستہ سے دائیں جانب سلام پھیر دیں"۔

③ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ وَ كَانَ مِنْ كُبَرَاءِ الْاَنْصَارِ وَ عُلَمَائِهِمْ وَ اَبْنَاءِ الَّذِيْنَ شَهِدُوْا بَدْرًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اَخْبَرَهُ اَنَّ السُّنَّةَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ اَنْ يُكَبِّرَ الْاِمَامُ ثُمَّ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ سِرًّا فِي نَفْسِهٖ ثُمَّ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ فِي التَّكْبِيْرَاتِ الثَّلَاثِ

[شرح معانی الآثار ۵۰۰/۱ مستدرک حاکم ۳۶۰/۱ بیہقی ۴۰/۴، ۳۹ حاکم کی روایت میں فاتحہ کا ذکر نہیں۔ اور عدم ذکر نفی کو لازم نہیں جبکہ طحاوی وغیرہ میں اسی حدیث کے اندر فاتحہ کا ذکر ہے اسے امام حاکم اور امام ذہبی نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے]

"ابو امامہ بن سہیل بن حنیف سے روایت ہے اور وہ انصار کے بڑے لوگوں اور علماء میں سے تھے اور ان صحابہ کے بیٹوں میں سے ہیں جو بدر

میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے انہیں خبر دی کہ نمازِ جنازہ میں سنّت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر فاتحہ آہستہ پڑھے پھر نماز کو باقی تین تکبیروں میں ختم کرے"۔

ان صحیح احادیث کے علاوہ اور بھی کئی احادیث نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں مگر ان کی اسانید کمزور ہیں اور وہ بطور تائید نقل کرتا ہوں کیونکہ اصل مسئلہ تو احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔

① اُمِّ عفیف رضی اللہ عنہا کی روایت طبرانی میں موجود ہے اس کی سند میں عبدالمنعم ابوسعید کمزور راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/۳۳)

② اُمِّ شریک رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ ابن ماجہ (۱۴۹۶) اس کی سند میں شہر بن حوشب متکلم فیہ راوی ہیں۔ اسے امام احمد اور یحییٰ بن معین وغیرہما نے ثقہ کہا ہے اور بیہقی و نسائی وغیرہما نے کمزور قرار دیا ہے۔

③ اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز جنازہ پڑھو تو سورۂ فاتحہ پڑھو اسے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں معلی بن حمران ہے اس کے حالات معلوم نہیں۔ (مجمع الزوائد ۳/۳۲)

④ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی۔ (ترمذی و ابنِ ماجہ وغیرہما) اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف راوی ہے۔

⑤ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے میّت پر چار تکبیریں کہیں اور پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی۔

[کتاب الام ۱/۲۳۹، مستدرک حاکم ۱/۳۵۸۔ اِس کی سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ متروک

اور عبداللہ بن محمد بن عقیل متکلم فیہ راوی ہیں۔]

⑥ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ میں چار مرتبہ فاتحہ پڑھی۔ (طبرانی اوسط) اس کی سند میں ناھض بن القاسم ہے اس کے حالات نہیں ملے۔

[(مجمع الزوائد ۳/ ۳۳) اور مجمع الزوائد کی دوسری طبع ۳/ ۳۵ میں یہ احادیث موجود ہیں۔]

مذکورہ بالا چھ روایات بطور شواہد اور تائید ذکر کی گئی ہیں کیونکہ ضعیف روایت بطور متابع اور شواہد پیش کی جا سکتی ہیں۔

اب حنفی حضرات کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں :

① متاخرین احناف میں سے علامہ حسن الشرنبلالی نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب بنام "النظم المستطاب لحکم القراءۃ فی صلاۃ الجنازۃ بام الکتاب" لکھی اور فاتحہ کو مکروہ کہنے والوں کا تسلی بخش رد کیا۔ ملاحظہ ہو : [التعلیق المجد ص : ۱۶۹]

② علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ علامہ شرنبلالی کی کتاب کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

هٰذَا هُوَ الْاَوْلٰى لِثُبُوْتِ ذٰلِكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ [التعلیق الممجد ص : ۱۶۹]

"نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ہی اولیٰ ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے"۔

③ نیز علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی امام الکلام ص : ۳۴۱ میں رقم طراز ہیں :

وَقَدْ صَنَّفَ الشُّرُنْبَلَالِيُّ فِي هٰذِهِ الْمَسْاَلَةِ رِسَالَةً سَمَّاهَا بِـ "النَّظْمِ الْمُسْتَطَابِ لِحُكْمِ الْقِرَاءَةِ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ بِاُمِّ

الْكِتَابِ" وَحَقَّقَ فِيْهِ اَنَّ الْقِرَاءَةَ اَوْلٰى مِنْ تَرْكِ الْقِرَاءَةِ وَلَا دَلِيْلَ عَلَى الْكَرَاهَةِ، قَالَ فِيْهَا : "قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ : تَفْرُضُ الْفَاتِحَةُ وَالصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالدُّعَاءُ وَ دَارَ الْاَمْرُ مِنْ اَئِمَّتِنَا فِي النَّصِّ عَلٰى عَدَمِ جَوَازِ الْقِرَاءَةِ وَالنَّصِّ عَلٰى كَرَاهَتِهَا وَقَدْ نَصُّوا عَلَى اسْتِحْبَابِ مُرَاعَاةِ الْخِلَافِ فِيْ كَثِيْرٍ مِنَ الْمَسَائِلِ، وَلَمْ اَرَ نَصًّا قَاطِعًا لِلْمَنْعِ مُقْتَضِيًا لِعَدَمِ جَوَازِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ.

[امام الکلام ص : ۳۴۱، ۳۴۲ ط جدہ]

"علامہ شرنبلالی حنفی نے اس مسئلہ میں مستقل ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا نام "النظم المستطاب لحکم القراءة فی صلاة الجنازة بام الکتاب" ہے اور اس میں انہوں نے تحقیق کی ہے کہ نمازِ جنازہ میں قراءت ترک کرنے سے قراءۃ کرنا اولیٰ ہے اور اس کے مکروہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ اسی رسالہ میں علامہ شرنبلالی نے کہا : امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا فاتحہ، درود اور دُعا فرض ہے۔ ہمارے ائمہ کی تحقیق کا مدار یہ ہے کہ فاتحہ کی قراءت کے ناجائز اور مکروہ ہونے پر نص وارد ہے اور اسی طرح بہت سارے مسائل میں اختلاف کی رعایت کے استحباب پر بھی ہمارے ائمہ نے تصریح کی ہے اور میں نے نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے ناجائز ہونے پر کوئی نص قطعی نہیں دیکھی"۔

④ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری ۱۳۹/۸ میں فرماتے ہیں :

قَدِ اخْتَلَفُوْا فِيْ مَشْرُوْعِيَّةِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ فَنَقَلَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَالْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ مَشْرُوْعِيَّتَهَا وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَإِسْحَاقُ

"ائمہ کا نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی مشروعیت میں اختلاف ہے امام ابن

منذر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود، الحسن بن علی، عبداللہ بن الزبیر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کا نمازِ جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا نقل کیا ہے اور یہی بات امام شافعی اور امام اسحاق بن راھویہ رحمہما اللہ نے کہی ہے"۔

تقریباً یہی بات شرح السنۃ ۳۵۴/۵ میں امام بغوی نے ذکر کی ہے اور اس میں امام احمد اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے۔

⑧ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رحمہ اللہ اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

وبعد تکبیر اولی سورۃ فاتحہ ھم خوانند

[مالا بد منہ ص: ۱۳۸]

"تکبیر اولی کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھیں"۔

⑥ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمِنَ السُّنَّةِ قِرَأَةُ فَاتِحَةِ الْكِتٰبِ لِأَنَّهَا خَيْرُ الْأَدْعِيَةِ وَأَجْمَعُهَا

[حجۃ اللہ البالغۃ ۳۶/۲]

"نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کرنا سنت میں سے ہے اس لیے کہ یہ تمام دعاؤں سے بہترین اور جامع ہے"۔

⑦ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے بھی غنیۃ الطالبین ۱۳۳/۲ میں لکھا ہے کہ پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ اور آثارِ صریحہ اور اکابر علمائے احناف کے فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین فقہاء محدثین رحمہم اللہ کا طریقہ اور معمول ہے اور اس کے مکروہ ہونے پر کوئی واضح اور صریح دلیل موجود نہیں۔

جنازے میں چلتے ہوئے بلند آواز سے ذکر کرنا

﴿س﴾ جنازہ لے کر جاتے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا فقہ حنفیہ کی رو سے

کیسا ہے' بالتفصیل وضاحت فرمائیں- نیز قبروں کا پختہ بنانا کیسا ہے اور نمازِ جنازہ میں احناف کے نزدیک قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ (عبدالرحمن' لاہور)

ج ① نبی مکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی بھی صحیح حدیث میں جنازہ کے ساتھ ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا ثابت نہیں بلکہ اس کی کراہت منقول ہے- سیدنا قیس بن عباد سے روایت ہے کہ

((كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ الْجَنَائِزِ.))

[بیہقی ۴/ ۷۴ مزید تفصیل کے لیے "آپ کے مسائل" ۱/ ۲۲۵' ۲۲۶ ملاحظہ کریں]

"نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنازوں کے پاس آواز بلند کرنا ناپسند کرتے تھے"۔

فقہ حنفیہ کی رو سے بھی نمازِ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا وغیرہ مکروہ ہے-

① علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی الحنفی رقم طراز ہیں :

وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ [نور الایضاح مع الوشاح : ۲۷۳]

"جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے"۔

② علامہ ابنِ الہمام حنفی فرماتے ہیں :

وَيُكْرَهُ لِمُشَيِّعِهَا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَالْقِرَأَةِ وَيَذْكُرُ فِي نَفْسِهِ

[فتح القدیر شرح ھدایہ ۲/ ۹۷]

"جنازے کے ساتھ چلنے والے کے لیے بلند آواز سے ذکر اور قراءت کرنا مکروہ ہے اسے دل میں کرنا چاہیے"۔

③ علامہ ابنِ نجیم المعروف بابی حنیفہ الثانی فرماتے ہیں :

وَيَنْبَغِي لِمَنْ تَبِعَ جَنَازَةً أَنْ يُطِيْلَ الصَّمْتَ وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ

بِالذِّكْرِ وَ قِرَأَةِ الْقُرْاٰنِ وَغَيْرِهِمَا فِي الجِنَازَةِ وَالْكَرَاهَةُ فِيْهَا كَرَاهَةُ تَحْرِيْمٍ [البحر الرائق ۲/۱۹۲]

"جنازے کے پیچھے آنے والے کو چاہیے کہ لمبی خاموشی اختیار کرے۔ ذکر اور تلاوت قرآن وغیرہما کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور یہ مکروہ تحریمی ہے"۔

④ علامہ قاضی خان رقمطراز ہیں :

وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ فَاِنْ اَرَادَ اَنْ يَّذْكُرَ اللّٰهَ يَذْكُرُهُ فِي نَفْسِهِ وَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ اَنْ يَّقُوْلَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَمْشِي مَعَهَا اِسْتَغْفِرُوْا لَهُ غَفَرَ اللّٰهُ لَكُمْ

[فتاوىٰ قاضي خان ۱/۹۲]

"جنازے کے ساتھ ذکر کرنا مکروہ ہے اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہے تو اپنے دل میں کرے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں : سلف صالحین اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ آدمی جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے کہے کہ "اس کے لیے بخشش کی دعا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے"۔

⑤ علامہ طحطاوی حنفی راقم ہیں :

وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ قِيْلَ يُكْرَهُ تَحْرِيْمًا كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِي عَنِ الْقُنْيَةِ [حاشيه طحطاوي على مراقي الفلاح : ۳۳۲]

"جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ قہستانی میں قنیۃ سے روایت کی گئی ہے"۔

⑥ نیز مراقی الفلاح برحاشیہ طحطاوی ص : ۳۳۲ میں ہے :

وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَالْقُرْاٰنِ وَعَلَيْهِمُ الصَّمْتُ۔

"جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور

جنازے کے ساتھ چلنے والوں کو خاموشی لازم ہے"۔

⑦ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

وَ عَلٰی مُتَّبِعِی الْجَنَازَةِ الصَّمْتُ وَيُكْرَهُ لَهُمْ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَ قِرَأةِ الْقُرْاٰنِ كَذَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِیْ

[فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۶۲]

"جنازے کے ساتھ چلنے والوں پر خاموشی لازم ہے اور ان کے لیے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن کی تلاوت کرنا مکروہ ہے جیسا کہ طحاوی کی شرح میں ہے"۔

⑧ علامہ ابنِ عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

وَ يَنْبَغِي لِمَنْ تَبِعَ الْجَنَازَةَ أَنْ يُّطِيْلَ الصَّمْتَ

[فتاوی شامی ۱/۵۹۸]

"جنازے کے پیچھے آنے والے کو چاہیے کہ وہ لمبی خاموشی اختیار کرے"۔

⑨ علامہ حصکفی حنفی راقم ہیں :

وَ إِنْ تَبَاعَدَ عَنْهَا أَوْ تَقَدَّمَ الْكُلَّ أَوْ رَكِبَ أَمَامَهَا كُرِهَ كَمَا كُرِهَ فِيْهَا رَفْعُ صَوْتٍ بِذِكْرٍ أَوْ قِرَأةٍ

[در مختار بر ھامش رد المحتار ۱/۵۹۸]

"اگر میت سے دور ہو یا سب سے آگے نکل جائے یا میت کے آگے سوار ہو کر جائے تو یہ اسی طرح مکروہ ہے جیسے بلند آواز سے ذکر یا قرآن کی تلاوت کرنا مکروہ ہے"۔

⑩ علامہ ابراہیم الحلبی الحنفی رقمطراز ہیں :

وَ يَنْبَغِي أَنْ يُّطِيْلَ الصَّمْتَ وَ يُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ فِيْهَا بِالذِّكْرِ وَ قِرَأةِ الْقُرْاٰنِ ذُكِرَ فِي فَتَاوَى الْعَصْرِ أَنَّهَا كَرَاهَةُ تَحْرِيْمٍ وَاخْتَارَهُ

مَجْدُ الْاَئِمَّةِ التَّرْجُمَانِي... وَقَالَ قَيْسُ بْنُ عُبَادَةَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ ثَلَاثٍ عِنْدَ الْقِتَالِ وَفِي الْجَنَازَةِ وَفِي الذِّكْرِ ذَكَرَهُ ابْنُ الْمُنْذِرِ فِي الْاَشْرَافِ [حلبی کبیر : ۵۹۴]

"جنازے کے ساتھ چلنے والے کو لمبی خاموشی اختیار کرنی چاہیے اور بلند آواز سے ذکر اور قرآن کی تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ العصر میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور علامہ مجد الائمہ الترجمانی نے اسے ہی اختیار کیا ہے.... اور قیس بن عبادہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین مقامات پر آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے (۱) لڑائی کے وقت (۲) جنازے میں (۳) ذکر کے وقت اسے ابنِ منذر نے اشراف میں ذکر کیا ہے"۔

(۱۱) شاہ رکن الدین نے لکھا ہے جو لوگ کہ جنازہ کے ہمراہ ہوں ان کو کلمہ طیبہ راستہ میں پڑھنا کیسا ہے؟

پکار کر پڑھنا تو مکروہ ہے۔ دِل میں اگر پڑھیں تو مضائقہ نہیں بہتر خاموشی ہے۔ (رکن الدین ص : ۲۳۷)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے خاموشی اختیار کرنی چاہیے حتیٰ کہ اگر کوئی ذکر یا تلاوت کرنا چاہے تو وہ بھی اپنے دِل میں کرے کسی شخص کو جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر یا تلاوت کرنے کی اجازت نہیں۔ فقہائے احناف کے ہاں بالخصوص یہ مکروہ تحریمی ہے لہٰذا بریلوی حضرات جو جنازے کے ساتھ نعت گوئی یا کلمہ شہادت بلند آواز سے کہتے ہیں درست نہیں بلکہ ان کے اپنے مذہب میں ہی یہ مکروہ تحریمی ہے۔ انہیں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

② پختہ قبریں

اسلام میں پختہ قبروں کا کوئی تصور موجود نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ نے پکی قبریں بنانے سے منع کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ))

[مسلم کتاب الجنائز (۹۷۰) ابوداؤد کتاب الجنائز (۳۲۲۵)]

"رسول اللہ ﷺ نے پختہ قبریں بنانے اور ان پر بیٹھنے اور عمارت تعمیر کرنے سے منع کیا ہے"۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قبریں پکی بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا درست نہیں۔ فقہ حنفی کے بانی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں :

وَلَا نَرٰى اَنْ يُّزَادَ عَلٰى مَا خَرَجَ مِنْهُ وَنَكْرَهُ اَنْ يُّجَصَّصَ اَوْ يُطَيَّنَ اَوْ يُجْعَلَ عِنْدَهٗ مَسْجِدًا اَوْ عَلَمًا اَوْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ وَيُكْرَهُ الْاٰجُرُّ اَنْ يُّبْنٰى بِهٖ اَوْ يُدْخَلَ الْقَبْرَ وَلَا نَرٰى بِرَشِّ الْمَآءِ عَلَيْهِ بَاْسًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ

[کتاب الآثار مترجم ص : ۱۲۶ باب تسنیم القبور و تجصیصها]

"اور نہیں دیکھتے ہم یہ کہ زیادہ کیا جائے اس چیز پر جو کہ اس سے نکلے یعنی جو مٹی قبر سے نکلی، اس کے سوا اور مٹی نہ اس میں ڈالی جائے اور مکروہ رکھتے ہیں ہم یہ کہ گچ کی جائے یا مٹی سے لیپی جائے یا اس کے پاس مسجد بنائی جائے یا نشان بنایا جائے یا اس پر لکھا جائے اور مکروہ ہے، پکی اینٹ کہ اس سے قبر بنائی جائے یا قبر میں داخل کی جائے اور ہمارے نزدیک قبر پر پانی چھڑکنے میں کچھ گناہ نہیں اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی

قول ہے"۔

معلوم ہوا کہ فقہ حنفی کی رو سے بھی پکی قبریں بنانا اور ان کے قریب مسجدیں تعمیر کرنا درست نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ جب مطلق مکروہ کہا جائے تو مراد تحریمی ہی ہوتا ہے۔ [فتح القدیر شرح ہدایہ ۱۱۴/۲ البحر الرائق ۱۹/۲ فتاوی شامی ۴۲۹/۱ وغیرھا]

لہٰذا قرآن و سنّت اور فقہ حنفیہ کی رو سے پختہ قبریں ناجائز اور گرا دینے کے لائق ہیں۔ ایسی قبروں کو گرا کر عام قبروں کے برابر یعنی زمین سے ایک بالشت اونچی کر دی جائیں اور قبے و عمارات ختم کر دی جائیں۔ اور عصر حاضر میں مقابر پر جتنے قبے اور عمارات تعمیر کی گئی ہیں بلکہ پختہ قبروں کے پاس جو مساجد بنا دی گئی ہیں، امام ابو حنیفہ کے ہاں مکروہ تحریمی ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "کلمہ گو مشرک" ملاحظہ ہو۔

③ نمازِ جنازہ میں قہقہہ لگانا

احناف کے نزدیک نواقض وضو میں سے قہقہہ بھی ہے اور صرف رکوع و سجود والی نماز کے ساتھ خاص ہے۔ نمازِ جنازہ میں چونکہ رکوع و سجود نہیں اس لیے اگرچہ اس سے گریز کرنا چاہیے تاہم جنازہ میں اگر کوئی شخص زور زور سے ہنسے تو شریعت کی نظر میں اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب قدوری ص : ۲۰ میں ہے :

وَالْقَهْقَهَةُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ ذَاتِ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ

"ہر رکوع اور سجدے والی نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے"۔

قدوری میں بین السطور لکھا ہے :

اُحْتُرِزَ بِهِ عَنْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ

"رکوع اور سجدے کی قید لگا کر نمازِ جنازہ اور سجدہ تلاوت سے احتراز کیا گیا ہے"۔

اگر کہا جاتا کہ قہقہہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو درست تھا مگر یہ کہا گیا کہ نماز میں قہقہہ سے نماز کے ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے بالکل غلط اور بے دلیل بات ہے۔ احناف جو روایات پیش کرتے ہیں وہ ضعیف ہیں۔ اور حاشیہ قدوری میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ یہ روایتیں مرسل ہیں اور مرسل محدثین کے ہاں ضعیف کی اقسام سے ہے۔

ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت

س ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (ڈاکٹر ظہیر قریشی سرگودھا)

ج دورِ حاضر میں مسلمانوں کے اندر بہت سی خرافات و رسومات نے جنم لے لیا ہے جن میں سے کسی آدمی کے فوت ہو جانے کے بعد ایصالِ ثواب کا بھی مسئلہ ہے یہ بھی بہت غلط رنگ اختیار کر چکا ہے بالخصوص قرآن خوانی کے ذریعے مردوں کو ثواب پہنچانے کا رواج عام ہے۔ حکمران' وزراء' سلاطین اور ملکوں کے سربراہ یا کسی بھی عہدے پر فائز آدمی جب اس دار فانی سے کوچ کرتا ہے تو قرآن خوانی اور گٹھلیوں وغیرہ پر کثرت سے تسبیحات پڑھ کر مرنے والے کو اس کا ثواب بخشا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اب قرآن خوانی تو ایک پیشہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ دینی مدارس اور یتیم خانوں کے حفاظ و قراء کی روزی کا ایک ذریعہ بن گیا ہے یاد رہے کہ انسان کو مرنے کے بعد جن اشیاء کا فائدہ ہوتا ہے وہ صرف وہی ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں کیا گیا ہے۔ عبادات میں وہی طریقہ معتبر سمجھا جائے گا' جو رسول اللہ ﷺ کی سُنّت کے مطابق ہو گا جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ چلے۔ نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ))

[بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح (۵۰۶۳)]

"جس شخص نے میرے طریقے سے بے رغبتی اختیار کی' وہ مجھ سے نہیں"۔

لہٰذا ہمیں تمام عبادات و معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنا چاہیے۔ میت کو جن اعمال کا فائدہ مرنے کے بعد ہوتا ہے۔ ان کی توضیح درج ذیل ہے:

① دُعا:

دُعا کے بارے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ اگر مرنے والا کافر و مشرک نہ ہو تو اس کے لیے دُعا کرنا مسنون ہے۔ اللہ وحدہٗ لا شریک نے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾ [الحشر : ۱۰]

"اور جو لوگ ان (اہل ایمان) کے بعد آئے' وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے گزر گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ بنا اے ہمارے پروردگار بلاشبہ تو مشفق مہربان ہے"۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے جب نجاشی فوت ہوا تو نبی ﷺ نے اس کی اطلاع دی تو فرمایا:

((اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْكُمْ))

[بخاری کتاب الجنائز باب الصلاة علی الجنائز بالمصلی والمسجد (۱۳۲۷) نسائی (۲۰۴۱)]

"اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو"۔

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ اِلَى الْبَقِيْعِ فَيَدْعُوا لَهُمْ فَسَأَلَتْهُ عَائِشَةُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنِّيْ أُمِرْتُ اَنْ اَدْعُوَلَهُمْ)) [مسند احمد ۶/۲۵۲]

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جنت البقیع کی طرف نکلا کرتے اور ان کے لیے دُعا کرتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا : مجھے ان کے لیے دُعا کا حکم دیا گیا ہے"۔

اسی طرح مسند احمد ۶/۹۲،۲۲۱، مؤطا کتاب الجنائز باب جامع الجنائز ۱/۲۰۸، نسائی کتاب الجنائز باب الامر بالاستغفار للمؤمنین (۲۰۳۷-۲۰۳۶) مسلم کتاب الجنائز باب ما یقول عند دخول القبور والدعاء لاھلھا (۱۰۳-۹۷۴) عبدالرزاق ۳/۵۷۰-۵۷۶ وغیرہ میں مفصل طور پر نبی ﷺ کا قبرستان میں جاکر ہاتھ اُٹھاکر ان کے لیے دُعا کرنا منقول ہے۔

علاوہ ازیں قبرستان میں جاکر زیارت قبور کی احادیث اور نماز جنازہ میں دُعائیں وغیرہ اس بات کی بین دلیل ہیں کہ مسلمانوں کی دُعائیں مسلمان میت کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان دُعاؤں کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی "باغیچہ جنت" اور "حصن المجاہد" کا مطالعہ کریں۔

کافر اور مشرک میت کے لیے دُعا کی اجازت نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِيْنَ

وَلَوْ كَانُوْا أُولِىْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ [التوبه : ۱۱۳]

"نبی ﷺ اور ایمان والوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دُعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں"۔

اس آیت کے شانِ نزول میں صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ توبہ (۴۶۷۵) میں آپ کے چچا ابوطالب اور تفسیر ابنِ کثیر ص : ۶۳۳ ط- دار السلام، تفسیر ابنِ ابی حاتم ۶/ ۱۸۹۳ (۱۰۰۵۱)، مستدرک حاکم ۲/ ۳۳۶ وغیرہ میں آپ کی والدہ کا ذکر ہے البتہ جو آدمی غیر اسلام پر مر جائے تو عبرت کے لیے اس کی قبر کی زیارت کی جا سکتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الجنائز باب استئذان النبی ﷺ ربه عزوجل فی زیارة قبر امه (۱۰۶،۱۰۵-۹۷۶) ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی زیارة القبور (۳۲۳۴)، نسائی باب زیارة قبر المشرك (۲۰۳۳) ابنِ ماجه باب ما جاء فی زیارة قبور المشرکین (۱۵۷۲)، طحاوی ۳/۱۸۹، ابنِ حبان (۳۱۵۹)، مستدرك حاکم ۱/ ۳۷۵، ۳۷۶، بیهقی ۴/ ۷۶، مسند احمد ۲/ ۴۴۱، ابنِ ابی شیبه ۴/ ۱۳۹ میں موجود ہے کہ نبی ﷺ کو اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت نہیں ملی البتہ آپ نے زیارت قبر کر کے فرمایا : ((فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ)) "قبروں کی زیارت کرو، یہ موت یاد دلاتی ہیں"۔

❁ مندرجہ بالا احادیثِ صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان میّت کے لیے بخشش کی دُعا کی جا سکتی ہے۔ کافر و مشرک کے لیے دُعا کی اجازت نہیں۔

② صدقہ جاریہ :

یعنی مسلمان اپنی زندگی میں ایسا کام کر جائے جس کا ثواب و فائدہ اسے مرنے کے بعد بھی برابر ملتا رہے اور اس کے جاری کردہ کام سے بعد میں لوگ بھی فائدہ

اُٹھاتے رہتے ہیں۔ اس کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [یٰسٓ : ١٢]

"بلاشبہ ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے جاتے ہیں۔ وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے"۔

اس آیت کریمہ میں ﴿ مَا قَدَّمُوْا ﴾ سے مراد وہ اعمال ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور ﴿ آثَارَهُمْ ﴾ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کے عملی نمونے وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کی اقتداء میں بجا لاتے ہیں۔ ایسے صدقات و اعمال کا تذکرہ کتب حدیث میں موجود ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ))

[مسلم کتاب الوصیة باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته (١٤-١٦٣١) الادب المفرد باب بر الوالدین بعد موتهما (٣٨) مسند ابی یعلٰی ١١/ ٣٤٣ (٦٣٥٧) مسند احمد ٢/ ٣٧٢، ترمذی کتاب الاحکام باب فی الوقف (١٣٨١) ابوداؤد کتاب الوصایا باب ما جاء فی الصدقة عن المیت (٢٨٨٠) نسائی کتاب الوصایا باب فضل الصدقة علی المیت ٦/ ٢٥١ (٣٦٥٣) مشکل الآثار ١/ ٩٥ بیہقی ٦/ ٢٧٨]

"جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل اس سے منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں ہیں (جن کا فائدہ اسے مرنے کے بعد ہوتا رہتا ہے) (١) صدقہ جاریہ (٢) علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے یا (٣) نیک اولاد جو اس کے لیے دُعا کرتی ہے"۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

قَالَ الْعَلَمَاءُ : مَعْنَى الْحَدِيْثِ، أَنَّ عَمَلَ الْمَيِّتِ يَنْقَطِعُ بِمَوْتِهِ وَيَنْقَطِعُ تَجَدُّدُ الثَّوَابِ لَهُ إِلَّا فِيْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ الثَّلَاثَةِ لِكَوْنِهِ كَانَ سَبَبُهَا فَإِنَّ الْوَلَدَ مِنْ كَسْبِهِ وَكَذٰلِكَ الْعِلْمُ الَّذِيْ خَلَفَهُ مِنْ تَعْلِيْمٍ أَوْ تَصْنِيْفٍ وَكَذٰلِكَ الصَّدَقَةُ الْجَارِيَةُ وَهِيَ الْوَقْفُ

[شرح مسلم للنووی ۷۲/۱۱]

"علماء نے کہا ہے حدیث کا معنی یہ ہے کہ میت کا عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے اور اس کے لیے ثواب کا نیا ہونا بھی منقطع ہو جاتا ہے مگر ان تین اشیاء میں اس لیے کہ میت ان اُمور کی سبب تھی۔ اولاد اس کی کمائی ہے۔ اسی طرح علم جو اس نے پیچھے چھوڑا خواہ وہ کسی کو تعلیم دے کر گیا یا کوئی علمی تصنیف چھوڑ گیا، اسی طرح صدقہ جاریہ بھی اس کا کسب ہے اور یہ وقف ہے"۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((خَيْرُ مَا يُخَلِّفُ الرَّجُلُ مِنْ بَعْدِهِ ثَلَاثٌ : وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ وَصَدَقَةٌ تَجْرِي يَبْلُغُهُ أَجْرُهَا وَعِلْمٌ يُعْمَلُ بِهِ مِنْ بَعْدِهِ))

[ابن ماجه كتاب المقدمه (۲۴۱) موارد الظمآن باب فيمن علم علما (۸۴، ۸۵) ط أخرى ۱۸۲/۱، طبراني صغير ۱۴۱/۱ طبراني اوسط ۲۸۱/۴ (۳۴۹۶) جامع بيان العلم لابن عبدالبر ۱۵/۱ الترغيب والترهيب ۱۰۰/۱ اسناده صحيح]

"آدمی اپنے بعد سب سے بہترین تین چیزیں چھوڑ کر جاتا ہے (۱) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے (۲) صدقہ جاریہ، اس کا اجر اسے (مرنے کے بعد) پہنچتا ہے (۳) اور علم جس پر اس کے بعد عمل کیا جاتا ہے"۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ

مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ ' وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ ' وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ ' أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ ' أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِيْ صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ))

[ابن ماجه المقدمه باب ثواب معلم الناس الخير (۲۴۲) ابنِ خزیمه (۲۴۹۰) شعب الایمان بیهقی (۳۴۴۸) صحیح الجامع الصغیر للالبانی حفظه اللّٰه (۲۲۳۱) علامہ البانی حفظہ اللہ اور علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ مرعاة المفاتیح ۳۴۶/۱]

"بلاشبہ مومن آدمی کو اس کے عمل اور نیکیوں سے اس کی موت کے بعد جو ملتا ہے اس میں سے (۱) ایسا علم جس کی اس نے تعلیم دی اور اسے نشر کیا (۲) اور نیک اولاد جو اس نے چھوڑی (۳) اور مصحف (قرآن) جو اُس نے ورثاء کے لیے چھوڑا (۴) یا جو اس نے مسجد تعمیر کی (۵) یا مسافر خانہ تعمیر کیا (۶) یا نہر جاری کی (۷) یا اپنی زندگی اور تندرستی میں اپنے مال سے صدقہ نکالا اسے مرنے کے بعد ان کا اجر ملتا رہے گا"۔

((عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفَتَّانَ))

[مسلم کتاب الامارة باب فضل الرباط فی سبیل اللّٰه عزوجل (۱۹۱۳-۱۶۳) مسند ابی عوانه ۹۳/۵-۹۴ نسائی کتاب الجهاد باب فضل الرباط ۳۹/۶ مشکل الاثار ۱۰۲/۳ ابنِ حبان (۴۶۰۳-۴۶۰۷) طبرانی کبیر ۳۲۷/۶ (۶۱۷۸) مستدرك حاکم ۸۰/۲ حلیة الاولیاء ۱۹۰/۵ بیهقی ۳۸/۹ کتاب الجهاد لابن ابی عاصم

۴/۲۰۰ (۳۰۹)]

"سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا: اللہ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات سرحدوں کا پہرہ دینا ایک مہینے کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے اور اگر وہ مرگیا اس کا وہ عمل اس پر جاری رہے گا جو وہ کرتا رہا۔ اور اس پر اس کا رزق و بدلہ جاری کر دیا جائے گا اور وہ فتنے سے محفوظ ہو گا"۔

((عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : كُلُّ الْمَيِّتِ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهٖ اِلَّا الْمُرَابِطُ فَاِنَّهٗ يَنْمُولَهٗ عَمَلُهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيُؤَمَّنُ مِنْ فُتَّانِ الْقَبْرِ))

[ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی فضل الرباط (۲۵۰۰) ترمذی کتاب فضائل الجهاد (۱۶۲۱) کتاب الجهاد لابن المبارك (۱۷۴) ابنِ حبان (۴۶۰۵) طبرانی کبیر ۳۱۱/۱۸ (۸۰۳) مستدرك حاكم ۱۴۴/۲ سنن سعید بن منصور (۲۴۱۴) ابوعوانه ۹۱/۵ الاربعین لابن عساکر ص : ۸۵،۸۶]

"فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر میت کا خاتمہ اس کے عمل پر ہو جاتا ہے مگر اللہ کی راہ میں پہرہ دینے والا اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنوں سے بچا لیا جاتا ہے"۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ میّت کو ان تمام اعمال صالحہ کا ثواب و فائدہ پہنچتا ہے جن کو وہ اپنی زندگی میں سرانجام دے گیا اور وہ صدقہ جاریہ کے طور پر باقی رہے جن میں علم سکھانا' نیک بچّے کی دُعا' قرآن مجید چھوڑ جانا' مسجد بنوانا' مسافر خانہ تعمیر کروانا۔ نہر و کنواں جاری کر جانا' کوئی صدقہ جو اس نے صحت و حیات میں کیا ہو' جہاد میں پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو جانا' مردہ سُنّت جاری کرنا' درخت وغیرہ لگا جانا وغیرھا۔ یہ تمام اُمور اس کے اپنے اعمالِ صالحہ ہیں' یہ بھی یاد رہے کہ ولد

صالح بھی آدمی کی نیک کمائی میں داخل ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ وَإِنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ))

[نسائی کتاب البیوع باب الحث علی الکسب (۴۴۶۱) ابوداؤد کتاب الاجارۃ باب الرجل یاکل من مال ولدہ (۳۵۲۸-۳۵۲۹) ترمذی کتاب الاحکام (۱۳۵۸) ابنِ ماجہ کتاب التجارات باب ما للرجل من مال ولدہ (۲۲۹۰) مستدرک حاکم ۴۶/۲، مسند احمد ۴۱/۶، ۱۲۶، ۱۶۲، ۱۷۳، ۱۹۳، ۲۰۱، ۲۲۰]

"بلاشبہ آدمی جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہے، وہ سب سے پاکیزہ ہے اور بلاشبہ آدمی کی اولاد اس کی کمائی سے ہے"۔

اور ابوداؤد کتاب الاجارۃ (۳۵۳۰) ابنِ ماجہ کتاب التجارات (۲۲۹۲) اور مسند احمد ۱۷۹/۲، ۲۰۴، ۲۱۴ میں بسند حسن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اس طرح بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ فَكُلُوا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ))

"بے شک تمہاری اولاد تمہاری سب سے پاکیزہ کمائی میں سے ہے۔ سو تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ"۔

معلوم ہوا کہ اولاد آدمی کی اپنی کمائی ہے لہٰذا اولاد جو نیک عمل کرے گی والدین کو اس میں سے اجر ملے گا۔

④ میت کے ولی کا اس کی جانب سے نذر کے روزوں کی قضا کرنا:

اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

① عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ))

[بخاری کتاب الصوم باب من مات وعلیه صوم (۱۹۵۲) مسلم کتاب الصیام باب قضاء الصیام عن المیت (۱۵۳-۱۱۴۷) ابوداؤد کتاب الصیام باب فیمن مات وعلیه صیام (۲۴۰۰) بیهقی ۲۷۹/۶ مسند احمد ۶۹/۶]

"جو آدمی مرجائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی جانب سے اس کا ولی روزہ رکھے"۔

② عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ :

((جَآءَتِ امْرَاَةٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ نَذْرٍ أَفَأَصُوْمُ عَنْهَا؟ قَالَ : أَرَاَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰى أُمِّكِ دَيْنٌ فَقَضَيْتِيْهِ أَكَانَ يُؤَدِّي ذٰلِكِ عَنْهَا؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ : فَصُوْمِيْ عَنْ أُمِّكِ))

[مسلم کتاب الصیام باب قضاء الصیام عن المیت (۱۵۶-۱۱۴۸)

بخاری کتاب الصوم باب من مات وعلیه صوم (۱۹۵۳)]

"ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی۔ اُس نے کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ میری ماں فوت ہو گئی ہے اور اس کے ذمے نذر کے روزے ہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں۔ آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو تُو اسے ادا کرتی۔ کیا وہ قرض اس کی طرف سے ادا کیا جائے گا؟ اُس نے کہا ہاں : آپ نے فرمایا تو اپنی ماں کی جانب سے روزے رکھ"۔

③ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

((أَنَّ امْرَاَةً رَكِبَتِ الْبَحْرَ فَنَذَرَتْ إِنْ نَجَّاهَا اللّٰهُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرًا فَنَجَّاهَا اللّٰهُ فَلَمْ تَصُمْ حَتّٰى مَاتَتْ فَجَاءَتْ اِبْنَتُهَا أَوْ أُخْتُهَا

اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَھَا اَنْ تَصُوْمَ عَنْھَا))

[ابوداؤد کتاب الایمان والنذور باب فی قضاء النذر عن المیت (۳۳۰۸)
طحاوی ۳/۱۴۰بیہقی ۴/۲۵۵ '۲۵۶ '۸۵/۱۰ مسند طیالسی (۲۶۳۰)]

"ایک عورت سمندر میں سوار ہوئی تو اس نے نذر مانی اگر اللہ تعالیٰ اسے نجات دے گا تو وہ ایک ماہ کے روزے رکھے گی سو اللہ تعالیٰ نے اسے نجات دی۔ اس نے روزے نہ رکھے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئی۔ اس کی بیٹی یا بہن نبی ﷺ کے پاس آئی۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس کی طرف سے روزے رکھے"۔

④ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

((أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِسْتَفْتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : اِنَّ أُمِّی مَاتَتْ وَعَلَیْھَا نَذْرٌ فَقَالَ اقْضِہٖ عَنْھَا))

[بخاری کتاب الوصایا (۲۷۶۱) مسلم کتاب النذر باب الامر بقضاء النذر ۱۶۳۸-۱ ابوداؤد کتاب الایمان والنذور باب فی قضاء النذر عن المیت (۳۳۰۷) ترمذی کتاب النذور والایمان باب ما جاء فی قضاء النذور عن المیت (۱۵۴۶) نسائی کتاب الوصایا (۳۶۶۲ '۳۶۶۴) ابن ماجہ کتاب الکفارات (۲۱۳۲)]

"سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا : میری والدہ فوت ہو گئی ہیں ان کے ذمہ نذر ہے۔ آپ نے فرمایا : اس کی طرف سے نذر کو پورا کر"۔

مندرجہ بالا احادیث صراحت سے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ میت کی طرف سے اس کا ولی نذر کا روزہ رکھ سکتا ہے' عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میت کی جانب سے ولی فرض روزہ بھی رکھ سکتا ہے لیکن راجح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد

بھی نذر کا روزہ ہے جیسا کہ دیگر احادیث میں نذر کے روزے کی توضیح ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول بھی اس کی وضاحت کرتا ہے جیسا کہ طحاوی ۱۴۲/۳ اور محلی ابن حزم ۴/۷ میں ہے۔ ایک تابعیہ عمرۃ فرماتی ہیں :

إِنَّ أُمَّهَا مَاتَتْ وَعَلَيْهَا مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ لِعَائِشَةَ أَقْضِيهِ عَنْهَا؟ قَالَتْ لَا بَلْ تُصَدَّقِي عَنْهَا مَكَانَ كُلَّ يَوْمٍ نِصْفَ صَاعٍ عَلَى كُلِّ مِسْكِيْنٍ

"ان کی والدہ فوت ہو گئیں اور ان کے ذمے رمضان کے روزے تھے تو انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ کیا میں اپنی طرف سے ماں کی طرف قضا کروں؟۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : نہیں بلکہ تو اس کی طرف سے ہر دن کے عوض آدھا صاع ہر کسی مسکین پر صدقہ کر"۔

اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

إِذَا مَرِضَ الرَّجُلُ فِيْ رَمَضَانَ ثُمَّ مَاتَ وَلَمْ يَصُمْ أُطْعِمَ عَنْهُ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ نَذْرٌ قَضٰى عَنْهُ وَلِيُّهُ

[ابو داؤد کتاب الصیام باب فیمن مات و علیه صیام (۲۴۰۱) المحلی ۷/۷]

"جب کوئی آدمی رمضان میں مریض ہو جائے پھر مرجائے اور اس نے روزے نہیں رکھے اس کی طرف سے کھانا (فدیے میں) دیا جائے اس پر قضا نہیں اور اگر اس پر نذر ہو تو اس کی طرف سے ولی قضا کرے"۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلٰكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ

[السنن الکبری للنسائی کتاب الصیام (۲۹۱۸) ۱۷۵/۲]

"کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز ادا نہ کرے اور نہ کوئی دوسرے کی طرف سے روزے رکھے لیکن دوسرے کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مد گندم کھانا دیا جائے گا"۔

اس اثر میں روزے سے مراد نذر کا ہی روزہ ہے۔ جیسا کہ ابنِ عباس کے اوپر والے اثر سے واضح ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ میت کی جانب سے صرف نذر کے روزے پورے کرنے چاہئیں اگر فرض روزے ہوں تو ان کے لیے فدیہ دیا جائے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

سَمِعْتُ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ قَالَ : لَا يُصَامُ عَنِ الْمَيِّتِ اِلَّا فِي النَّذْرِ

[مسائل ابوداؤد (۹۶)]

" میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا : انہوں نے فرمایا : میت کی طرف سے نذر کے روزوں کے علاوہ روزے نہ رکھے جائیں"۔

امام ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فَطَائِفَةٌ حَمَلَتْ هٰذَا عَلٰى عُمُوْمِهٖ وَ إِطْلَاقِهٖ وَقَالَتْ : يُصَامُ عَنْهُ النَّذْرُ وَالْفَرْضُ وَأَبَتْ طَائِفَةٌ ذٰلِكَ وَقَالَتْ : لَا يُصَامُ عَنْهُ نَذْرٌ وَلَا فَرْضٌ وَفَصَّلَتْ طَائِفَةٌ فَقَالَتْ : يُصَامُ عَنْهُ النَّذْرُ دُوْنَ الْفَرْضِ الْاَصْلِيِّ وَهٰذَا قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَصْحَابِهٖ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِاَنَّ فَرْضَ الصِّيَامِ جَارٍ مَجْرَى الصَّلَاةِ فَكَمَا لَا يُصَلِّي اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يُسْلِمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ فَكَذٰلِكَ الصِّيَامُ وَاَمَّا النَّذْرُ فَهُوَ الْتِزَامٌ فِي الذِّمَّةِ بِمَنْزِلَةِ الدَّيْنِ

[اعلام الموقعین ۳/۵۵۴]

"علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث کو عموم و اطلاق پر ہی محمول کیا

ہے اور کہا ہے میت کی طرف سے نذر اور فرض دونوں روزے رکھے جائیں اور ایک جماعت نے اس بات کا انکار کیا اور کہا نہ اس کی طرف سے فرض روزے رکھے جائیں اور نہ ہی نذر کے اور ایک جماعت نے تفصیل کی ہے کہ میت کی طرف سے نذر کے روزے رکھے جائیں اور فرض روزے نہ رکھے جائیں۔ یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ فرضی روزے نماز کی طرح ہیں۔ جیسے نماز دوسرے آدمی کی طرف سے ادا نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی دوسرے کی طرف سے اسلام قبول کیا جاتا ہے اسی طرح فرضی روزے بھی دوسرے کی جانب سے ادا نہیں ہو سکتے۔ اور نذر قرض کے مقام پر ہے اور ولی سے نذر کی قضا قبول ہو گی جیسے وہ قرض ادا کرتا ہے"۔

امام ابنِ قیم رحمہ اللہ نے اس مسئلے کی مزید وضاحت "تہذیب السنن ۲۸۲-۲۷۹/۳ میں کی ہے۔ وہاں ملاحظہ کریں۔ (بحوالہ کتاب الجنائز للشیخ الالبانی حفظہ اللہ تعالیٰ)

④ میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی :

میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی خواہ ولی کرے یا کوئی اور شخص۔ جب قرض کی ادائیگی ہو جائے گی تو میت کو اس کا نفع بھی ملتا ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی فوت ہو گیا۔ ہم نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا۔ خوشبو لگائی اور جنازہ گاہ میں رکھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جنازہ کی اطلاع دی۔ آپؐ تشریف لائے فرمایا : شاید تمہارے ساتھی کے ذمے قرض کی ادائیگی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہاں دو دینار اس پر قرض ہے۔ آپؐ پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا اپنے ساتھی پر تم جنازہ پڑھو۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا : اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی

ادائیگی کر دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے وہ دو دینار تجھ پر تیرے مال سے ادا کرنا لازم ہے اور میت ان سے بری ہے۔ نبی ﷺ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ملتے تو کہتے تم نے دو دیناروں کا کیا کیا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ وہ تو ابھی تو کل فوت ہوا ہے۔ پھر آپ دوبارہ ملے تو یہی بات پوچھی تو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے وہ قرض ادا کر دیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اب اس پر اس کی جلد ٹھنڈی ہوگئی یعنی قرض کی ادائیگی سے اس پر سے سختی اُٹھ گئی۔

[مستدرک حاکم ۵۸/۲ بیہقی ۷۴/۶-۷۵ مسند طیالسی (۱۶۷۳) مسند احمد ۳۳۰/۳ مجمع الزوائد ۳۹/۳]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی جانب سے قرض کی ادائیگی کوئی شخص بھی کر سکتا ہے جب قرض کی ادائیگی ہو تو میت کو نفع ملتا ہے۔ اس معنی کی کئی ایک احادیث اور بھی موجود ہیں۔

⑤ میت کی طرف سے صدقہ کرنا

① عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((إِنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَأُرَاهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ تَصَدَّقْ عَنْهَا))

[بخاری کتاب الوصایا باب ما یستحب لمن توفی فجاۃ ان یتصدقوا عنه وقضاء النذور عن المیت (۲۷۶۰-۱۳۸۸) ابوداؤد کتاب الوصایا (۲۸۸۱) مسلم کتاب الزکاۃ باب وصول ثواب الصدقة عن المیت الیه (۵۱-۱۰۰۴) نسائی کتاب الوصایا باب اذا مات الفجاۃ هل یستحب لاهله ان یتصدقوا عنه (۳۶۵۱) ابنِ ماجه کتاب الوصایا (۲۷۱۷) بیهقی ۶۲/۴ مسند احمد ۵۱/۶]

"ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا میری ماں اچانک فوت ہو گئی ہے۔ میرا

خیال ہے اگر مرتے وقت وہ بات کر سکتی تو صدقہ کرتی۔ کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟ آپؐ نے فرمایا : ہاں تو اس کی طرف سے صدقہ کر"۔

④ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

((إِنَّ رَجُلاً قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمَّهُ تُوُفِّيَتْ أَيَنْفَعُهَا إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ : فَإِنَّ لِيْ مِخْرَافًا فَإِنَّا أُشْهِدُكَ أَنِّيْ قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا))

[بخاری کتاب الوصایا (۲۷۷۰-۲۷۵۶-۲۷۶۲) ابوداؤد کتاب الوصایا (۲۸۸۲) ترمذی کتاب الزکاۃ باب ما جاء فی الصدقۃ عن المیت (۶۶۹) نسائی کتاب الوصایا باب فضل الصدقۃ عن المیت (۳۶۵۶'۳۶۵۷) بیہقی ۲۷۸/۶]

"ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اس کی ماں فوت ہو گئی ہے اگر میں اسکی طرف سے صدقہ کروں کیا اسے نفع ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا : ہاں۔ تو اس آدمی نے کہا میرا ایک پھل دار باغ ہے میں آپؐ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں میں نے وہ باغ اس کی طرف سے صدقہ کر دیا"۔

بخاری (۲۷۵۶'۲۷۶۲) میں صراحت ہے کہ وہ آدمی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اپنی ماں کی وفات کے وقت غائب تھے پھر انہوں نے یہ سوال رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

((إِنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ أَبِيْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالاً وَلَمْ يُوْصِ وَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ))

[نسائی کتاب الوصایا (۳۶۵۴) مسلم کتاب الوصیۃ باب وصول ثواب الصدقات إلی المیت (۱۱-۱۶۳۰) بیہقی ۲۷۸/۶ مسند احمد ۳۷۱/۲ ابن ماجه

کتاب الوصایا(۲۷۱۶)]

"ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور اس نے ترکے میں مال چھوڑا ہے اور وصیت نہیں کی میرا اس کی طرف سے صدقہ کرنا کیا اس کے لئے کفارہ بنے گا؟ آپ نے فرمایا : ہاں"۔

④ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عاص بن وائل نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے ۱۰۰ غلام آزاد کیے جائیں اس کے بیٹے ہشام نے ۵۰ غلام اس کی طرف سے آزاد کر دیئے۔ اس کے بیٹے عمرو نے ارادہ کیا کہ باقی ۵۰ غلام وہ آزاد کر دے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ نے ۱۰۰ غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی جن میں سے ۵۰ غلام ہشام نے آزاد کر دیئے ہیں جبکہ ۵۰ غلام آزاد کرنے باقی ہیں کیا میں اس کی طرف سے آزاد کر دوں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا :

((إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذٰلِكَ))

"اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا حج کرتے تو اس کا اجر اسے پہنچتا"۔

ابوداؤد کتاب الوصایا (۲۸۸۳) بیہقی ۲۷۹/۶ نیز مسند احمد ۱۸۲/۲ میں ہے۔ آپ نے فرمایا : ((أَمَّا اَبُوْكَ فَلَوْ كَانَ اَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهُ ذٰلِكَ))

"اگر تیرے باپ نے توحید کا اقرار کیا ہوتا اور تو اس کی طرف سے روزے یا صدقہ کرتا تو اسے اس کا نفع ہوتا"۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اولاد والدین کی طرف سے اگر صدقہ کریں۔ غلام آزاد کریں تو انہیں نفع ہوتا ہے بشرطیکہ والدین نے توحید کا اقرار کیا ہو۔ مشرک والدین کو فائدہ نہیں ہوتا۔ نیک اولاد والدین کی کمائی ہے جیسا کہ اوپر گزر

چکا ہے۔ اولاد کے علاوہ دیگر افراد کا میت کی طرف سے صدقہ کرنا محتاج دلیل ہے۔
قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَأَحَادِيْثُ الْبَابِ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الصَّدَقَةَ مِنَ الْوَلَدِ تَلْحَقُ الْوَالِدَيْنِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا بِدُوْنِ وَصِيَّةٍ مِنْهُمَا وَيَصِلُ إِلَيْهِمَا ثَوَابُهَا فَيُخَصَّصُ بِهٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ عُمُوْمُ قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ وَلٰكِنْ لَيْسَ فِيْ أَحَادِيْثِ الْبَابِ اِلَّا لُحُوْقُ الصَّدَقَةِ مِنَ الْوَلَدِ وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ وَلَدَ الْاِنْسَانِ مِنْ سَعْيِهٖ فَلَا حَاجَةَ إِلٰى دَعْوَى التَّخْصِيْصِ وَاَمَّا مِنْ غَيْرِ الْوَلَدِ فَالظَّاهِرُ مِنَ الْعُمُوْمَاتِ الْقُرْآنِيَّةِ اَنَّهٗ لَا يَصِلُ ثَوَابُهٗ اِلَى الْمَيِّتِ فَيُوْقَفُ عَلَيْهَا حَتّٰى يَاْتِيَ دَلِيْلٌ يَقْتَضِيْ تَخْصِيْصَهَا

[نیل الاوطار ۱۰۵/۴ تحت باب وصول ثواب القرب المهداة الى الموتى]

”اس باب کی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اولاد کی طرف سے صدقہ والدین کی وصیت کے بغیر ان کی وفات کے بعد انہیں ملتا ہے اور اس کا ثواب انہیں پہنچتا ہے۔ ان احادیث کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فرمان (نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہی جو اس نے کوشش کی) کے عموم کی تخصیص کی جاتی ہے۔ لیکن باب کی احادیث میں صرف اولاد کے صدقے کا ذکر ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی و کوشش سے ہے لہٰذا تخصیص کے دعوے کی حاجت نہیں بہرکیف اولاد کے علاوہ دیگر افراد قرآنی عمومات میں شامل ہیں ان کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اس پر توقف کیا جائے گا یہاں تک کہ ایسی دلیل مل جائے جو تخصیص کا تقاضا کرے“۔

معلوم ہوا کہ اولاد کے علاوہ دیگر افراد کا میت کی طرف سے صدقہ کرنا بے

دلیل ہے۔

⑥ میت کی طرف سے حج کرنا:

میت کی طرف سے حج کرنے کی ایک دلیل تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو کہ اوپر ابوداؤد اور بیہقی کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

((إِنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ؟ اقْضُوا اللّٰهَ فَاللّٰهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ))

[بخاری کتاب جزاء الصید باب الحج والنذور عن المیت (۱۸۵۲) نسائی کتاب المناسك (۲۶۳۲-۲۶۳۱-۲۶۳۳) مسند احمد ۱/ ۲۳۹، ۲۷۹، ۳۴۵]

"جہینہ قبیلے کی ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی۔ اُس نے کہا: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اس نے حج نہ کیا یہاں تک کہ فوت ہو گئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں تو اس کی طرف سے حج کر۔ بتاؤ کیا تیری ماں پر قرض ہوتا تو تم ادا کرتی؟ اللہ کا حق ادا کرو۔ اللہ وفا کا زیادہ حقدار ہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے حج اگر کیا جائے تو اسے نفع ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا اعمال کے علاوہ قل، تیجے، ساتویں، چالیسویں قرآن خوانی وغیرہ ایسے اُمور ہیں جن کا ذکر کسی بھی حدیث صحیح میں موجود نہیں بلکہ یہ صرف اور صرف رسوم ہیں شرع سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ امام العزبن عبدالسلام رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا:

((وَمَنْ فَعَلَ طَاعَةً لِلّٰهِ تَعَالَى ثُمَّ أَهْدَى ثَوَابَهَا إِلَى حَيٍّ أَوْ مَيِّتٍ

لَمْ يَنْتَقِلْ ثَوَابُهَا إِلَيْهِ إِذْ ﴿ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى ﴾ فَإِنْ شَرَعَ فِي الطَّاعَةِ نَاوِيًا أَنْ يَّقَعَ عَنِ الْمَيِّتِ لَمْ يَقَعْ عَنْهُ إِلَّا فِيمَا اسْتَثْنَاهُ الشَّرْعُ كَالصَّدَقَةِ وَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ))

[كتاب الجنائز للشيخ الالبانى حفظه الله تعالى ص : ٢٢٠]

"جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کوئی کام کیا پھر اس کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کو بخشا تو اللہ کی اطاعت کا ثواب اسے نہیں پہنچے گا کیونکہ قرآن میں ہے : (انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی) اگر کسی اطاعت کی ابتداء اس نیت سے کی کہ اس کا ثواب فلاں میت کو مل جائے تو یہ میت کی طرف سے واقع نہیں ہوگی۔ ہاں وہ چیزیں میت کی طرف سے واقع ہوں گی جنہیں شریعت نے مستثنیٰ قرار دیا ہے جیسے صدقہ' روزہ اور حج"۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ صریحہ اور ائمہ محدثین کی توضیحات سے معلوم ہوا کہ میت کو صرف انہی اعمال کا فائدہ ہوتا ہے جن کا بالتفصیل اوپر ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تیجہ' ساتواں' چالیسواں' گیارھویں شریف' قرآن خوانی جیسے اُمور کا کسی صحیح حدیث میں تذکرہ نہیں ہے یہ ہنود کی رسوم ہیں تفصیل کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی "تحفۃ الہند" کا مطالعہ کریں۔

غیر محرم عورت کے جنازے کو کندھا دینا

س: کیا غیر محرم مَرد غیر محرم عورت کی میت کو کندھا دے سکتا ہے کہ نہیں؟ اکثر دوست کہتے ہیں دے سکتا ہے بلکہ دینا چاہیے' اس سے اَجر و ثواب ملتا ہے کہنے والے بھائی نے اچھی طرح وضاحت نہیں کی۔ آپ برائے مہربانی قرآن و سُنّت کی رو سے وضاحت کریں۔ (محمد وسیم سلفی' کوٹ رادھا کشن)

ج: جب مسلمان مَرد یا عورت فوت ہو جائے تو حقوق العباد میں سے

ایک حق یہ ہے کہ اس کے جنازے کے پیچھے جائیں اور جنازے کو اُٹھائیں۔ اور جنازہ اُٹھانے والے اور پیچھے جانے والے مرد ہی ہوتے ہیں۔ عورتوں کے لیے مکروہ ہے۔ نبی ﷺ نے عورت کے جنازے کو کندھا دینے کے لیے محرم اور غیر محرم کا فرق نہیں کیا۔ کوئی بھی مسلمان میت کو کندھا دے سکتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ : رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ))

[بخاری مع فتح الباری کتاب الجنائز باب الامر باتباع الجنائز (۱۲۴۰)، مسلم (۲۱۶۲)، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۲۲۱)، ابوداؤد (۵۰۳۰)، بیہقی ۳/۳۸۶]

"مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازوں کے پیچھے جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کو جواب دینا"۔

اسی طرح ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عُوْدُوا الْمَرْضٰى وَاتَّبِعُوا الْجَنَائِزَ تُذَكِّرْكُمُ الْآخِرَةَ))

[مسند ابی یعلی (۱۱۱۹، ۱۳۲۲، ۱۳۲۰)، موارد الظمآن (۷۰۹)، مسند احمد ۳/۳۱-۳۲، ۴۸، مسند بزار (۵۲۲)، ابن ابی شیبہ ۳/۲۳۵، شرح السنۃ ۵/۳۸۷، ۳۷۹، کتاب الزہد لابن المبارک (۲۳۸)، الادب المفرد (۵۱۸)، مسند الشہاب (۷۲۷)، السنن الکبری للبیہقی ۳/۳۷۹، ۳۸۰]

"بیماروں کی عیادت کرو، جنازوں کے پیچھے جاؤ، یہ تمہیں آخرت یاد دلائیں گے"۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ مردوں کو جنازوں کے پیچھے

جانے کا حکم ہے اور نبی ﷺ نے اس میں عورت کے لیے محرم و غیر محرم کی تخصیص نہیں کی۔ اور عورتوں کو جنازوں کے پیچھے آنے سے منع کیا گیا۔ اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا))

[بخاری کتاب الجنائز باب اتباع النساء الجنائز (۱۲۷۸) مع فتح الباری المنتقی لابن الجارود (۵۳۱) مسلم (۹۳۸) ابو داؤد (۳۱۶۷) ابن ماجه (۱۵۷۷) مسند احمد ۴۰۸/۶، ۴۰۹ عبدالرزاق ۴۵۴/۳، ۴۵۵ السنن الکبری للبیهقی ۷۷/۴]

"ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے روک دیا گیا اور ہمیں منع میں تاکید نہیں کی گئی"۔

معلوم ہوا کہ جنازوں کے ساتھ جانے کا حکم مردوں کو ہے عورتوں کو نہیں لہٰذا مرد ہی جنازے کو کندھا دیں گے۔ میت کو اُٹھانے اور قبر میں اُتارنے کے لئے محرم کی شرط کا کوئی ثبوت نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب حمل الرجال الجنازة دون النساء میں بھی یہ سمجھایا ہے کہ جنازہ اُٹھانا مردوں کا کام ہے عورتوں کا نہیں بلکہ ایک صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر محرم آدمی عورت کی میت کو قبر میں اُتار سکتا ہے جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((شَهِدْنَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ — فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ: هَلْ فِيكُمْ مِنْ أَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟ فَقَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَنَا قَالَ: فَانْزِلْ فِيْ قَبْرِهَا فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا فَقَبَرَهَا))

[صحیح البخاری کتاب الجنائز باب من یدخل قبر المراة (۱۳۴۲)]

"ہم نبی ﷺ کی بیٹی کے جنازے میں موجود تھے۔ آپ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے آج رات بیوی سے صحبت

نہیں کی۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ نے فرمایا تم اس کی قبر میں اُترو۔ تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ قبر میں اُترے اور انہیں قبر میں دفنایا"۔

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو قبر میں اُتارنا اس بات کی دلیل ہے کہ غیر محرم مرد عورت کو جب قبر میں اُتار سکتا ہے تو اسے جنازے میں کندھا دینے سے کونسی چیز مانع ہے۔

كتاب

العيدين

رمضان اور عید الفطر

فضائل اور مسائل کے آئینے میں

رمضان المبارک کا مہینہ بڑی خیر و برکت والا ہے۔ اس کے آغاز سے ہی جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ انسان کو گمراہ کرنے والے سرکش و بڑے بڑے شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ اس ماہ کی آمد پر مساجد کی رونق اس قدر دوبالا ہو جاتی ہے کہ باقی ایام میں اتنی رونق دکھائی نہیں دیتی۔ لوگ تلاوت قرآن حکیم' ذکر باری تعالیٰ' صدقات و خیرات' قیام اللیل اور دیگر نیکیوں میں بکثرت حصہ لیتے ہیں۔ غرض جتنے فضائل اس ماہ کو حاصل ہیں وہ کسی اور کو نہیں۔ چند ایک اہم ترین خصوصیات اس ماہ کی درج ذیل ہیں :

شہر القرآن :

اس مبارک مہینے میں اللہ وحدہٗ لا شریک نے اپنی اس کتاب مقدس کو نازل کیا ہے جسے ﴿ هُدًى لِلنَّاسِ ﴾ اور ﴿ شِفَآءٌ المومنین ﴾ بنایا۔ جس کے مقابل آج تک کوئی ایسی کتاب دنیا میں نہیں پائی گئی اور نہ ہی قیامت تک ایسی کتاب کوئی لا سکتا ہے جس کا ایک ایک حرف لاریب اور اعجاز سے بھرا پڑا ہے۔ جو صراط مستقیم اور رشد و ہدایت کی راہ کو واضح کرنے والی ہے' جسے رمضان المبارک کی خیر و برکات سے

پر عظمت رات میں نازل کیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ﴾

[البقرہ۲: ۱۸۵]

"رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو کہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی کھلی دلیلیں ہیں۔ جو کوئی تم میں سے اس مہینہ میں حاضر ہو' وہ اس میں روزے رکھے"۔

جنّت کے دروازوں کا کھلنا اور جہنم کے دروازوں کا بند ہونا :

اس ماہ مبارک میں زمین پر شر میں کمی واقع ہوتی ہے اس لیے کہ سرکش شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جس طرح وہ غیر رمضان میں فساد پھیلاتے ہیں' اس طرح اس ماہ میں نہیں پھیلاتے۔ لوگ روزہ' قراءت قرآن اور تمام ایسی عبادات میں مشغول ہوتے ہیں جو نفس کی مرمت و تہذیب کرتی ہیں۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((إِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النِّیْرَانِ وَصُفِّدَتِ الشَّیٰطِیْنُ)) [بخاری مع فتح الباری ۴/۹۷'مسلم (۱۰۹۷)]

"رمضان المبارک کی آمد ہوتی ہے' جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے"

اور یہ سارا معاملہ رمضان المبارک کی پہلی رات میں طے پا جاتا ہے۔

جیسا کہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ :

((إِذَا کَانَ اَوَّلُ لَیْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَةُ

الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِي مُنَادِيًا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ))

[ترمذی (۶۸۲) ابن ماجه (۱۶۴۲) ابن خزیمه ۳/۱۸۸]

"جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور آگ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھولا نہیں جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا اور ایک آواز لگانے والا آواز دیتا ہے' اے خیر کے طالب آگے آ اور اے برائی کے طالب رک جا اور اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ لوگ آگ سے آزاد کیے جاتے ہیں اور یہ (آزادی کا معاملہ) ہر رات ہوتا رہتا ہے"۔

دعائے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور رمضان المبارک :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُّغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهُ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ))

[ترمذی' مشکوۃ ۱/۸۶]

"اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مہینہ آئے اور گزر جائے اور اس کی بخشش کا موجب نہ بنے اور اس آدمی کی خاک ناک آلود ہو جس کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اس کے پاس بوڑھا ہو جائے' وہ اس کے لیے جنت کے داخلے کا باعث

نہ بنیں"۔

رمضان المبارک اور عمرہ :

سیدنا عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

((سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُنَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِمْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ (سَمَّاهَا ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَسِيتُ اسْمَهَا) مَا مَنَعَكِ أَنْ تَحُجِّي مَعَنَا؟ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ لَنَا إِلَّا نَاضِحَانِ فَحَجَّ أَبُو وَلَدِهَا وَابْنُهَا عَلَى نَاضِحٍ وَتَرَكَ لَنَا نَاضِحًا نَنْضَحُ عَلَيْهِ قَالَ فَإِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَاعْتَمِرِي فَإِنَّ عُمْرَةً فِيهِ تَعْدِلُ حَجَّةً)) [مسلم ۱/۴۰۹]

"میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت سے کہا : ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا نام لیا لیکن میں اس عورت کا نام بھول گیا ہوں' تمہیں ہمارے ساتھ حج پر جانے میں کون سی چیز مانع ہے تو اس عورت نے کہا' ہمارے پاس صرف دو اونٹ ہیں۔ ایک پر میرا شوہر اور بیٹا دونوں حج پر گئے ہیں اور ہمارے پاس باقی ایک اونٹ ہے جس پر ہم پانی وغیرہ لاد کر لاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے کہا : جب رمضان المبارک کا مہینہ آئے تو عمرہ کر لینا کیونکہ رمضان المبارک کا عمرہ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے"۔

رمضان کا چاند :

رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہیے۔ اسلامی مہینہ کبھی ۲۹ دن ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ دن کا شعبان المعظم کی ۲۹ تاریخ کو اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان المعظم کے ۳۰ دن پورے کر لئے جائیں۔ اگر شعبان کی آخری تاریخ ا

رمضان المبارک کی یکم تاریخ میں شک ہو تو روزہ نہ رکھے بلکہ شعبان کے ۳۰ دن پورے شمار کر کے اس شک کا ازالہ کرلے۔ کیونکہ اسلامی مہینہ ۳۰ دن سے زائد کا نہیں ہوتا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ وَافْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا شَعْبَانَ ثَلاَثِيْنَ)) [بخاری مع فتح الباری ۱۰۶/۴ مسلم (۱۰۸۱)]

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ ہی افطار کرو۔ اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو"۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لاَ تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلاَلَ وَلاَ تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْالَهٗ)) [بخاری مع فتح الباری ۱۰۲/۴ مسلم (۱۰۸۰)]

"اتنی دیر تک روزہ نہ رکھو جب تک تم چاند نہ دیکھ لو اور اتنی دیر تک روزہ افطار نہ کرو جب تک تم چاند نہ دیکھ لو۔ اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو تو چاند کا اندازہ کرو"۔

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فَصُوْمُوْا ثَلاَثِيْنَ إِلاَّ إِنْ تَرَوُا الْهِلاَلَ قَبْلَ ذٰلِكَ))

[مشکل الآثار للطحاوی (۵۰۱) مسند احمد ۳۷۷/۴ طبرانی کبیر ۱۷/۱۷۱ الارواء (۹۰۱) للشیخ الالبانی]

"جب رمضان المبارک کی آمد ہو جائے تو تیس روزے رکھو سوائے اس کے کہ تم اس سے پہلے چاند دیکھ لو"۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِيْ يَشُكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

[بخاری مع فتح الباری ۱۱۹/۴ ابوداؤد (۲۳۳۴) ترمذی (۶۸۶) ابنِ ماجه (۳۳۳۴) نسائی (۲۱۸۸) تغلیق التعلیق ۱۴۱/۳، ۱۴۲]

"جس نے مشکوک دن کا روزہ رکھا' اس نے ابو القاسم محمد ﷺ کی نافرمانی کی"۔

رمضان کے چاند کے گواہ :

رویت ہلال کے ثبوت کے لیے دو عادل مسلمانوں کی گواہی ہونی چاہیے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَافْطِرُوا لِرُؤْيَتِهٖ وَانْسِكُوا لَهَا فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا ثَلَاثِيْنَ فَإِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ فَصُوْمُوا وَافْطِرُوا))

[نسائی ۱۳۲/۴ مسند احمد ۳۲۱/۴ دار قطنی ۱۶۷/۲]

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر ہی افطار کرو اور اسی کی بنا پر قربانی کرو۔ اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن مکمل کرو اگر دو گواہ گواہی دیں تو روزہ رکھو اور افطار کرو"۔

اور اگر دو عادل مسلمان نہ ہوں تو ایک مسلمان کی ہی گواہی ملے تو وہ بھی کفایت کرتی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ :

((تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّيْ رَأَيْتُهٗ فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهٖ))

[ابوداؤد (۲۳۴۲) دارمی ۴/۲ ابنِ حبان (۸۷۱) حاکم ۴۲۳/۱ بیہقی ۲۱۲/۴ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس کی سند صحیح ہے۔ التلخیص الحبیر ۱۸۷/۲]

"لوگوں نے چاند دیکھنا شروع کیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند کو دیکھا ہے تو آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی

روزہ رکھنے کا حکم دیا"۔

اس بات کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

((جَآءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : إِنِّيْ رَأَيْتُ الْهِلَالَ يَعْنِي رَمَضَانَ قَالَ : أَتَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ : يَا بِلَالُ أَذِّنْ فِي النَّاسِ فَلْيَصُوْمُوْا غَدًا))

[ابوداؤد کتاب الصیام باب فی شهادة الواحد علی رؤیة هلال رمضان (۲۳۴۰، ۲۳۴۱) ترمذی کتاب الصوم (۶۹۱) نسائی کتاب الصیام (۲۱۱۱) ابن ماجه (۱۶۵۲)]

"ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا : کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں؟ تو اس نے کہا ہاں۔ پھر آپؐ نے فرمایا : کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس نے کہا ہاں۔ پھر آپؐ نے فرمایا : اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں"۔

[یہ روایت سنداً کمزور ہے لیکن اسے یہاں پر بطور تائید و استشہاد نقل کیا ہے]

اس حدیث سے جہاں ہمیں یہ معلوم ہوا کہ رویت ہلال کے بارے میں ایک آدمی کی گواہی بھی کافی ہوتی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر چاند کی گواہی دینے والے کے بارے میں پوری طرح آگاہی نہ ہو تو اس کے بارے میں تسلی اور اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہو۔

رؤیت ہلال کی دعا :

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا چاند دیکھتے تو کہتے :

((اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ))

[ترمذی (۳۴۴۷) مسند احمد ۱/۱۶۲ دارمی (۱۶۹۵) حاکم ۴/۲۸۵ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۱۸۱۶)]

"اے اللہ! یہ چاند ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ نکال۔ (اے چاند!) میرا اور تیرا رب اللہ ہے"۔

روزہ :

عربی زبان میں روزہ کے لیے لفظ "صوم" مستعمل ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں :

اَلصَّوْمُ وَالصِّيَامُ فِي اللُّغَةِ "اَلْإِمْسَاكُ" وَقَالَ الرَّاغِبُ الصَّوْمُ فِي الْأَصْلِ "اَلْإِمْسَاكُ عَنِ الْفِعْلِ" [فتح الباری ۴/۱۰۲]

صوم اور صیام کا لغوی معنی "رکنا" ہے۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں : اصل میں صوم کا معنی "کام سے رکنا" ہے۔

وَفِي الشَّرْعِ إِمْسَاكٌ مَخْصُوْصٌ فِيْ زَمَنٍ مَخْصُوْصٍ بِشَرَائِطَ مَخْصُوْصَةٍ [فتح الباری ۴/۱۰۲]

"اصطلاح شرع میں مخصوص وقت میں مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص رکنا ہے"۔

فرضیت روزہ :

رمضان المبارک کے روزے کی فرضیت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ [البقرة ۲ : ۱۸۳]

"اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بنو"۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا :

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ [بقرة ۲ : ۱۸۵]

"جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو' وہ روزہ رکھے"۔

روزہ کب فرض ہوا؟

محدث امیر یمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَكَانَ مَبْدَءُ فَرْضِهِ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الْهِجْرَةِ

[سبل السلام ۱/۱۵۰]

"روزے کی فرضیت کی ابتداء سن دو ہجری میں ہوئی"۔

روزے کا ثواب :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

[بخاری مع فتح الباری ۴/۹۹ مسلم (۷۵۹)]

"جس نے رمضان کا روزہ ایمان اور ثواب سمجھ کر رکھا' اس کے سابقہ

گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں"۔

سیدنا عمرو بن مرہ الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

((جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ شَهِدْتُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَصَلَّيْتُ الْخَمْسَ وَاَدَّيْتُ الزَّكَاةَ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَقُمْتُهُ فَمِمَّنْ أَنَا؟ قَالَ "مِنَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ")) [ابن حبان (١٩)]

"ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' اس نے کہا : اے اللہ کے رسول! اگر میں اس بات کی گواہی دوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں پانچ نمازیں ادا کروں' زکوٰۃ دوں' رمضان کے روزے رکھوں اور اس کا قیام کروں تو میں کن لوگوں میں شمار ہوں گا؟ آپ نے فرمایا : "صدیقین اور شہداء میں"۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

((اَلصَّوْمُ فَاِنَّهُ لِيْ وَاَنَا اُجْزٰى بِهٖ))

[صحیح البخاری مع فتح الباری ۴/۱۱۸ مسلم (١١٥١)]

"روزہ میرے لیے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا یا میں ہی اس کی جزا ہوں"۔

سحری :

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتٰبِ اُكْلَةُ السَّحَرِ))

[مسلم (١٠٩٦)]

"ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان حد فاصل سحری کھانا ہے"۔

سیدنا سلیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((اَلْبَرَكَةُ فِي ثَلَاثَةٍ اَلْجَمَاعَةُ وَالثَّرِيْدُ وَالسَّحُوْرُ))

[طبرانی کبیر (۶۱۲۷) ذکر اخبار اصبهان ۱/ ۵۷ مجمع الزوائد ۳/ ۱۵۱ موضع اوهام الجمع والتفریق ۱/ ۲۶۳]

"تین چیزوں میں برکت ہے جماعت' ثرید اور سحری"۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَةً))

[بخاری ۴/ ۱۲۰ مسلم (۱۰۹۵)]

"سحری کھاؤ کیونکہ سحری کے کھانے میں برکت ہے"۔

بہترین سحری :

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((نِعْمَ سُحُوْرِ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ))

[ابو داؤد ۲/ ۳۰۳' ابنِ حبان (۲۲۳) بیهقی ۴/ ۲۳۷]

"مؤمن کی بہترین سحری کھجور کھانا ہے"۔

تاخیر سحری :

سحری تاخیر سے کھانا مستحب ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سحری کھائی۔ جب سحری سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ کے سحری سے فارغ ہونے اور فجر کی نماز کی ادائیگی میں اتنا فاصلہ تھا کہ آدمی تقریباً پچاس آیتیں تلاوت کر لیتا ہے۔ سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

((تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ

قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالسُّحُورِ؟ قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ آيَةً))

[بخاری ۴/۱۱۸' مسلم (۱۰۹۷)]

"ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھائی۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے (سیدنا انس کہتے ہیں) میں نے زید رضی اللہ عنہ سے کہا اذان اور سحری میں کتنا فاصلہ تھا؟ تو انہوں نے کہا تقریباً پچاس آیات کا"۔

نوٹ: سحری کی کوئی مخصوص دُعا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

افطاری :

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ [البقرۃ ۲ : ۱۸۷]

"روزہ رات تک پورا کرو"۔

نبی ﷺ سے اس کی تفسیر یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

((إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ)) [بخاری ۱/۲۶۲]

"جب رات اس (مشرق) کی طرف سے آ جائے اور دن اس (مغرب) کی طرف جائے تو روزہ دار روزہ کھول دے"۔

سیدنا عمرو بن میمون الاودی سے مروی ہے کہ :

((كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرَعَ النَّاسِ إِفْطَارًا وَأَبْطَاهُمْ سُحُوْرًا))

[مصنف عبدالرزاق (۷۵۹۱) فتح الباری ۴/۱۹۹ مجمع الزوائد ۳/۱۵۴]

"محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں سے جلد افطار کرنے والے اور سحری تاخیر سے کھانے والے تھے"۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ))

[بخاری ۱۷۳/۴، مسلم (۱۰۹۳)]

"لوگ ہمیشہ بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ افطاری میں جلد کریں گے"۔

ابوداؤد ۳۰۵/۲ اور ابنِ حبان (۲۲۴) کی روایت میں افطاری تاخیر سے کرنے کو یہودیوں اور عیسائیوں کا عمل بتایا گیا ہے۔

افطاری کس چیز سے کی جائے؟

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ عَلٰى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتَمَرَاتٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ تَمَرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَّآءٍ))

[مسند احمد ۱۶۳/۳، ابوداؤد ۳۰۶/۲، ابن خزیمہ ۲۷۷/۳-۲۷۸، ترمذی ۷۰/۳]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز (مغرب) سے قبل تر کھجوروں کے ساتھ روزہ افطار کرتے اور اگر تر کھجوریں میسر نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں (چھوہارے) سے روزہ افطار کرتے اور اگر خشک کھجوریں نہ ملتیں تو پانی کے چند گھونٹ بھر لیتے"۔

افطار کے وقت کیا کہے؟

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهٖ لَدَعْوَةً مَّا تُرَدُّ))

[ابنِ ماجہ ۵۵۷/۱، حاکم ۴۲۲/۱، طیالسی (۲۹۹)، ابنِ السنی (۱۲۸)]

"روزہ دار کی افطاری کے وقت دعا رد نہیں کی جاتی"۔

لہٰذا روزہ دار کو روزہ افطار کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنی چاہئیں جو دین و

دنیا کی بہتری کے متعلق ہوں۔

افطاری کی دُعا :

رسول اللہ ﷺ افطاری کے وقت یہ دُعا کرتے تھے :

((ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ))

[ابو داؤد ۲/۳۰۶ بیہقی ۴/۲۳۹ حاکم ۱/۴۲۲ ابنِ السنی (۱۲۸) عمل الیوم واللیلہ (۲۶۹) دار قطنی ۲/۱۸۵]

"پیاس چلی گئی' رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا اگر اللہ نے چاہا"۔

روزہ افطار کرانا :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا))

[مسند احمد ۴/۱۱۴-۱۱۶'۵/۱۹۲ ترمذی (۸۰۴) ابنِ ماجہ (۱۷۴۶) ابنِ حبان (۸۹۵)]

"جس نے روزہ دار کو روزہ افطار کروایا' اس کا اجر روزے دار کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ روزے دار کے اجر سے کچھ بھی کمی نہیں کرتا"۔

افطار کروانے والے کے لیے دُعا :

((أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ))

[ابن ابی شیبہ ۳/۱۰۰ احمد ۳/۱۱۸ عمل الیوم واللیلہ (۲۶۸) عبدالرزاق ۴/۳۱۱]

"تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور فرشتوں نے تمہارے اوپر دُعا کی اور روزے داروں نے تمہارے پاس افطار کیا"۔

مباحات روزہ :

① مسواک کرنا [بخاری ۳۱۱/۲، مسلم (۲۵۲)]

② حالتِ جنابت میں سحری کھانا پھر بعد میں غسل کر لینا۔
[بخاری ۱۲۳/۴، مسلم (۱۱۰۹)]

③ بیوی سے ملاقات و بوسہ لینا، بشرطیکہ اپنے اوپر کنٹرول ہو۔
[بخاری ۱۳۱/۴ مسلم (۱۱۰۶)]

④ حالت روزہ میں سینگی لگوانا۔
[بخاری ۱۵۵/۴ ناسخ الحدیث و منسوخہ لابن شاہین (۳۴۴-۳۴۸)]

⑤ کسی چیز کو چکھنا جو حلق میں داخل نہ ہو۔
[بخاری ۱۵۴/۴، ابنِ ابی شیبہ ۴۷/۳، بیہقی ۲۶۱/۴]

⑥ سرمہ لگانا اور ناک میں دوائی ڈالنا۔ [بخاری ۱۵۳/۴ تغلیق التعلیق ۱۵۳/۳-۱۵۲]

⑦ غسل کرنا۔ [ابوداؤد (۲۳۶۵) احمد ۳۷۶/۵، ۳۸۰، ۴۰۷، ۴۳۰]

⑧ بھیگا کپڑا اوڑھنا۔ [بخاری ۱۵۳/۴]

⑨ گرد و غبار یا مکھی وغیرہ کا حلق میں چلے جانا۔ [فتح الباری ۱۵۵/۱]

⑩ قے کا آجانا۔ [ترمذی ۹۰/۱]

⑪ بھول کر کھانا پینا۔ [بخاری ۱۳۵/۴ مسلم (۱۱۵۵)]

مفسداتِ روزہ :

① جان بوجھ کر کھانا پینا۔ [بخاری ۱۳۵/۴ مسلم (۱۱۵۵)]

② جان بوجھ کر قے کرنا۔ [ابوداؤد ۳۱۰/۲ ترمذی ۷۹/۳ ابنِ ماجہ ۵۳۶/۱]

③ حیض و نفاس۔ [بخاری ۴۲۹/۴ مسلم (۳۳۵)]

④ جماع کرنا۔ [بخاری ۵۱۶/۱۱ مسلم (۱۱۱۱) ترمذی (۷۲۴)]

ممنوعات روزہ :

① جھوٹ اور اعمال بد۔ [بخاری ۴/۹۹]

② لڑائی اور گالی گلوچ۔ [ابن خزیمہ (۹۹۶) حاکم ۱/۴۳۰-۴۳۱]

③ ناک میں پانی ڈالتے وقت مبالغہ کرنا۔

[ترمذی ۳/۱۴۶ ابوداؤد ۲/۳۰۸ احمد ۴/۳۲ ابن ابی شیبہ ۳/۱۰۱ ابن ماجہ (۴۰۷)]

رخصت روزہ برائے :

① مسافر (بقرۃ ۲ : ۱۸۵)

② مریض (بقرۃ ۲ : ۱۸۵)

③ حائضہ اور نفاس والی [بخاری ۴/۴۲۹ مسلم (۳۳۵)]

④ حاملہ اور دودھ پلانے والی [ترمذی ۷۱۵ نسائی ۴/۱۸۰ ابوداؤد ۲۴۰۸ ابن ماجہ (۱۶۶۷)]

⑤ بوڑھا مرد و بوڑھی عورت

[بخاری (۴۵۰۵) شرح السنہ ۶/۳۱۶ نیل الاوطار ۴/۳۱۵ ارواء الغلیل ۴/۲۲، ۲۵]

روزہ کی قضاء :

اگر رمضان المبارک میں کسی وجہ سے متروک ہو جائیں تو بعد میں ان کی قضا ضروری ہے۔ [بخاری ۴/۱۶۶ مسلم (۱۱۴۶)]

روزوں کی قضا مسلسل یا متفرق دونوں طرح جائز ہے۔

[بخاری ۴/۱۸۹ تغلیق التعلیق ۳/۱۸۶]

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً جو روایت مروی ہے کہ ((مَنْ كَانَ عَلَيْهِ صَوْمٌ مِنْ رَمَضَانَ فَلْيَسْرُدْ وَلَا يَقْطَعْهُ)) جس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں وہ انہیں مسلسل رکھے۔ انقطاع نہ کرے۔ یہ ضعیف ہے اس کی سند میں عبدالرحمن بن

ابراہیم ضعیف راوی ہے۔ (ملاحظہ ہو التلخیص الحبیر ۲/۲۰۶ سلسلہ الاحادیث الضعیفہ ۲/۱۳۷)

جو آدمی اس حال میں مرجائے کہ اس کے ذمہ روزوں کی قضا تھی تو اس کی طرف سے اس کا وارث یہ روزے رکھے۔ [بخاری ۴/۱۱۲]

کفارہ :

جو آدمی اپنی منکوحہ سے رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں جماع کرے' اس پر روزے کی قضا اور کفارہ لازم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں ہلاک ہوگیا۔ آپ نے فرمایا : تجھے کس چیز نے ہلاک کیا؟اس نے کہا میں رمضان المبارک میں اپنی بیوی پر واقع ہوگیا۔ آپ نے فرمایا : کیا تو ایک گردن کے آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے کہا : نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا : کیا تو دو ماہ متواتر روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے کہا : نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تو ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا : بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرہ کھجوروں کا لایا گیا۔ آپ نے فرمایا : اسے صدقہ کردو تو اس نے کہا۔ ان دو ٹیلوں کے درمیان مجھ سے زیادہ کوئی فقیر نہیں۔ آپ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا : اس کو پکڑ لے اور اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

[بخاری ۱۱/۵۱۶ مسلم (۱۱۱۱) ترمذی (۷۲۴) شرح السنۃ ۶/۲۸۸ ابوداؤد (۲۳۹۰)]

اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو آدمی کفارہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس کی ادائیگی سے عاجز ہو تو اس سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشادِ گرامی بھی ہے :

﴿ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [بقرۃ ۲ : ۲۸۳-۲۸۴]

"اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"۔
اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت پر کفارہ لازم نہیں۔ کیونکہ آپ کو ایک ایسے عمل کی خبر دی گئی جس میں مرد و عورت دونوں شریک تھے لیکن آپ نے عورت کو کفارے کی ادائیگی کا امر نہیں فرمایا۔

بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت :

جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ :

((اَلشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْمَرْأَةُ الْكَبِيْرَةُ لَا يَسْتَطِيْعَانِ أَنْ يَّصُوْمَا فَيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا))

[بخاری (۴۵۰۵) شرح السنۃ ۳۱۶/۶ إرواء الغلیل ۲۲/۴، ۲۵]

"وہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں"۔

لیلۃ القدر

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا :

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ ﴾

[سورۃ القدر]

"ہم نے اس قرآن کو قدر والی رات میں نازل کیا اور آپ کو کیا معلوم کہ قدر والی رات کیا ہے۔ قدر والی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات فرشتے اور رُوح القدس اپنے ربّ کے حکم سے ہر امر خیر کے

ساتھ اترتے ہیں یہ رات سلامتی اور امن کی ہے طلوع فجر تک"۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ ﴾ [دخان : ۳-۴]

"ہم نے اس قرآن کو برکت والی رات میں نازل کیا- بے شک ہم ڈرانے والے ہیں- اس رات ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے"۔

لیلۃ القدر کے قیام کا ثواب :

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ))

[بخاری ۲۱۷/۴ مسلم (۷۵۹)]

"جس نے لیلۃ القدر کا قیام ایمان اور ثواب سمجھ کر کیا' اس کے سابقہ گناہ بخش دیے گئے"۔

لیلۃ القدر کی دعا :

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے کہا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مجھے لیلۃ القدر کا علم ہو جائے تو میں کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا : تو کہہ

((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ))

[ترمذی (۳۷۶۰) ابن ماجہ (۳۸۵)]

"اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے- معافی کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے معاف کر دے"۔

لیلۃ القدر کی تلاش :

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((تَحَرَّوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنْ عَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ))

[بخاری ۴/۲۲۵ مسلم (۱۱۶۹)]

"رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو"۔

لیلۃ القدر کے لیے کسی رات کا مختص کرنا درست نہیں بلکہ یہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے آدمی خود بھی مستعد رہے اور اپنے گھر والوں کو بھی تیار کرے۔ جس طرح کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ :

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَأَحْيَى لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ)) [بخاری ۴/۲۳۳ مسلم (۱۱۷۴)]

"رمضان المبارک کے آخری دس دن آتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کمربستہ ہو جاتے۔ رات کو جاگتے اور اپنے اہل و عیال کو بھی جگاتے"۔

لیلۃ القدر کی علامات :

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((صَبِيحَةُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ تَطْلُعُ الشَّمْسُ لَا شُعَاعَ لَهَا كَأَنَّهَا طَسْتٌ حَتّٰى تَرْتَفِعَ)) [مسلم (۷۶۲)]

"لیلۃ القدر کی صبح کو سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ بلند ہونے تک ایک تھال کی طرح ہوتا ہے۔ اس کی شعاع نہیں ہوتی"۔

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [ملاحظہ ہو' مسلم (۱۱۷۰)]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"شب قدر بڑی آسانی سے گزرنے والی معتدل رات ہے۔ نہ اس میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اور نہ ہی ٹھنڈک۔ اس کی صبح کو سورج جب طلوع

ہوتا ہے تو وہ مدہم سرخی والا ہوتا ہے"۔
[مسند ابوداؤد طیالسی (۳۴۹) ابنِ خزیمہ ۳/۲۳۱ مسند بزار ۱/۴۸۶]

اعتکاف

لغوی معنی : اعتکاف کا لغوی معنی ٹھہرنا اور رُکنا ہے۔
(لسان العرب ۹/۲۵۲ المصباح المنیر ۲/ ۴۲۴ وغیرہ)
اصطلاحی معنی : "عبادت کی غرض سے مسجد کو لازم پکڑنا ہے"۔
رمضان و غیر رمضان سال کے کسی بھی دن اعتکاف کیا جا سکتا ہے۔ نبی ﷺ سے شوال کا اعتکاف بھی ثابت ہے۔ [بخاری ۴/۲۲۶ مسلم (۱۱۷۳)]
عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف بیٹھنے کی نذر مانی تھی تو آپ نے انہیں فرمایا :
((أَوْفِ بِنَذْرِكَ وَاعْتَكِفْ لَيْلَةً)). [بخاری ۴/۲۳۷ مسلم (۱۶۵۶)]
"اپنی نذر پوری کر اور ایک رات کا اعتکاف بیٹھ جا"۔
لیکن سب سے افضل اعتکاف رمضان المبارک کا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :
((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشَرَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ اعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ يَوْمًا)) [بخاری ۴/۲۴۵]
"رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں ۱۰ دن اعتکاف بیٹھتے تھے جس سال آپ فوت ہوئے آپ نے بیس دن اعتکاف کیا"۔
اعتکاف کے لیے مسجد کا ہونا شرط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :
﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ ﴾

"اور تم ان عورتوں سے مجامعت نہ کرو اس حال میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھنے والے ہو"۔

[البقرۃ ۲ : ۱۸۷]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لیے مسجد کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا عورتیں بھی اگر اعتکاف بیٹھنا چاہیں تو مسجد کو ہی اختیار کریں اور گھروں میں اعتکاف نہ بیٹھیں۔ کیونکہ اس کی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ امہات المومنین بھی مسجد میں اعتکاف بیٹھتی تھیں۔ [ابوداؤد مع عون ۷/۱۴۲، ۱۴۳] اور مسجد ایسی اختیار کریں جہاں پرامن اور پردے کا اہتمام وغیرہ اچھی طرح موجود ہو۔

نمازِ تراویح

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے :

((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ)) [بخاری کتاب الایمان (۳۸) مسلم (۷۶۰)]

"جس نے رمضان المبارک کا قیام ایمان اور ثواب سمجھ کر کیا' اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے"۔

نمازِ تراویح کو قیام رمضان' صلوٰۃ فی رمضان' قیام اللیل اور صلوٰۃ اللیل وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اور اس کا وقت نماز عشاء سے لے کر نماز فجر تک ہے۔ رات کے کسی بھی حصہ میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ :

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی فِیْمَا بَیْنَ اَنْ یَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ اِلَی الْفَجْرِ اِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً وَیُسَلِّمُ بَیْنَ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ وَیُوْتِرُ بِوَاحِدَۃٍ)) [مسلم ۱/۲۵۴]

"نبی کریم ﷺ نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان گیارہ رکعت ادا کرتے تھے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے اور ایک رکعت وتر

ادا کرتے"۔

نوٹ : نمازِ تراویح کی مفصل بحث راقم الحروف نے ایک اشتہار کی صورت میں پچھلے سال رمضان المبارک میں شائع کی تھی جس میں اپنا موقف دلائل کے ساتھ واضح کیا اور علمائے احناف کا موقف اور ان کے دلائل کا تجزیہ بھی کیا۔ یہ اشتہار جامع مسجد ابوبکر صدیق سکیم موڑ ملتان روڈ لاہور سے براہِ راست حاصل کیا جا سکتا ہے۔

احکامِ عید الفطر

① عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے۔ مسند شافعی (۳۸۵) بیہقی ۲۷۸/۳ میں علی رضی اللہ عنہ کا اثر باسند صحیح مروی ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مؤطا ۱/۱۷۷ کتاب الام ۲۰۵/۱ عبدالرزاق ۳۰۹/۳ اور ابنِ ابی شیبہ ۱۷/۲ وغیرہ میں مروی ہے اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے احکام العیدین للفریابی (۸۰) میں موجود ہے۔

② عیدالفطر کی نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا۔ [بخاری (۱۵۰۳) مسلم ۶۳/۷]

③ صدقہ فطر کی مقدار تمام اجناس سے ایک صاع ہے۔
[بخاری ۲۹۴/۳، مسلم (۹۸۵)]

④ صدقہ فطر ہر مسلم خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام پر لازم ہے۔ [بخاری ۲۹۱/۳ مسلم (۹۸۴)]

⑤ صدقہ فطر عید کی نماز سے ایک یا دو دن پہلے بھی نکالا جا سکتا ہے۔
[ابن خزیمہ ۸۳/۴ ابوداؤد (۱۶۱۰)]

⑥ اگر صدقہ فطر نماز کے بعد دیا تو وہ عام صدقہ ہو گا۔ صدقہ فطر شمار نہیں ہو گا۔
[ابوداؤد (۱۶۰۹) ابنِ ماجہ (۱۸۲۷)]

⑦ صدقہ فطر روزہ دار کے لیے روزے کی حالت میں سرزد ہونے والی خطاؤں سے پاکیزگی اور مساکین کے لیے کھانے کا باعث ہے۔

[ابوداؤد (۱۶۰۹) ابنِ ماجہ (۱۸۲۷) دارقطنی ۲۱۹/۱ حاکم ۴۰۹/۱]

⑧ اگر عید کے دن جمعہ آجائے تو جمعہ کی رخصت ہے۔

ابوداؤد (۱۰۷۰) نسائی ۱۹۴/۳ ابنِ ماجہ (۱۳۱۰) دارمی ۳۷۸/۱ مسند طیالسی ۱۴۵-۱۴۶/۱ حاکم ۲۸۸/۱]

⑨ عید کی نماز کے لیے نہ ہی اذان ہے اور نہ تکبیر۔

[مسلم ۱۷۶/۶ ابوداؤد (۱۱۴۸) ترمذی (۵۳۲)]

⑩ عید گاہ میں عید کی دو رکعت کے علاوہ نہ پہلے نفل ہیں اور نہ ہی بعد میں۔

[بخاری (۹۶۴، ۹۸۹) مسلم ۱۸۰/۶، ۱۸۱]

⑪ عید کی نماز کا وہی وقت ہے جو نماز چاشت (ضحیٰ) کا ہے۔

[حاکم ۲۴۹/۱ ابوداؤد (۱۱۳۵) ابنِ ماجہ (۱۳۱۷) بیہقی ۲۸۲/۳]

⑫ عید الفطر کو نماز سے پہلے کچھ کھا کر نکلنا سنّت ہے۔

ترمذی (۵۴۲) ابنِ ماجہ (۱۷۵۶) ابنِ خزیمہ (۱۴۲۶)]

⑬ عید کی نماز کے لیے عید گاہ میں عورتیں بھی ضرور شرکت کریں حتیٰ کہ ایامِ ماہواری والی عورتیں بھی جائیں لیکن وہ جائے نماز سے علیحدہ رہیں اور مسلمانوں کی دعائیں شریک ہوں۔ [بخاری (۳۵۱، ۳۲۴) مسلم ۱۷۹/۶]

⑭ عید گاہ میں جس راستہ سے جائیں، واپسی پر راستہ بدل لیں۔

[بخاری (۹۸۲) ترمذی (۵۴۱)]

⑮ اگر بارش وغیرہ ہو تو نماز عید مسجد میں ادا کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے [بیہقی ۳۱۰/۳] میں روایت موجود ہے۔ اور اس بارے مرفوع روایت بیہقی ۳۱۰/۳ اور ابوداؤد (۱۱۶۰) وغیرہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن اس کی سند میں عیسیٰ بن عبدالاعلیٰ مجہول راوی ہے اور اس کا استاد عبداللہ بن عبید

بن موھب مستور ہے۔

⑯ نمازِ عید کو خطبہ سے پہلے پڑھا جائے۔ [بخاری (۹۶۲) مسلم ۱۷۱/۶]

نوٹ : نمازِ عید کے لیے دو خطبوں کا ثبوت کسی صحیح حدیث میں موجود نہیں ' بلکہ یہ جمعہ پر قیاس ہے اور صحیح روایات میں ایک ہی خطبے کا ذکر ہے۔

⑰ عید گاہ کو جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیریں کہنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم سے ثابت ہے۔

[احکام العیدین للفریابی (۱۱۰)' دار قطنی ۴۴/۲' حاکم ۲۹۸/۱' بیہقی ۲۷۹/۳' ابنِ ابی شیبہ ۴۸۸/۱]

⑱ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تکبیر کے یہ الفاظ مروی ہیں : ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَجَلُّ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ))

[ابن ابی شیبہ ۴۸۹/۱۔۴۹۰ الکنی للدولابی ۱۲۴/۱ حاکم ۲۹۹/۱]

سلمان رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں : ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا))

[فتح الباری ۴۶۲/۲]

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' وَاللّٰهُ اَكْبَرُ' اَللّٰهُ اَكْبَرُ' وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ)) [ابن ابی شیبہ ۴۸۸/۱ طبرانی ۳۵۵/۹ إرواء الغلیل ۱۲۵/۳]

⑲ نمازِ عیدین کا وہی طریقہ ہے جو عام نماز کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قراء ت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراء ت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

[ابو داؤد (۱۱۵۰) دار قطنی ۴۹/۲ ابنِ ماجہ (۱۲۸۰) نیل المقصود (۱۱۵۰'۱۱۵۱)]

⑳ عید کی پہلی رکعت میں ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ﴾ اور دوسری میں ﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴾ پڑھیں۔

[مسلم ۱۶۷/۶ ابو داؤد (۱۱۲۲) نسائی ۱۱۲/۳ ابن ماجہ (۱۲۸۱)]

یا ﴿ قٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ ﴾ اور ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ﴾ پڑھیں۔

[مسلم ۶/۱۸۱ ابوداؤد (۱۱۵۴) ترمذی (۵۳۴) نسائی ۳/۱۸۳ ابنِ ماجہ (۱۳۸۲)]

[مجلّۃ الدعوۃ جنوری ۱۹۹۸ء]

نماز کیلئے آتے جاتے ہوئے راستہ بدل لینا بھی سُنّت ہے :

سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ)) [بخاری مع فتح الباری ۱/۵۴۶]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل لیتے تھے"۔

بلند آواز سے تکبیریں کہنا :

۹ / ذوالحجہ نماز فجر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی نماز عصر تک بلند آواز سے تکبیریں کہنا چاہئیں اور خاص طور پر فرض نمازوں کے بعد اہتمام سے کہنا چاہئیں۔

[فتح الباری ۲/۵۳۶ و نیل الاوطار ۳/۳۱۵]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابنِ عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے ذوالحجہ یکم تاریخ سے تکبیریں کہنا تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ (بخاری مع فتح الباری ۲/۵۳۰)

عید قربان کے فضائل و مسائل

۹ ذی الحجہ کی فضیلت :

ذوالحجہ کا مہینہ حرمت کے چار مہینوں میں سے ایک ہے۔ مہینے کے پہلے دس دنوں کی بڑی فضیلت ہے۔ ان دس دنوں میں نیک اعمال دوسرے دنوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔ اسی مہینے میں حج جیسا اہم فریضہ ادا کیا جاتا ہے' اسی مہینے کی ۹ ذوالحجہ کا روزہ دو سال (ایک سالہ گزشتہ اور ایک سال آئندہ) کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهُ)) [مسلم شریف ۸/۵۰ عن ابی قتادۃ]

''کہ عرفہ (۹ ذوالحجہ) کے دن کے روزہ کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ پچھلے سال اور آئندہ ایک سال کے گناہ مٹا دیتا ہے''۔

طریقہ نماز:

اسی مہینہ کی ۱۰ تاریخ کو ساری دنیا کے مسلمان عید الاضحیٰ مناتے ہیں۔ صاف ستھرے کپڑے پہن کر تکبیریں بلند کرتے ہوئے عید گاہ میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے رب کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔

عید الاضحیٰ کی دو رکعتیں ہیں۔ ان کی ادائیگی کا وہی طریقہ ہے جو عید الفطر کی نماز کا ہے یعنی پہلی رکعت میں قراء ت سے پہلے سات زائد تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراء ت سے پہلے پانچ زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں اور نماز کے بعد خطبہ ہوتا ہے۔

نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھانا:

نمازِ عید الاضحیٰ کی ادائیگی سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے لیکن اس کو نصف دن کا روزہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کے زمانہ میں آپؐ کے ایک صحابی ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے عید سے پہلے قربانی کر لی تھی اور گوشت کھا لیا تھا۔ آپؐ نے اسے قربانی دوبارہ کرنے کا حکم دیا لیکن کھانے پر نہیں ڈانٹا۔ (بخاری ۲/۵۱۹)

كتاب

الاضحية

آدابِ قربانی

عید کی نماز کے بعد قربانی کی جاتی ہے۔ اللہ کے راستے میں جانور قربان کرنا ایک عبادت ہے۔ دوسری عبادات کی طرح قربانی کی قبولیت کیلئے دو شرطیں ہیں :

① اخلاصِ نیّت

② سُنّت کی موافقت

ذیل میں ہم چند ایک آداب و شرائط بیان کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن و سُنّت میں آیا ہے تاکہ ہر مسلمان ان کا خیال رکھتے ہوئے قربانی کرے۔

قربانی اللہ کیلئے ہے اور اسی کے نام پر کی جائے :

قربانی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کی جائے نہ کہ ریاکاری یا کسی غیر کا قرب حاصل کرنے کے لئے کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کے دِل کے تقویٰ' پرہیزگاری' اخلاص اور جذبہ اطاعت کو دیکھ کر بدلہ دیتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾ [الحج : ٣٧]

"اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"۔

جانوروں کو غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کرنا' غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دینا'

ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں غیر اللہ کی عبادت اور شرک ہوتا ہو' سب حرام ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰى مُحْدِثًا وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَيَّرَ هٰذَا الْاَرْضَ))

[مسلم ۱۳/۱۴۱]

"کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر لعنت کرے جو اپنے والد پر لعنت کرے۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر لعنت کرے جو کسی بدعتی کو پناہ دے۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر لعنت کرے جو زمین کی علامات کو بدلے"۔

بعض ناسمجھ لوگ قربانی جیسی عظیم عبادت میں گیارھویں کی نیت کر لیتے ہیں اور اپنے عمل کو ضائع کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈر جانا چاہئے اور بزرگوں کی محبت میں آ کر اپنے رب کی عظمت و بڑائی اور کبریائی کو بھول نہیں جانا چاہئے"۔

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

قربانی کا جانور موٹا' تازہ' خوبصورت اور ہر قسم کے عیب سے پاک ہونا چاہئے اور اس سلسلہ میں اس کی عمر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يُّعْسَرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذْعَةً مِّنَ الضَّأْنِ)) [مسلم ۱۳/۱۱۷]

کہ مُسِنَّة (دو دانت والے) کے سوا کوئی جانور ذبح نہ کرو۔ اگر اس کا ملنا دشوار ہو جائے تو بھیڑ کا جَذْعَة (کھیرا) ذبح کر لو"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُونٹ' گائے اور بکری کی قربانی اس وقت کا جائز

نہیں جب تک وہ مسنہ دو دانت والے نہ ہوں یعنی جس کے سامنے کے دودھ کے دانت گر کر نئے نکل آئے ہوں۔

جس جانور کی قربانی جائز نہیں :

احادیث میں جانوروں کے بعض ایسے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن کے ہوتے ہوئے ایسے جانور کی قربانی کرنا صحیح نہیں ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا :

((اَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ))

[ابوداؤد و ترمذی، صحیح ابوداؤد للالبانی ۵۳۹/۲ و صحیح الترمذی للالبانی ۹۰/۲]

"کہ ہم آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھ لیں"۔

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْهُ مَاذَا يُتَّقَى مِنَ الضَّحَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ طَلْعُهَا وَالْعَوْرَآءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ))

[صحیح ابی داؤد ۵۳۹/۲ و صحیح ترمذی ۸۸/۲]

"سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس جانور کی قربانی سے بچنا چاہئے؟ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا : چار قسم کے جانوروں سے بچنا چاہئے۔ لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔ بھینگا جس کا بھینگا پن ظاہر ہو۔ بیمار جس کی بیماری واضح ہو۔ کمزور و لاغر جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو"۔

قربانی کا وقت :

قربانی کا وقت نمازِ عید کے بعد شروع ہوتا ہے اور ۱۳ ذوالحجہ کو غروبِ آفتاب تک رہتا ہے۔ جو آدمی نماز سے پہلے ذبح کر لے خواہ وہ دیہات میں رہتا ہو یا شہر میں اس کی قربانی نہیں ہوتی۔ وہ دوبارہ قربانی کرے۔ سیدنا جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ أَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرٰى)) [متفق علیه بحواله مشکوۃ ص : ۱۲۹]

"جس نے خود نماز پڑھنے سے پہلے یا ہمارے نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کیا، وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے"۔

۱۳ ذوالحجہ کی شام تک قربانی کرنے کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ کو ایامِ تشریق کہتے ہیں اور حدیث میں آتا ہے کہ ایامِ تشریق قربانی کے دن ہیں۔ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((كُلُّ أَيَّامِ تَشْرِيقٍ ذِبْحٌ))

[فتح الباری ۱۰/۱۱، نیل الاوطار ۱۲۵/۵، زاد المعاد ۳۱۸/۲]

"کہ سارے ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں"۔

قربانی کیسے ذبح کی جائے؟

بہتر ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ اگر کوئی اس کی جگہ پر ذبح کر لے تو بھی جائز ہے۔ اُونٹ کو کھڑا کر کے اس کا ایک گھٹنا باندھ کر نحر کیا جائے یعنی اس کی گردن کے گڑھے میں نیزہ وغیرہ مارا جائے حتیٰ کہ سارا خون نکل جائے۔ دوسرے جانوروں کو لٹا کر پہلو پر قدم رکھو اور تیز چھری کے ساتھ "بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" پڑھ کر ذبح کر دو۔ (مسلم ۱۲۰/۱۳)

قربانی میں حصّہ :

ایک بکرے یا بھیڑ میں ایک سے زیادہ آدمی حصّہ دار نہیں ہو سکتے البتہ گائے میں سات آدمی اور اُونٹ میں دس آدمی حصّہ دار ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی ایک سے زائد حصّے رکھنا چاہے یا اکیلا ہی قربانی کرنا چاہے تو اس کی مرضی ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْجَزُوْرِ عَنْ عَشَرَةٍ وَالْبَقَرِهِ عَنْ سَبْعَةٍ))

[صحیح ابن ماجه ۲/۲۰۰ و صحیح الترمذی ۲/۸۹]

"سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے کہ عید الاضحیٰ آگئی۔ ہم نے اُونٹ میں دس اور گائے میں سات آدمیوں نے شرکت کی"۔

رُخصتیں :

① سب گھر والوں کی طرف سے ایک جانور کفایت کر جاتا ہے۔

[صحیح الترمذی ۲/۹۰]

② قربانی کا گوشت غرباء و مساکین پر صدقہ کر سکتا ہے۔ دوست و احباب اور عزیز و اقارب کو تحفہ دے سکتا ہے اور خود بھی جتنی ضرورت ہو کھا سکتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے :

﴿ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾ [الحج : ٣٦]

"پس ان (کے گوشت) سے کھاؤ اور نہ مانگنے والے اور مانگنے والے (دونوں) کو کھلاؤ"۔

③ اور اگر کچھ دنوں کے لیے بچا کر رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :

((کُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَتَصَدَّقُوْا)) [مسلم ۱۳/۱۳۱]

"کہ کھاؤ' ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو"۔

④ عورت ذبح کر سکتی ہے۔ [(بخاری مع فتح الباری تعلیقاً)]

⑤ چھوٹی بچیاں عید کے دن جہادی گیت یا اچھے اشعار جن میں فحاشی و بے حیائی کی باتیں نہ ہوں' دف کے بغیر یا دف کے ساتھ گا سکتی ہیں۔

[(متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ ۱۳۶)]

⑥ عید کے دن جنگی کھیلوں کا مظاہرہ کرنا اور دیکھنا سنّت سے ثابت ہے۔

[(بخاری مع الفتح الباری ۲/۵۱۰)] (مجلّہ الدعوۃ اپریل ۱۹۹۷ء)

قربانی کی کھالوں کا مصرف

قربانی کی کھال کا وہی مصرف ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے یعنی انسان اگر چاہے تو خود اپنے استعمال میں لے آئے یا کسی کو تحفہ دے یا کسی مسکین و فقیر پر صدقہ کر دے یا کسی دینی ادارے کو دے دے اور اگر اللہ کے راستے میں لڑنے اور شہید ہونے والے مجاہدین کا تعاون کر دے تو یہ سب سے اچھا ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہیں اور ہمارے اموال کے ضرورت مند بھی ہیں اور پھر شہداء کے یتیم بچے اور بیوگان کا حق تو فائق تر ہو جاتا ہے۔ سیّدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ أَهْلِهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا))

[متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الجہاد (۳۷۹۷)]

"جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو تیار کیا' اس نے بھی جہاد کیا اور جس نے کسی غازی کے بعد اس کے گھر والوں کی اچھے طریقے

سے خبر گیری کی' اس نے بھی جہاد کیا"۔

س کیا قربانی کی کھالیں مجاہدین کو دینا قرآن و سنت کی رُو سے درست ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کھالیں مدارس کا حق ہیں تو جہاد کے نام پر ان کا حق تلف کیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے وضاحت کریں۔ (ایک سائل' لاہور)

ج قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کے متعلق ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٣٦ ﴾ [الحج : ٣٦]

"اور قربانی کے اُونٹ ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے مقرر کئے ہیں۔ تمہارے لیے اس میں بھلائی ہے۔ تم ان پر اللہ کا نام لو۔ ایک پاؤں سے بندھے اور تین پاؤں سے کھڑے ہوں پھر جب ان کے پہلو گر پڑیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور انہیں بھی دو جو مانگتے نہیں اور جو مانگتے ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کا ذکر کیا ہے جو حج و عمرہ کے موقعہ پر حرم میں کی جاتی ہے۔ اور دوسری قربانی وہ ہے جو عید الاضحیٰ کے موقعہ پر تمام مسلمان اپنے گھروں میں کرتے ہیں۔ اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کی حدیث ملاحظہ ہو:

((عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَ بَقِيَ فِي بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا

الْعَامَ الْمَاضِيَ؟ قَالَ : كُلُوْا وَأَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَأَرَدْتُ أَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهَا))

[بخاری کتاب الاضاحی باب ما یؤکل من تعلیق لحوم الاضاحی وما یتزوّد منها (۵۵۶۹)]

"سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تم میں سے قربانی کی ہے' وہ تیسرے دن کے بعد اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں قربانی کے گوشت سے کوئی چیز باقی ہو۔ آئندہ سال صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول جس طرح ہم نے پچھلے سال کیا تھا' کیا اسی طرح ہی کریں؟ آپ نے فرمایا: تم کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ اس سال لوگوں کو مشقت تھی تو میں نے ارادہ کیا کہ تم اس میں ان کی مدد کرو"۔

یہی حدیث اسی باب میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ علاوہ ازیں مسند احمد ۲۳/۳' نسائی کتاب الاضاحی ۲۳۴/۷' بخاری کتاب المغازی (۳۹۹۷) مسند ابی یعلیٰ ۲۸۱/۲ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت آدمی خود بھی کھا سکتا ہے اور عزیز و اقارب اور فقراء و مساکین کو بھی دے سکتا ہے اور جو مصرف قربانی کے گوشت کا ہے' وہی مصرف قربانی کی کھال کا ہے یعنی قربانی کی کھال خود بھی استعمال کر سکتا ہے' عزیز و اقارب کو بھی دے سکتا ہے اور صدقہ بھی کر سکتا ہے۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب النهي عن أكل لحوم الاضاحی بعد ثلاث ونسخه مع شرح نووی ۱۳۰/۱۳' ۱۳۱ میں ہے۔

اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قربانی کے موقع پر بادیہ والوں کے کچھ گھر مدینہ آکر آباد ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دن کے لیے قربانی کا گوشت

رکھ کر باقی صدقہ کر دو۔ پھر اس کے بعد والے سال میں لوگوں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ لوگ اپنی قربانیوں سے مشکیزے بناتے ہیں اور چربی پگھلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بات کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا' آپؐ نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا میں نے تمہیں صرف ان لوگوں کی خاطر منع کیا تھا جو باہر سے آکر یہاں رہنے لگے تھے۔ اب کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو"۔

اس صحیح حدیث سے واضح ہو گیا کہ جس طرح آدمی قربانی کا گوشت خود کھا سکتا ہے۔ اسی طرح کھال بھی استعمال کر سکتا ہے' عزیز و اقارب' دوست و احباب کو دے سکتا ہے اور کھال کو صدقہ بھی کر سکتا ہے۔ اور قرآن حکیم میں مصارف صدقات میں "فی سبیل اللہ" کی اصطلاح صحیح تفاسیر کی روشنی میں جہاد فی سبیل اللہ ہے لہٰذا کھال مجاہدین کو دینا بالکل جائز اور درست ٹھہرا۔

البتہ کھال یا گوشت بیچ کر خود اس کی رقم نہیں کھا سکتا اور اگر کھال صدقہ کر دے اور گوشت کا زیادہ حصّہ بھی بانٹ دے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقع پر ایسے ہی کیا تھا۔

صحیح بخاری میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

((إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَأَنْ يُقْسِمَ بُدْنَهٗ كُلَّهَا لُحُوْمَهَا وَجُلُوْدَهَا وَجِلَالَهَا))

[صحیح البخاری باب یتصدق بجلود الهدی ۱/ ۲۳۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی]

" رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ آپ کی قربانیوں کی نگرانی کریں اور تمام قربانیوں کے گوشت' چمڑے اور ان کے جل تقسیم کر دیں"۔

اور صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں : ((وَأَنْ أَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا)) یعنی "آپؐ نے

مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت چمڑے اور جل صدقہ کر دوں"۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ کھالیں صرف فقراء اور مساکین کا حق ہے انہیں چاہیے کہ وہ مذکورہ بالا احادیث کے مقابلے میں ایسی حدیث پیش کریں کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ کھالیں صرف فقراء اور مساکین کا حق ہیں اور کسی کا نہیں اور وہ ایسی حدیث کبھی پیش نہیں کر سکتے۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ قربانی کی کھالیں صرف فقراء و مساکین کا حق ہے تب بھی اس کے حقدار زیادہ مجاہدین ہی ٹھہریں گے جنھوں نے اپنی زندگیاں اللہ کے لیے وقف کر رکھی ہیں اور جہادی مصروفیات کی بنا پر کاروبار زندگی سے محروم ہیں۔ اور بہت سے مجاہدین ایسے ہیں کہ انہیں صرف جہاد کی بنیاد پر گھر سے نکال دیا گیا ہے اس لحاظ سے یہ نہ صرف مجاہدین ہیں بلکہ مسکین بھی ہیں۔ انہیں اپنی غذا، اسلحے اور کپڑے وغیرہ کی ضروریات ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ دوہرے حقدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صدقات کا مصرف یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ [بقرۃ ۲ : ۲۷۳]

"صدقات ان فقراء کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ (جہاد) میں روکے ہوئے ہیں۔ زمین میں (کاروبار وغیرہ کے لئے) سفر نہیں کر سکتے۔ سوال سے بچنے کی وجہ سے ناواقف انہیں غنی گمان کرتا ہے تو انہیں ان کی علامت سے پہچانے گا۔ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے"۔

دراصل ہمارے ان بھائیوں کو مجاہدین کے حالات کا صحیح علم نہیں کہ یہ نوجوان معاشی طور پر کتنے مشکل ترین حالات سے دوچار ہیں اور معسکرات میں جا کر اگر آپ دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ کتنے ہی ایسے بہن بھائی ہیں جن کے پاس دورۂ خاصہ کی اہم ترین ٹریننگ مکمل کرنے کے لیے ساز و سامان نہیں ہوتا۔ مرکز ان کی

ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پھر بھی ایسے مشکل حالات آ جاتے ہیں جن کی بنا پر ان بھائیوں کو بعض اوقات عام چپل اور پھٹے پرانے لباس میں ہی دورہ مکمل کرنا پڑتا ہے۔ ہاں ناواقف لوگ ان کے چہرے کی چمک و دمک دیکھ کر سمجھتے ہیں ان کے پاس بڑی دولت ہے۔ اگر ان مجاہدین پر قربانی کی کھالیں صرف کی جائیں تو یہ ضائع نہیں ہوں گی بلکہ بالکل آپ کی قربانی کی کھالیں صحیح محل پر پہنچیں گی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ہم مدارس کے قطعاً خلاف نہیں ہیں بلکہ تمام اہلحدیث مدارس ہمارے اپنے مدرسے ہیں اور یہ مجاہدین انہی مدارس سے اٹھنے والے ہیں۔ ہمارے نزدیک دونوں جگہوں پر کھالیں صرف کرنی چاہئیں۔ ایک دوسرے کی مخالفت سے باز رہنا چاہئے اور اگر حقیقتاً غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ مجاہدین تو مدارس کے محافظ ہیں۔ تعلیم بھی ضروری ہے اور جہاد بھی لازمی ہے۔ ایک فریضے کو ماننے اور دوسرے کا انکار کرنا درست نہیں بلکہ یہ بعض اسلام کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا ہے۔ اللہ سمجھنے کی توفیق بخشے۔ (مجلۃ الدعوۃ اپریل ۱۹۹۸ء)

کیا پاکستانیوں کو قربانی نہیں کرنی چاہئے؟

س کہا جا رہا ہے کہ اس وقت پاکستانی قوم پر قربانی نہیں کیونکہ پوری قوم مقروض ہے۔ اس لیے ہم پہلے "قرض اتارو ملک سنوارو" سکیم میں بھرپور حصّہ لیں۔ جب یہ قرض ادا ہو جائے تو پھر ہم قربانی کریں۔ قرآن و سُنّت کی رو سے اس مسئلہ کو واضح کریں۔ جزاك الله خيرا (ابوہاشم' لاہور)

ج دینِ اسلام کے خلاف یہودی' عیسائی اور بے دین قومیں مختلف اوقات میں سازشوں کے جال بنتے رہتے ہیں۔ یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ قربانی جیسی اہم سُنّت کو ایک سودی قرضے کے ذریعے ختم کرنا جرم عظیم ہے۔ یہ بات درست ہے کہ انسان اپنی ضروریات زندگی کے تحت قرض لے سکتا

ہے- قرآن و سُنّت میں اس کی کئی ایک واضح نصوص موجود ہیں؛ اور اس قرض کی ادائیگی کا بھی شریعت ہمیں حکم کرتی ہے لیکن سود پر قرض لینا یعنی قرض کے ساتھ زائد رقم کی ادائیگی حرام ہے جیسا کہ کئی ایک اثر میں وارد ہے کہ :

((كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا)) [تفسیر احسن البیان ص : ۱۲۱]

"جو قرض نفع لائے' وہ سود ہے"-

زمانہ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود کی بنا پر اصل رقم میں اضافہ ہوتا چلا جاتا حتیٰ کہ تھوڑی سی رقم بھی پہاڑ بن جاتی جس کی ادائیگی انتہائی گراں ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے اس نظام کے خاتمے کے لیے کئی ایک آیات نازل کیں جن میں اسے بالکل حرام قرار دے دیا گیا-

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا : اگر کوئی شخص تنگ دست و ضرورت مند ہے اور وہ قرض لیتا ہے تو اسے آسانی تک مہلت دے دو- اگر قرض معاف کر دیا جائے تو اسے بہتر قرار دیا گیا- اس کی فضیلت میں بھی کئی ایک احادیث صحیحہ صریحہ موجود ہیں- سودی نظام اور اسلامی نظام میں بہت زیادہ فرق ہے سودی نظام سراسر ظلم و زیادتی' سنگ دلی اور خود غرضی پر مبنی ہے کیونکہ سود لینے والا یہ نہیں دیکھتا کہ جسے رقم بطور قرض دی ہے' اس کی پوزیشن کیا ہے- اس کو اپنے متعین نفع سے غرض ہوتی ہے جبکہ دینِ اسلام دوستی' ہمدردی' تعاون اور ایک دوسرے کو سہارا دینے کا نظام ہے- مسلمان اس پُر رحمت نظام کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور ہے-

نواز شریف کی "قرض اتارو ملک سنوارو" سکیم خالصتاً اسی سودی نظام پر مشتمل ہے کیونکہ اصل رقم جس کی ادائیگی کرنی ہے' بہت تھوڑی ہے جبکہ اس پر سود در سود کی شکل میں کئی گنا زیادتی ہو چکی ہے- لہٰذا نواز شریف صاحب کو بحیثیت مسلم یہ اعلان کرنا چاہیئے کہ ہم صرف اصل رقم واپس کریں گے- باقی سودی رقم ہم ادا نہیں کریں گے کیونکہ سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور سود خور کو اللہ اور

اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والا قرار دیا ہے۔ سود کی حرمت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبَا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ [آل عمران ۳ : ۱۳۰]

"اے ایمان والو! یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اُمید ہے کہ فلاح پا جاؤ گے"۔

نبی مکرم ﷺ نے سود کی مذمت کرتے ہوئے اس پر لعنت کی ہے۔ جیسا کہ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهُ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ))

[مسلم (۱۵۹۸)، مسند احمد ۳/۳۰۴، ابو یعلٰی ۳/۳۷۷، بیہقی ۵/۲۷۵، شرح السنة ۸/۵۴]

"رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے دونوں گواہوں اور لکھنے والے پر لعنت کی اور فرمایا یہ گناہ میں برابر ہیں"۔

سیّدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((رَاَيْتُ اَبِي اشْتَرٰى عَبْدًا حَجَّامًا فَاَمَرَ بِمَحَاجِمِهٖ فَكُسِرَتْ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَثَمَنِ الدَّمِ وَنَهٰى عَنِ الْوَاشِمَةِ وَالْمَوْشُوْمَةِ وَاٰكِلِ الرِّبَا وَمُؤْكِلِهٖ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ))

[بخاری مع فتح الباری ۴/۳۱۴ (۲۰۸۶) مسند احمد ۴/۳۰۸، ۳۰۹ مسند طیالسی (۱۱۴۳) طبرانی کبیر ۲۲/۲۰، بیہقی ۶/۹]

"میں نے اپنے باپ کو دیکھا انہوں نے ایک غلام خریدا جو حجام تھا۔

انہوں نے اس کے حجامت کے ہتھیار توڑ ڈالنے کا حکم دیا تو وہ توڑ دیئے گئے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا نبی ﷺ نے کتے کی قیمت، خون کی قیمت، گودنے والی، گدوانے والی، سود کھانے اور کھلانے سے منع کیا اور تصویر بنانے والے پر لعنت کی"۔

[اسی طرح یہی حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنن ابوداؤد (۳۳۳۳) ترمذی (۱۲۰۶) مسلم (۲۲۷۷) مسند احمد ۱/ ۳۹۳، ۳۹۴، ۴۵۳، ۴۰۳ مسند طیالسی (۳۴۳) ابن حبان (۱۱۱۲) بیہقی ۵/ ۲۷۵ میں مروی ہے۔]

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ [البقرۃ : ۲۷۵]

"جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہوتا ہے اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام"۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۷۸ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝۲۷۹ ﴾

[البقرۃ : ۲۷۹]

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو۔ اگر واقعی ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے

تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو' نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے"۔

اس آیت کریمہ میں ایسی سخت وعید ہے جو کسی اور مصیبت و نافرمانی کے ارتکاب پر وارد نہیں ہوئی۔ اسی لیے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص اسلامی مملکت میں سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اُڑا دے۔
(ملاحظہ ہو تفسیر ابنِ کثیر وغیرہ)

لیکن ہمارے ملک کی حالت اس سے بھی ابتر ہے' یہاں ایک فرد نہیں بلکہ مسلمانوں کے حکمران خود سودی نظام کو برقرار رکھنے پر تلے ہوئے ہیں اور اسی سودی نظام میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ نکلنے کا نام بھی نہیں لیتے۔ حالانکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک حکمران بھی تھے' انہوں نے سود کی حرمت کے ساتھ ہی سارا سودی نظام جو زمانہ جاہلیت سے تھا' یکسر ختم کر ڈالا۔ جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث جو آپ کے خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نے اپنے اس آخری خطبے میں ارشاد فرمایا :

((إِنَّ كُلَّ رِبًا مِنْ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُهُ أَبَانَا رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ))

"یقیناً جاہلیت کا تمام سود چھوڑ دیا گیا ہے۔ پہلا سود جو میں چھوڑتا ہوں' وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے"۔

[یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم کتاب الحج (۱۴۷) مسند احمد (۷۳/۵) المنتقی لابن الجارود (۴۶۸) مؤطا کتاب البیوع (۸۳) ابنِ ماجہ ۱۰۲۵/۲ (۳۰۷۴) ابوداؤد مع عون ۱۲۸/۲ وغیرہ میں مروی ہے]

بلکہ مسند احمد ۷۳/۵ (۲۰۱۷۲) میں ہے کہ آپ نے ساتھ فرمایا :

((لَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ))
"تمہارے لیے اصل سرمایہ ہے' نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے"۔

یعنی اگر اصل زر سے زیادہ وصول کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے ظلم ہو گا اور اگر تمہیں اصل زر بھی نہ دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہو گا۔

مذکورہ بالا حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی نے سود پر لین دین کیا ہو تو اسے سود کی حرمت معلوم ہونے پر سارا معاملہ ختم کر دینا چاہیے' صرف اپنا اصل سرمایہ لینا چاہیے۔

لہٰذا ہماری حکومت کو جہاد کا علَم تھامتے ہوئے ان یہودی بینکوں کو صرف اصل رقم جو قرض لی ہے' اسے واپس کرنا چاہیے نہ کہ اس پر سود در سود کیونکہ کسی مسلم حکمران کو ایسے سودی نظام کی حمایت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے ختم کرنے کے لیے جہاد کرنا چاہیے۔ پوری قوم کو جو اسی سودی نظام میں جکڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ انتہائی افسوسناک ہے اور قوم کا بھی اتنی خطیر رقم سود اتارنے کے لیے جمع کروانا سود پر تعاون ہے جو شرعاً حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾

[المائدہ ۵ : ۲]

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں آپس میں تعاون کرو۔ گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے"۔

معلوم ہوا کہ اس سودی کام میں تعاون کرنا گناہ ہے اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ علاوہ ازیں یہودی بینکوں سے قرض جن سرمایہ

داروں اور وڈیروں نے لیا ہے' حکومت کو چاہئے کہ ان خاندانوں کو پکڑے اور ان سے اصل رقم وصول کرے۔ غریب عوام کو اس کام میں ملوث کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

لہٰذا پوری قوم کو خواہ مخواہ مقروض قرار دے کر قربانی جیسی سُنّت جلیلہ سے محروم کرنا بھی دینِ اسلام کے خلاف سازش اور یہودیت کی حمایت ہے۔ ہر مسلم کو جو قربانی کرنا چاہتا ہے' اس سازش سے بچنا چاہئے اور سُنّت ابراہیمی کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

قربانی کے مسائل

س مجلّہ الدعوۃ اپریل ۱۹۹۹ء میں "قربانی کے احکام ایک نظر میں" طبع ہوئے۔ اس میں تین مسائل قابل تحقیق ہیں یہ ہمیں قرآن و سُنّت میں نہیں ملے۔

① قربانی کا جانور دو دانتا ہونا چاہیے دو دانتا نہ ملنے کی صورت میں ایک سالہ مینڈھا یا دُنبہ قربانی دیا جا سکتا ہے۔

② اُونٹ کی قربانی میں دس اور گائے کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

③ مناسب ہے کہ گوشت کے تین حصّے کیے جائیں (الف) اپنے استعمال کے لیے (ب) عزیز و اقارب میں تقسیم کرنے کے لیے (ج) غرباء و مساکین اور مجاہدین و غریب طالبانِ دین کے لیے (السائل' گلزار احمد' بھکر)

ج مندرجہ بالا تین سوالات حافظ عبدالستار حماد صاحب حفظہ اللہ کے مضمون سے متعلق ہیں جو اپریل ۱۹۹۹ء کے مجلّہ الدعوۃ میں چھپا تھا۔ حافظ صاحب موصوف کی مسائل عیدین وغیرہ پر ایک کتاب بھی طبع ہوئی ہے جس میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ مختصراً جواب درج ذیل ہے:

① قربانی کا جانور دو دانتا ہونا چاہیے اگر دو دانتا نہ ملے تو پھر بھیڑ کا کھیرا قربانی دیا جا سکتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يُّعْسَرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوْا جَذْعَةً مِنَ الضَّأْنِ.))

[صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب سن الاضحیة (۱۹۶۳)]

" دو دانتے کے علاوہ ذبح نہ کرو مگر تمہارے اوپر تنگی ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کر لو"۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کا جانور دو دانتا ہونا چاہیے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

اَلْمُسِنَّةُ هِيَ الثَّنِيَّةُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ فَمَا فَوْقَهَا وَ هٰذَا تَصْرِيْحٌ بِأَنَّهُ لَا يَجُوْزُ الْجَذْعُ مِنْ غَيْرِ الضَّأْنِ فِيْ حَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ [شرح مسلم للنووی ۹۹/۱۳]

" مسنة اُونٹ گائے اور بکری وغیرہ میں سے دو دانتے کو کہتے ہیں اور یہ صراحت ہے کہ بھیڑ کے علاوہ کسی حالت میں کھیرا قربان کرنا جائز نہیں"۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ عسرت (تنگی) کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں :

(ا) دو دانتا جانور مل نہ رہا ہو۔

(ب) دو دانتا مل رہا ہے لیکن خریدنے کی طاقت نہیں۔ ان ہر دو صورتوں میں بھیڑ کا کھیرا قربانی دے سکتے ہیں۔

اُونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت

② اُونٹ کی قربانی میں دس آدمی اور گائے کی قربانی میں سات آدمی کی شراکت

کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے :

((كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَ النَّحْرُ فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَعِيْرِ عَنْ عَشْرَةٍ وَالْبَقَرَةِ عَنْ سَبْعَةٍ .))

[نسائی کتاب الضحایا باب ما تجزی عنه البدنة فی الضحایا (۴۴۰۴) ترمذی کتاب الحج باب ما جاء فی الاشتراك فی البدنة والبقرة (۹۰۵) ابن ماجه کتاب الاضاحی باب عن کم تجزئ البدنة والبقرة (۳۱۳۱) مسند احمد ۱/ ۲۷۵ مستدرك حاکم ۴/ ۲۳۰]

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے تو قربانی آ گئی۔ ہم اُونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے اور گائے میں سات"۔

علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهُ يَجُوْزُ اِشْتِرَاكُ عَشْرَةِ أَشْخَاصٍ فِي الْبَعِيْرِ فِي الْأُضْحِيَةِ وَ بِهٖ قَالَ اِسْحٰقُ بْنُ رَاهُوْيَهِ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ هُوَ الْحَقُّ خِلَافًا لِلْجُمْهُوْرِ ۔ [مرعاة المفاتیح ۵/ ۱۰۲]

"اس حدیث میں دلیل یہ ہے کہ اُونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں کا شریک ہونا جائز ہے اور یہی قول امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا ہے اور یہی حق ہے جمہور اس کے خلاف ہیں"۔

اور اس کی تائید رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ مقام پر تھے۔ بکریاں اور اُونٹ ہمارے ہاتھ لگے لوگوں نے جلدی جلدی انہیں ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا کر ابالنی شروع کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے ہانڈیاں اُلٹ دینے کا حکم دیا اور فرمایا :

((ثُمَّ عَدَلَ عَشْرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِجَزُوْرٍ . الحديث))

[بخاری کتاب الشرکة باب من عدل عشرة من الغنم بجزور فی القسم (۲۵۰۷) وباب قسمة الغنم (۲۴۸۸) وکتاب الصید والذبائح باب التسمیة علی

الذبیحة ومن ترك متعمدا (۵۴۹۸) نسائی کتاب الضحایا باب ما تجزی عنه البدنة فی الضحایا (۴۴۰۳) و کتاب الصید باب الانسیة تستوحش (۴۳۰۸) مسلم کتاب الاضاحی باب جواز الذبح بکل ما انهر الدم الا السن والظفر وسائر العظام ابوداؤد کتاب الاضاحی (۲۸۲۱) ترمذی کتاب الاحکام (۱۴۹۲) تحفة الاحوذی ۱۰۶/۲]

"آپ نے دس بکریوں کو ایک اُونٹ کے مساوی قرار دیا"۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے ایک اُونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا ہے اور ایک بکری کی قربانی ایک آدمی کی طرف سے ہوتی ہے لہٰذا ایک اُونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

قربانی کے گوشت کے حصّے

④ قرآنِ مجید یا احادیثِ صحیحہ میں قربانی کے گوشت کے دو حصّے مقرر کرنے کا حکم موجود نہیں ہے بلکہ مطلق طور پر قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کا حکم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾ [الحج ۲۲ : ۳۶]

"اور قربانی کے اُونٹ ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے نشانات مقرر کر دیئے ہیں۔ تمہارے لیے ان میں نفع ہے۔ پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو اور جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو قناعت کیے بیٹھے ہیں اور ان کو بھی جو اپنی حاجت پیش کریں"۔

ایک اور مقام پر فرمایا :

﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴾

[الحج ۲۲ : ۲۸]

"اور چند مقرر کردہ دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں عطا کیے ہیں- پس تم خود بھی کھاؤ اور تنگ دست و محتاج کو بھی دو"۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَ بَقِيَ فِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِي؟ قَالَ كُلُوْا وَأَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَأَرَدْتُ أَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهَا.))

[بخاری کتاب الاضاحی باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی وما یتزود منھا (۵۵۶۹)]

"جو تم میں سے قربانی کرے تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس میں سے کوئی چیز باقی نہ ہو- اگلے سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہم نے گزشتہ برس قربانی کے بارے میں کیا تھا، کیا اس سال بھی اسی طرح کریں گے؟ آپ نے فرمایا : کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو بلاشبہ اُس سال لوگ مشقت میں تھے- میں نے چاہا کہ تم ان کی اعانت کرو"۔

مندرجہ بالا آیات اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں اور اس کا ذخیرہ بھی کر سکتے ہو- اس کی تقسیم کی کوئی حد بندی نہیں ہے کہ اس کے اتنے اتنے حصے کرو اور اتنا خود رکھو- اتنا مساکین کو دو اور اتنا قریبی رشتہ داروں کو دو-

حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ نے بھی یہ تحریر کیا ہے کہ "قربانی کا گوشت خود کتنا کھائے اور کتنا تقسیم کرے؟ اس کی حد بندی کے متعلق کوئی نص صریح نہیں ہے۔ البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ گوشت کے تین حصّے کر لیے جائیں۔ ایک اپنے لیے دوسرا احباب و متعلقین کے لیے اور تیسرا فقراء و محتاجین کے لئے۔ انہوں نے اس تقسیم کو استنباط کیا ہے جو قربانی کے گوشت کے متعلق ہے :

﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾

[احکام صیام و مسائل عیدین و آدابِ قربانی ص : ۱۲۶]

"قربانی کے گوشت خود بھی کھاؤ اور خود دار محتاج اور سوالی کو بھی کھلاؤ"۔

حالانکہ اس آیت کریمہ میں مطلق طور پر خود کھانے اور فقراء و مساکین کو کھلانے کا اَمر ہے۔ گوشت کی حد بندی نہیں ہے کہ اتنا خود کھائے اور اتنا فقراء کو دے۔ بہرکیف قربانی کا گوشت کھانا اور کھلانا باعث برکت ہے البتہ اس کی حد بندی پر کوئی نص صریح موجود نہیں۔

بھینس کی قربانی کا مسئلہ

س کیا بھینس کی قربانی قرآن و سُنّت سے ثابت ہے؟ (ایک سائل' لاہور)
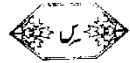
ج قربانی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :
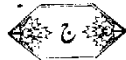
﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ... ﴾ [الحج : ۳۴]

"اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کی جگہ مقرر کی تھی تاکہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے ان کو مویشی چوپایوں میں سے دیئے تھے ان پر اللہ کا نام

ذکر کریں"۔

اس آیت کریمہ میں قربانی کے جانوروں کے لیے ﴿ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ ﴾ کے الفاظ ذکر کیے ہیں اور انعام سے مراد یہاں پر اُونٹ' گائے اور بھیڑ بکری ہیں جن کی تشریح قرآنِ پاک کی دوسری آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَّفَرْشًا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ءَالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ﴾

[الانعام : ۱۴۳-۱۴۵]

"اور اس نے چوپایوں میں سے باربرداری والے پیدا کیے اور فرشی چوپائے بھی۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا اس میں سے کھاؤ شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ چوپائے آٹھ قسم کے ہیں بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو کہہ دیجئے کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ کو یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر تم سچے ہو اور اُونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو"۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انعام کا اطلاق اُونٹ' گائے اور بھیڑ بکری پر ہوتا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ ﴿ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ﴾ کی تشریح میں رقم طراز ہیں :

وَالْأَنْعَامُ هٰنَا الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ وَبَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ هِيَ الْأَنْعَامُ فَهُوَ كَقَوْلِكَ صَلَاةُ الْأُوْلٰى وَمَسْجِدُ الْجَامِعِ

[تفسیر قرطبی ۱۲/۳۰]

"انعام سے مُراد یہاں اُونٹ' گائے اور بھیڑ بکری ہے اور ﴿ بَهِيمَةِ

الْاَنْعَامِ ﴾ سے مُراد انعام ہی ہے یہ اسی طرح ہے جیسے آپ کہتے ہیں صلاۃ الاولیٰ اور مسجد الجامع"۔

نواب صدیق حسن خان رقم طراز ہیں :

"انعام کی قید اس لیے لگائی گئی کہ قربانی انعام کے سوا اور کسی جانور کی درست نہیں اگرچہ اس کا کھانا حلال ہی ہو"۔ (ترجمان القرآن ص ۷۴۱)

مزید فرماتے ہیں :

"﴿ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ﴾ سے اُونٹ اور گائے اور بکری مُراد ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں مفصل بیان فرمایا"۔

(ترجمان القرآن ۷۴۷)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ الْقُرْبَانَ لَا يَكُوْنُ اِلَّا مِنَ الْاَنْعَامِ دُوْنَ غَيْرِهَا

[فتح القدیر ۳/۴۵۲]

"اس میں اشارہ ہے کہ انعام کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی نہیں ہوتی"۔

انعام کی تشریح میں فرماتے ہیں :

وَهِيَ الْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ [فتح القدیر ۳/۴۵۱]

"اور وہ اُونٹ' گائے اور بھیڑ بکری ہیں"۔

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ﴿ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ﴾ سے مُراد اُونٹ' گائے اور بھیڑ بکری ہیں اور انہیں کی قربانی کرنی چاہیے۔ بھینس ان چار قسم کے چوپایوں میں سے نہیں۔ علامہ سید سابق رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَلَا تَكُوْنُ اِلَّا مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَلَا يُجْزِئُ مِنْ غَيْرِ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ يَقُوْلُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ ﴿ لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ﴾ [فقہ السنّہ ۳/ ۲٦۴]

"قربانی اُونٹ، گائے اور بھیڑ بکری کے علاوہ جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ یاد کریں اللہ تعالیٰ کا نام اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں مویشی چوپایوں میں سے عطا کیا"۔

یہی موقف حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ نے فتاویٰ اہلحدیث ۲/ ۴۲٦ میں اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں بعض نے جو یہ لکھا ہے اَلْجَامُوْسُ نَوْعٌ مِنَ الْبَقَرِ یعنی بھینس گائے کی قسم ہے یہ بھی اسی زکوٰۃ کے لحاظ سے صحیح ہو سکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ بھینس دوسری جنس ہے۔ احناف کے ہاں بھینس کی قربانی کی جا سکتی ہے اور یہ بقر میں داخل ہے۔ ہدایہ کتاب الاضحیہ ۴/ ۴۵۹ ط بیروت میں ہے:

وَيَدْخُلُ فِي الْبَقَرِ الْجَامُوْسُ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِهِ

"گائے میں بھینس داخل ہے اس لیے کہ یہ گائے کی جنس سے ہے"۔

فتاویٰ ثنائیہ ۱/ ۸۱۰ میں لکھا ہے۔ حجاز میں بھینس کا وجود ہی نہ تھا پس اس کی قربانی نہ سنّت رسول ﷺ سے ثابت ہوتی ہے نہ تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہاں اگر اس کو جنس بقر سے مانا جائے جیسا کہ حنفیہ کا قیاس ہے۔ (کما فی الہدایہ) یا عموم بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ پر نظر ڈالی جائے تو حکم جواز قربانی کے لیے یہ علت کافی ہے از مولانا ابوالعلاء نظر احمد سہوانی۔ ائمہ اسلام کے ہاں جاموس (بھینس) کا جنس بقر سے ہونا مختلف فیہ ہے۔ مبنی بر احتیاط اور راجح یہی موقف ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے بلکہ مسنون قربانی اُونٹ، گائے، بھیڑ، بکری سے کی جائے جب یہ جانور موجود ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے مشتبہ اُمور سے اجتناب ہی کرنا چاہیے اور دیگر بحث و مباحثے سے بچنا ہی اولیٰ و بہتر ہے۔

کتاب

الحج

حج کی فرضیت واہمیت

حج کرنے کی تاکید اور نہ کرنے پر وعید

اللہ تعالیٰ نے حج کی اہمیت و فرضیت اور تاکید میں یوں ارشاد فرمایا :

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ [البقرہ ۲ : ۹۷]

"اور لوگوں کے ذمہ ہے کہ جو استطاعت (زادِ راہ، امن) رکھے، وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بیت اللہ کا حج کرے اور جس نے انکار کیا پس اللہ تعالیٰ جہان والوں سے لاپروا ہے"۔

حج فرض ہے :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا "اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے۔ لہٰذا حج کرو"۔ [مسلم ۳۳۲] واضح رہے کہ حج نو ہجری کو فرض ہوا تھا۔ [مرعاۃ المفاتیح]

حج فرض ہو تو قرض ہے

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن وہ اسے پورا کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گئی۔ آپ نے فرمایا، اگر اس کے ذمہ قرض ہوتا تو تو اسے ادا کرتا؟ اس

نے کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا قرض (حج) زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے"۔ [بخاری ۲۵۰/۱]

حج رکن اسلام ہے :

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے۔ کلمہ طیبہ کی شہادت' نماز ادا کرنا' زکوٰۃ دینا' حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا"۔ [بخاری ۶/۱]

حج فضیلت والا عمل ہے :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اعمال میں سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔ کہا گیا پھر کونسا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا' کہا گیا پھر کونسا؟ تو فرمایا "حج مبرور"۔ [بخاری ۲۰۶/۱]

حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ میں ارشاد فرمایا : "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ تم حج کرو۔ ایک شخص نے پوچھا' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا۔ پھر آپ نے فرمایا : اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے"۔ [مسلم ۴۳۲/۱]

حج کا ارادہ ہو تو جلدی کریں :

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ''جس شخص نے حج کا ارادہ کر لیا تو وہ جلدی کرے''۔ [ابوداؤد ۲/۷۵]

دُعا کی فرمائش کریں

حج یا عمرہ کے لیے جانے والے شخص سے دُعا کی درخواست کرنی چاہیے چنانچہ روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کے لیے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا:

((لَا تَنْسَنِي فِي دُعَائِكَ يَا أُخَيَّ)) [ترمذی ۴/۲۷۵]

''کہ پیارے چھوٹے بھائی! اپنی دُعاؤں میں مجھے نہ بھولنا''۔

حج کا اَجر و ثواب

حج گناہوں کا کفارہ ہے:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرماتے تھے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے حج کیا اور اس میں کوئی فحش بات اور برائی کا کام نہ کیا تو وہ اس دن کی طرح (گناہوں سے پاک ہو کر) واپس لوٹے گا جس دن اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔ [بخاری ۱/۲۰۶]

حج کی جزا جنّت ہے:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہے اور حج مبرور (اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے مقبول حج) کی جزا جنّت ہے۔ [بخاری ۱/۲۳۸]

حج عورت کا جہاد ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی تو

آپ نے فرمایا تمہارا افضل جہاد حج مبرور ہے۔ [بخاری ۲۵۰/۱]

عمرہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ [بخاری ۲۳۸/۱]

ماہ رمضان میں عمرہ کی فضیلت

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے یا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

[بخاری ۲۵۱/۱]

مقبول و مبرور حج کی شرائط

ایمان :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴾ [الانبیاء۲۱ : ۹۴]

”پس جو نیک کاموں میں سے کوئی کام کرے اور وہ مومن ہو تو اس کی محنت اکارت نہ جائے گی اور ہم اس کو لکھنے والے ہیں“۔

واضح رہے کہ مشرک و بدعتی شخص بغیر توبہ کے مرجائے تو ان کا کوئی عمل قبول نہ ہو گا۔

اخلاص :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً ﴾ [آل عمران ٣ : ٩٧]

"لوگوں کے ذمہ ہے کہ جو طاقت رکھے طرف اس راہ کی' وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بیت اللہ کا حج کرے"۔

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ [بقرہ ٢ : ١٩٦]

"کہ حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو"۔

ان ارشادات کی بنا پر ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ حج اور عمرہ کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھے اور ریا کاری' شہرت' فخر و مباہات سے اپنے دل و دماغ کو پاک و صاف رکھے کیونکہ یہ چیزیں اعمال صالحہ کو برباد کر دیتی ہیں۔

سُنّتِ رسول ﷺ سے مطابقت:

اللہ جل جلالہ کا حکم ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ ﴾ [محمد ٤٧ : ٣٣]

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو (مخالفت سے) ضائع نہ کرو"۔

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے دوران حج فرمایا:

((لِتَاْخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّيْ لَا اَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِيْ هٰذِهٖ)) [مسلم ١/٤١٩]

"کہ تم مجھ سے احکام سیکھ لو ہو سکتا ہے کہ اس حج کے بعد حج نہ کر سکوں"۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) [بخاری ۱۰۹۲/۲]

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے"۔

رزقِ حلال :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

((اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا)) [مسلم ۳۲۶/۱]

"اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک (مال وغیرہ) کو ہی قبول کرتا ہے"۔

محرمات سے پرہیز :

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ﴾ [بقرۃ ۲ : ۱۹۷]

"کہ جس نے ان (مہینوں) میں حج لازم کر لیا تو وہ حج کے دوران جماع، شہوانی گفتگو نہ کرے اور نافرمانی نہ کرے اور نہ ہی (بے مقصد) بحث و تکرار کرے"۔

علاوہ ازیں ان تمام امور سے خود کو بچائیں اور محفوظ رکھیں جو حج اور عمرہ کرنے والے کے لیے حالتِ احرام میں ناجائز اور منع ہیں۔ ان کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

عورت اپنے خاوند یا محرم کے ساتھ ہو :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے : "کہ کوئی عورت (ایک رات کا سفر) بغیر محرم کے نہ کرے۔ [بخاری ۲۵۰/۱]

پس عورت کے لیے منع ہے کہ وہ اپنے خاوند یا باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ کے بغیر

حج و عمرہ کے لیے سفر کرے۔

اقسامِ حج

حج تین قسم کا ہوتا ہے ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے :

حج افراد :

افراد کا معنی اکیلا ہے۔ حج افراد کا شرعی معنی یہ ہے کہ حج کرنے والا صرف حج ہی کی نیت کر کے میقات سے احرام باندھے۔ اس میں عمرہ شامل نہیں ہوتا۔ حج کا احرام باندھ کر ایک باریوں کہے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ بِالْحَجِّ [بخاری ۲۱۳] (اے اللہ میں حج کے لیے حاضر ہو گیا ہوں) پھر مکّہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف (طوافِ قدوم) کرے۔ پھر حالتِ احرام ختم کئے بغیر آٹھ ذوالحج کو حج کی ادائیگی کے لیے منیٰ کی جانب روانہ ہو جائے۔

مسئلہ حج افراد کرنے والا شخص اگر طوافِ قدوم کے بعد صفا و مروہ کی سعی سے بھی فارغ ہو جائے تو وہ (دس ذوالحجہ کو رش سے بچنے کی وجہ سے) سہولت میں رہے گا۔ [ابو داؤد ۲/۱۶۰]

مسئلہ مفرد پر قربانی فرض تو نہیں البتہ اگر وہ ثواب کی خاطر کرے تو بہتر ہے

حج قران :

قران کا معنی "ملانا" ہے۔ حج قران کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حج اور عمرہ دونوں کی نیت کر کے میقات سے احرام باندھ لے۔ ایک مرتبہ کہے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ ایسا شخص عمرہ ادا کر کے نہ حجامت بنوائے گا اور نہ احرام کھولے گا بلکہ اسی حالت میں آٹھ ذوالحج کو حج کے مناسک ادا کرنے کے لئے منیٰ کے میدان میں پہنچ جائے گا۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج قران ہی کیا تھا۔ [مسلم ۱/۳۹۰]

مسئلہ حج قران کرنے والے پر ایک ہی سعی ہے۔ اگر وہ طواف عمرہ کے بعد سعی کر کے فارغ ہو جائے تو (دس ذوالحجہ کو رش سے بچنے کی وجہ سے) سہولت میں رہے گا۔ [ابوداؤد]

مسئلہ حج قران کرنے والے کے ذمے قربانی واجب ہے۔ اگر قربانی نہ پائے تو دس روزے رکھے۔ تین حج کے دنوں میں اور سات واپس آ کر رکھے۔ [بقرہ ۲ : ۱۹۶]

حج تمتع :

تمتع کا مطلب "فائدہ اُٹھانا" ہے۔ تمتع کا لفظ کبھی حج قران پر بھی اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ دونوں ایک ہی سفر میں ادا ہو گئے۔ البتہ تمتع کا خاص مطلب یہ ہے کہ حاجی عمرہ کی نیت سے احرام باندھے اور کہے اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بِالْعُمْرَةِ (اے اللہ میں عمرہ کے لیے حاضر ہو گیا) پھر عمرہ سے فارغ ہو کر حجامت بنوائے اور احرام کھول دے۔ پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کی ادائیگی کے لئے اپنی رہائش گاہ سے دوبارہ احرام باندھے اور کہے (ایک مرتبہ) اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بِالْحَجِّ اور منیٰ کے میدان میں پہنچ جائے۔

مسئلہ حج تمتع کرنے والے پر بھی قربانی واجب ہے وگرنہ حسب مذکور دس روزے رکھے۔ [بقرۃ ۲ : ۱۹۶]

افضل قسم کونسی ہے؟

احادیث صحیحہ پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو شخص قربانی کا جانور لے کر جائے۔ اس کے حق میں حج قران افضل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حج قران اس وجہ سے کیا تھا کہ قربانی ساتھ لے کر گئے تھے۔

لیکن جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو۔ اس کے حج میں حج تمتع افضل

ہے' کیونکہ آپؐ نے ان حضرات کو جو قربانی ساتھ لے کر نہ آئے تھے مگر قربانی کرنی تھی' عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا حکم دیا تھا تاکہ ان کا حج تمتع ہو جائے۔
[مسلم ۱/۳۹۰]

میقات

(یعنی احرام باندھنے کے مہینے اور مقامات)

جب بحری جہاز یلملم کے قریب ہوتا ہے تو وہ میقات کی آمد کی اطلاع کر دیتا ہے۔ تب حجاج کرام احرام باندھ لیتے ہیں' ان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

جو حضرات ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے پہلے احرام کی چادریں پہن لیں۔ لیکن احرام کی نیت اور تلبیہ یعنی (لبیک کے کلمات) اس وقت شروع کریں جب جہاز میقات (یلملم یا جو بھی ہو) کے بالمقابل ہو جائے (جہاز میں اس کی اطلاع کر دی جاتی ہے) اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام کا لباس مدینہ سے روانہ ہوتے وقت پہن لیا تھا لیکن تلبیہ و نیت میقات (ذوالحلیفہ) سے ہی کی تھی۔ [بخاری ۱/۲۰۹]

واضح رہے کہ یلملم اور مکہ مکرمہ کے درمیان تقریباً ستر کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔

مسئلہ مندرجہ بالا مقامات کے اندر رہنے والے حضرات اپنی اپنی رہائش گاہ سے احرام باندھیں حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں عارضی یا مستقل رہنے والے حضرات جہاں بھی رہتے ہوں' وہیں سے حالتِ احرام اختیار کریں گے۔ یہ حکم ان سب کے لیے ہے جو حج کا ارادہ رکھتے ہوں یا عمرہ یا دونوں کا"۔ [بخاری ۱/۲۰۷]

احرام اور اس کے مسائل

جس طرح نمازی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں داخل ہوتا ہے' اسی طرح حج یا

عمرہ کرنے والا احرام کی حالت اختیار کر کے حج یا عمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ ذیل میں احرام کا طریقہ اور ضروری مسائل بالتفصیل ملاحظہ فرمائیں:

احرام سے پہلے:

رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق غسل کریں۔ [ترمذی ۸۵/۲] تیل و کنگھی کریں [بخاری ۲۰۹] اور خوشبو استعمال کریں۔ [بخاری ۲۰۸] لیکن خواتین خوشبو کا استعمال نہ کریں [نسائی ۲۷۶/۲] جو خواتین حیض و نفاس کی حالت میں ہوں' وہ بھی غسل کریں اور حالتِ احرام اختیار کریں۔ [مسلم ۳۸۵/۱]

احرام کی الگ نماز نہیں بلکہ مسنون یہ ہے کہ کسی فرض نماز کے بعد احرام باندھیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز ادا کی اور سواری پر سوار ہوئے تو تلبیہ کہا تھا [مسلم ۴۰۷/۱] الغرض احرام کے لیے الگ دو نفل پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں جیسا کہ بعض لوگ اس پر زور دیتے ہیں۔

حالتِ احرام:

مرد کے لیے احرام دو صاف ستھری چادریں ہیں جو سفید ہوں تو بہتر ہیں۔ اگر کنارے اور درمیان سے سلی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ایک چادر کو تہبند بنا لے اور دوسری چادر اوپر اوڑھ لے۔ سر اور چہرہ کھلا رکھے جوتا جیسا بھی ہو' پہن لے البتہ ٹخنے چھپے ہوئے نہ ہوں۔ پھر عبادت حج میں مشغولیت کی نیت کرے اور تلبیہ پڑھے۔

عورت معمول کے مطابق سادہ لباس اور صاف ستھرے کپڑے پہنے۔ کسی رنگت کی کوئی پابندی نہیں۔ پورے جسم پر بڑی اور موٹی سی چادر استعمال کرے۔ نظر نیچی رکھے۔ غیر مردوں سے آمنا سامنا ہو تو گھونگھٹ سے چہرے کا پردہ کرے۔ اگر چہرے کے ساتھ کپڑا (اتفاقاً) الگ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں چنانچہ سیّدہ عائشہ

رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر حج پر تھیں۔ جب آدمی قریب آتے تو ہم چادر اپنے چہروں پر ڈال لیتیں اور جب گزر جاتے تو کپڑا اوپر کر لیتیں۔

[ابوداؤد ۲/ ۱۰۴]

سیّدہ فاطمہ بنت منذر فرماتی ہیں کہ سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہم مل کر حج کرتیں تو حالتِ احرام میں غیر مردوں سے چہروں کا پردہ کرتیں۔

[مؤطا/ ۳۱۰]

احرام کے بعد:

حج و عمرہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ احرام کی حالت اپنا لینے کے بعد درج ذیل ممنوعات سے بچے ورنہ ارتکاب کی صورت میں گنہگار ہو گا۔

① قمیص، جبہ، شلوار، پگڑی، ٹوپی، موزے پہننا۔ [بخاری ۱/ ۲۰۹]

② احرام کے بعد خوشبو کا استعمال کرنا۔ [بخاری ۱/ ۲۴۸]

③ دستانے استعمال کرنا۔ [بخاری ۱/ ۲۴۸]

④ نکاح و منگنی کرنا۔ [مسلم ۱/ ۲۵۳]

⑤ ہر قسم کی معصیت، جھگڑا اور بیوی سے شہوانی گفتگو یا بوس و کنار کرنا۔

[بقرۃ ۲ : ۱۹۷]

⑥ محرم ہو یا غیر محرم حدود حرم میں شکار بھگانا، درخت یا گھاس کاٹنا البتہ اذخر گھاس کی اجازت ہے۔ [بخاری ۱/ ۲۴۷]

⑦ عورت کا برقعہ یا مخصوص عربی نقاب (جو چہرے پر باندھا جاتا ہے) استعمال کرنا۔ [بخاری ۱/ ۲۴۸]

⑧ ناخن تراشنا۔

فدیہ :

(ا) حالتِ احرام کے بعد محرم حجامت نہ بنوائے۔ اگر وہ بیمار ہو جائے یا سر میں تکلیف ہو تو حجامت بنوا لے اور فدیہ ادا کرے۔

دلیل : سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا جب کہ میرے سر کی جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا : تیری جوئیں تکلیف دیتی ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا : اپنا سر منڈوا لو اور تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو یا ایک قربانی ایسے جانور کی جو قربانی کے لائق ہو۔ [مسلم ۱/۳۸۲]

(ب) محرم کے لیے پانی کے جانور کا شکار کرنا اور کھانا جائز ہے جبکہ خشکی کے جانور کا شکار کرنا منع ہے۔ ارتکاب کی صورت میں اس جانور کی مثل (صورت یا قیمت میں ملتا جلتا) جانور مکّہ مکرمہ میں لے جا کر ذبح کرے۔ اس کا گوشت مسکینوں میں تقسیم کر دے یا جانور کی جو قیمت ہو' اس سے کھانا خرید کر مسکینوں کو کھلا دے یا جتنے مسکینوں کا کھانا بنتا ہو' ہر ہر مسکین کے بدلے میں ایک ایک روزہ رکھے۔ [المائدہ ۵ : ۹۵]

کوئی حرج نہیں :

① نہانا' غسل کرنا [بخاری ۱/۲۴۸]
② احرام کا لباس تبدیل کرنا۔
③ سر یا بدن کھجانا [مؤطا/ ۳۲۵]
④ کپڑے دھونا۔
⑤ چھتری استعمال کرنا۔

⑥ کمر بند یا پٹی استعمال کرنا۔

⑦ بیگ لٹکانا۔

⑧ تہبند نہ ہو تو شلوار یا پاجامہ پہننا۔ [مسلم ۱/۳۷۳]

⑨ مرغی بکری وغیرہ ذبح کرنا۔

⑩ سانپ، بچھو، چوہا، چیل، پاگل کتا اور کوّا مارنا۔ اس روایت کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ [بخاری ۱/۲۴۶]

تلبیہ

کلماتِ تلبیہ

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ [بخاری ۱/۲۱۰]

"میں حاضر ہوں، یا اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک تعریف اور نعمت تیرے لیے ہے اور ملک بھی، تیرا کوئی شریک نہیں"۔

مسئلہ مرد باآواز بلند پڑھیں [ترمذی ۲/۸۵] جب کہ خواتین غیر مردوں میں آہستہ کہیں۔

مدتِ تلبیہ:

عمرہ کرنے والا احرام باندھنے سے لے کر طواف "طوافِ قدوم" شروع کرنے تک تلبیہ کہے جب کہ حج کرنے والا حج کا احرام باندھنے سے لے کر دس ذی الحج کو جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک تلبیہ کہے گا۔ [ترمذی ۲/۱۱۰]

مسجد حرام میں داخلہ کے آداب :

مسنون یہ ہے کہ باوضو ہو کر مسجد حرام کے "باب بنی شیبہ" (اب "باب السلام" پر پہنچ جائیں۔) (ابن خزیمہ) دایاں پاؤں اندر رکھیں اور مسجد میں داخل ہونے کی یہ دعا پڑھیں :

((اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)) پڑھیں۔ [مسلم ۱/۲۴۸]

مسئلہ خانہ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث ثابت نہیں۔ البتہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا عمل بسند صحیح ثابت ہے۔

[مصنف ابنِ ابی شیبہ و قال الالبانی صحیح]

مسئلہ مسجد حرام میں داخل ہو کر طوافِ قدوم شروع کر دیں۔ اگر آپ تھکے ہوئے ہوں اور قدرے آرام کرنا چاہتے ہوں تو تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھ کر آرام کر لیں بعد میں طوافِ قدوم کر لیں۔ [بخاری ۶۳]

ایک روایت کے مطابق مسجد حرام میں ایک نماز (دوسری نماز کی نسبت) ایک لاکھ نماز سے افضل ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر ۲/۷۱۴]

طوافِ قدوم یعنی طوافِ آمد

جب کوئی شخص حج افراد کے لیے جائے یا حج قران کے لیے تو جاتے ہی جو پہلا طواف کرے گا' وہ طوافِ قدوم کہلائے گا۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج قران کیا تھا' اس لیے آپ کا پہلا طواف "طوافِ قدوم" تھا۔ [مشکوۃ باب دخول مکّہ]

اگر کوئی شخص حج تمتع یا صرف عمرہ کی نیت رکھتا ہو تو اس کا یہ پہلا طواف "طوافِ قدوم" ہو گا اور "طواف عمرہ" بھی شمار ہو گا۔

مسئلہ اگر کوئی شخص تنگ وقت میں مکّہ مکرمہ پہنچے کہ اسے طوافِ قدوم کرنے کی وجہ سے وقوف عرفات کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسے طوافِ قدوم کیے

بغیر عرفات پہنچ جانا چاہئے۔ اس پر کوئی قربانی (دم) لازم نہ آئے گی۔
طوافِ قدوم کا جو مسنون طریقہ ہے' اس میں درج ذیل کام کرنے ہوتے ہیں :

اضطباع :

طواف شروع کرنے سے پہلے احرام کی اوپر والی چادر کو دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر اس طرح ڈالیں کہ دایاں کندھا ننگا ہو جائے۔ اس کو عربی میں اضطباع کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔ [ابوداود ۲/۱۱۶]

حجر اسود کا استلام :

استلام (حجر اسود چومنے) کی چار صورتیں ہیں۔ ترتیب سے ایک صورت اختیار کرلیں۔ آپ حجر اسود کے سامنے آئیں اور اللہ اکبر کہہ کر

① اس کو بوسہ دیں۔ [بخاری : ۱/۲۱۸]

② اگر یہ ممکن ہو تو حجر اسود کو دائیں ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لیں۔ [مسلم ۱/۴۱۲]

③ اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو کسی چھڑی وغیرہ کو حجر اسود سے لگائیں۔ پھر چھڑی کا لگا ہوا حصہ چوم لیں۔ [مسلم ۱/۴۱۳]

④ اگر یہ بھی نہ ہو سکے اور آپ دور ہوں تو ہاتھ یا چھڑی وغیرہ کے ساتھ حجر اسود کی طرف اشارہ کریں اور اللہ اکبر کہیں لیکن چومیں نہ۔ کیونکہ آپ کا ہاتھ یا چھڑی حجر اسود کو چھو نہیں سکی۔ [بخاری ۱/۲۱۹]

اب طواف شروع کریں۔

رمل :

حجر اسود کے استلام کے بعد خانہ کعبہ کے پہلے تین چکروں میں حجر اسود سے لے کر رُکن یمانی تک چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھا کر اور کندھے ہلا ہلا کر ہلکی دوڑ لگائیں۔ اس کو عربی میں "رمل" کہتے ہیں۔ پھر رُکن یمانی سے لے کر حجر اسود تک معمول کی چال چلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی حکم دیا تھا۔ [مسلم ۱/۴۱۲]

طواف کے باقی چار چکروں میں آہستہ آہستہ عام چال چلیں کیونکہ آپؐ نے اسی طرح کیا تھا۔ [بخاری ۱/۲۱۸]

ذکر و دُعا :

دوران طواف رسول اللہ ﷺ سے کوئی خاص دُعا صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ اس لیے ذکر الٰہی یا عام مسنون دعائیں (جو بھی یاد ہوں) زبان پر جاری رکھیں یا قرآن مجید کی تلاوت کریں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے۔ پس گفتگو کم کریں"۔ [نسائی ۲/۳۱]

رُکن یمانی کو چھونا :

طواف کرتے وقت جب بھی خانہ کعبہ کے چوتھے کونے (رکن یمانی) پر پہنچیں تو اسے ہاتھ سے چھوئیں۔ اگر کسی وجہ سے ہاتھ نہ لگ سکے تو آگے گزر جائیں۔

رُکن یمانی کو اشارہ کرنا یا اسے بوسہ دینا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔

رُکن یمانی سے لے کر حجر اسود تک درمیان میں یہ کلمات پڑھیں۔

((رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ)) [ابو داؤد ۲/۱۹۹]

پھر جب حجر اسود کے پاس یا بالمقابل پہنچیں گے تو آپ کا ایک چکر (شوط) مکمل ہو گیا۔

اس طرح سات چکر پورے کریں۔

مقامِ ابراہیم پر دو رکعت (فرض) :

طوافِ کعبہ کے بعد مقام ابراہیم پر نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب طواف کعبہ سے فارغ ہوئے تو اپنا دایاں کندھا (جو پہلے اضطباع کی وجہ سے ننگا تھا) ڈھانپ لیا۔ پھر آیت ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ﴾ تلاوت کرتے ہوئے مقام ابراہیم پر آئے اور دو رکعتیں اس طرح ادا کیں کہ مقام ابراہیم آپؐ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا۔ پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص تلاوت کی۔ [مسلم ۱/۳۹۵]

آبِ زمزم :

مقام ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کر کے رسول اللہ ﷺ زمزم کا پانی پینے کے لیے زمزم کے کنوئیں پر گئے اور خوب سیر ہو کر پانی پیا اور کچھ سر پر ڈالا۔
[مسند احمد قال الالبانی صحیح]

دوبارہ حجر اسود پر :

پھر آپؐ حجر اسود کے قریب ہوئے اور اس کا استلام کیا۔ [مسلم ۱/۳۹۵]

مسئلہ طوافِ قدوم سے پہلے یا بعد میں یا نماز کی حالت میں اضطباع یعنی دایاں کندھا ننگا رکھنا درست نہیں بلکہ کندھے ننگے ہوں تو نماز نہیں ہوتی۔
[بخاری ۱/۵۲]

مسئلہ اگر طواف کے چکروں کی گنتی میں شک پڑ جائے تو یقین (کم) پر بنیاد رکھیں۔ جس طرح نماز کی رکعتوں میں شک پڑنے پر فرمان رسول ﷺ ہے۔
[مسلم بحوالہ مشکوۃ باب السھو]

مسئلہ اضطباع (کندھا ننگا رکھنا) اور پہلے تین چکروں میں رمل (دوڑنا) یہ دونوں کام

صرف طوافِ قدوم میں ہیں، باقی میں نہیں۔ [بخاری ۱/۲۱۹]

نیز یہ دونوں کام صرف مردوں کے لیے ہیں اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

مسئلہ: کسی عذر کی وجہ سے طواف کعبہ اور صفا و مروہ کی سعی سواری پر بھی درست ہے۔ [بخاری ۱/۲۲۱]

مسئلہ: حیض و نفاس والی عورت بیت اللہ کا طواف نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس حالت میں بیت اللہ کا طواف کرنے سے منع کر دیا تھا۔ [بخاری ۱/۲۲۳]

مسئلہ: بیت اللہ کے طواف کی طرح مقام ابراہیم کی دو رکعتیں ہر وقت پڑھ سکتے ہیں۔ وہاں کوئی بھی وقت مکروہ نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے عبد مناف کی اولاد! تم کسی شخص کو نہ روکو جو رات یا دن کو طواف کرے اور نماز پڑھے۔ [ترمذی ۲/۹۴]

مسئلہ: طواف و سعی کرتے وقت کوئی انسانی حاجت ہو جائے یا کوئی شرعی عذر یا فرض نماز کی اقامت ہو جائے تو نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر اسی چکر سے باقی طواف یا سعی مکمل کریں جہاں سے چھوڑا تھا۔

مسئلہ: اگر طواف کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو وضو کر کے از سر نو طواف شروع کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کو نماز کا درجہ دیا ہے۔

عمرہ ادا کرنے کا طریقہ

عمرہ میں گزشتہ کام یعنی بیت اللہ کا طواف، مقام ابراہیم پر دو رکعتیں، آب زمزم کا پینا اور حجر اسود کا دوبارہ استلام کرنے کے بعد دو کام مزید کرنے ہوتے ہیں، ایک صفا و مروہ کی سعی اور دوسرا کام حجامت بنوانا۔ دونوں کاموں کی تفصیل اور طریقہ ملاحظہ ہو:

صفا و مروہ کی سعی :

رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق آپ "باب الصفا" کے راستے مسجد حرام سے نکلیں، بایاں پاؤں باہر رکھیں اور مسجد سے نکلنے کی دُعا پڑھیں :

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ)) [مسلم ۱/۲۴۸]

جب صفا پہاڑی کے قریب ہوں تو آیت ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ.. ﴾ تلاوت کرتے ہوئے جس قدر ممکن ہو پہاڑی پر چڑھ جائیں حتیٰ کہ بیت اللہ نظر آ جائے۔ پھر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے "اللہ اکبر" کہیں۔ پھر یہ کلمات پڑھیں :

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

پھر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کریں۔ یہ عمل تین مرتبہ کریں۔

جب وادی (سبز نشانوں کے درمیان) میں پہنچیں تو ہلکی ہلکی دوڑ لگائیں۔ وادی ختم ہو جائے تو حسب معمول چلیں تاکہ مروہ پر پہنچ جائیں۔ پھر مروہ پر وہی عمل دہرائیں جو صفا پر کیا تھا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ساتواں چکر مروہ پر آ کر ختم کیا۔ [مسلم ۱/۳۹۶]

مسئلہ صفا سے مروہ تک جانا ایک چکر شمار ہوتا ہے۔ پھر واپس صفا پر آنے سے دوسرا چکر ہو گا۔

مسئلہ ساتویں چکر میں جب مروہ پر پہنچ جائیں تو اب تکبیر و ذکر اور دُعا کا عمل نہ دہرائیں۔ سعی مکمل ہو چکی ہے۔

مسئلہ مردوں کی طرح خواتین بھی سبز نشانوں کے درمیان ہلکی دوڑ لگائیں کیونکہ یہاں دوڑنے کا اصل سبب عورت سیّدہ ہاجرہ ہے۔ کتاب اللہ اور احادیث رسول

ﷺ میں عورت کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

مسئلہ حائضہ اور نفاس والی عورت صفا و مروہ کی سعی کر سکتی ہے جیسا کہ اس مضمون کے آخر میں سیّدہ عائشہ اور سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔ [مسلم ۱/۳۸۵]

مسئلہ طوافِ قدوم کے بعد جو سعی ہو گی' وہ تمتع کرنے والے کے لیے صرف عمرہ کی ہو گی' حج کی نہ ہو گی۔ اس کے حج کی سعی طواف زیارت کے ساتھ ہو گی۔ حج افراد کرنے والے کے لیے حج کی ہو گی۔ حج قران کرنے والے کے لئے عمرہ اور حج دونوں کی ہو گی۔ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چونکہ حج قران کیا تھا۔ اس لیے سعی ایک بار کی تھی۔

حجامت :

رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کرنے والوں کو سعی کے بعد حجامت بنوانے کا حکم دیا تھا تاکہ یہ لوگ عمرہ مکمل کر کے احرام کھول دیں۔ اس طرح صرف عمرہ کرنے والے حضرات بھی حجامت بنوا کر اپنا عمرہ مکمل کریں گے اور احرام کھول دیں گے۔

حج قران کرنے والے یا صرف حج کرنے والے اگر سعی پہلے کر لیں تو صفا اور مروہ کی سعی کے بعد نہ حجامت بنوائیں گے اور نہ ہی احرام کھولیں گے۔ یہ دونوں کام دس ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے اور قربانی کرنے کے بعد ہوں گے۔

مسئلہ بالوں کو منڈوانا' کتروانے سے افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کترانے والوں کے لیے ایک بار جب کہ منڈوانے والوں کے لیے تین بار دعاءِ رحمت فرمائی ہے۔ [مسلم ۱/۴۲۰]

مسئلہ سُنّت کے مطابق پہلے دائیں جانب پھر بائیں جانب منڈوائیں یا کتروائیں۔ [مسلم ۱/۴۲۱]

مسئلہ عورتیں سر کے بال کٹوائیں' انہیں منڈوانے کا حکم نہیں۔ [ابو داؤد ۲/۱۵۰]

حج کا بیان

حج افراد کرنے والے اور حج قران (عمرہ و حج) کرنے والے حضرات اپنے سابقہ احرام کو قائم رکھیں۔

حج تمتع کرنے والے حضرات (جو عمرہ کر کے احرام کھول چکے ہیں) آٹھ ذوالحجہ کو فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد منیٰ میں جانے کے لیے اپنی اپنی قیام گاہوں میں غسل کریں، خوشبو لگائیں پھر احرام کی حالت اپنائیں۔ لَبَّيْكَ بِالْحَجِّ کہہ کر نیت کریں۔ [بخاری ۱/۲۱۳]

پھر تلبیہ کے کلمات پڑھتے ہوئے منیٰ کے میدان کی جانب روانہ ہوں۔ واضح رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مقام ابطح میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں سے ہی احرام باندھ لیا تھا اور جانب منیٰ روانہ ہو گئے تھے۔ [بخاری : ۱/۲۲۴]

منیٰ کے میدان میں (۸ ذوالحجہ) :

پوری کوشش کریں کہ زوال سے پہلے پہلے منیٰ میں پہنچ جائیں تاکہ سُنّت کے مطابق ظہر کی نماز منیٰ میں باجماعت ادا کر سکیں۔ وہاں ظہر، عصر اور عشاء قصر کر کے پڑھیں۔ جبکہ مغرب اور اگلے دن کی فجر کی نماز پوری (یہ کل پانچ نمازیں) اپنے اپنے وقت پر ادا کریں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ [بخاری ۱/۲۲۵]

عرفات کے میدان کی جانب روانگی (۹ ذوالحجہ) :

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ذوالحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے میدانِ عرفات کی جانب تلبیہ و تکبیر اور تسبیح پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔

[بخاری ۱/۲۲۵]

میدانِ عرفات میں داخل ہونے سے پہلے آپ نے مقام نمرہ پر خیمہ میں آرام

کیا۔ جب سورج ڈھل گیا تو مقام عرنہ (عرفات سے باہر) پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر ظہر کے وقت ایک اذان اور الگ الگ تکبیروں کے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں دو دو رکعتیں پڑھائیں۔ درمیان میں کوئی نفل نہ پڑھے۔ [مسلم ۱/۳۹۷]

عرفات کے میدان میں وقوف :

جب آپؐ ظہر اور عصر کی نمازوں سے فارغ ہوئے تو پھر اونٹنی پر سوار ہو کر عرفات کے میدان میں داخل ہوئے۔ جبل رحمت کے نیچے پھیلی ہوئی چٹانوں کے پاس اس طرح ٹھہرے کہ جبل رحمت اور بیت اللہ دونوں کی طرف منہ کیا اور غروب آفتاب تک ذکر و دعا میں مشغول رہے۔ [مسلم ۱/۳۹۸]

اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی۔ [نسائی ۲/۳۹]

تنبیہ : ۹ ذوالحجہ کو ظہر اور عصر کی نماز سے فارغ ہو کر جو شخص میدان عرفات کی حدود کے اندر داخل ہو گا' اس کا حج نہ ہو گا۔

عرفہ کے دن کی فضیلت :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرفات کے دن خوب ذکر و دُعا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن تمہارے ساتھ فرشتوں میں فخر کرتا ہے اور اکثر گنہگاروں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ [مسلم ۱/۴۳۶]

بڑے ہی بے نصیب ہیں وہ لوگ جو عرفہ کے دن کے قیمتی لمحات لغو اور فضول باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔

مسئلہ اگر کوئی شخص جبلِ رحمت کے قریب نہ ہو سکے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں نے یہاں (جبل رحمت کے قریب) قیام کیا ہے جبکہ عرفات سارے کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ [مسلم : ۱/۴۰۰]

مسئلہ عرفہ کے دن کی بہترین دُعا یہ ہے :

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) [صحیح الجامع للالبانی : ۱۵۰۳]

مزدلفہ کے میدان میں شب بسری :

رسول اللہ ﷺ ۹ ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز ادا کئے بغیر عرفات سے میدان مزدلفہ کی جانب روانہ ہوئے تھے۔ مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے وقت میں مغرب کے تین فرض اور عشاء کے دو فرض پڑھائے۔ درمیان میں اور بعد میں کوئی نفل نہ پڑھے۔ (نہ نماز تہجد ادا کی) بلکہ سوئے رہے۔ [بخاری ۱/۲۲۷]

اگلے دن یعنی دس ذوالحجہ کو فجر کی نماز اوّل وقت ادا کی۔ [بخاری ۱/۲۲۸]

پھر مشعر حرام (پہاڑی کا نام) پر آئے تو قبلہ رو ہو کر ذکر و دُعا میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ صبح کی روشنی خوب پھیل گئی۔ [بخاری ۱/۲۲۸]

ازیں بعد طلوع آفتاب سے پہلے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپ وادی محسر (ابرہہ کے لشکر کی ہلاکت گاہ) میں پہنچے تو سواری کو حرکت دی اور تیزی سے وادی عبور کر گئے اور تلبیہ کہتے ہوئے منیٰ میں جمرہ عقبہ کے قریب جا پہنچے۔ [مسلم ۱/۲۹۹]

مسئلہ رسول اللہ ﷺ نے کمزور افراد کو رات کے وقت مزدلفہ سے جمرہ عقبہ کی طرف روانہ کر دیا تھا اور حکم دیا کہ طلوع آفتاب کے بعد ہی کنکریاں ماریں۔ [ابوداؤد ۲/۱۳۸]

مسئلہ اگر کوئی حاجی مزدلفہ میں پہنچ کر فجر کی نماز وقت پر ادا کر لے اور اس سے پہلے رات یا دن کے کسی وقت عرفہ سے ہو آئے تو اس کا حج مکمل ہو گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہی فتویٰ دیا تھا۔ [ترمذی ۲/۱۰۳]

مسئلہ کنکریاں مزدلفہ سے اُٹھانا ضروری نہیں۔ منیٰ سے بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔ [مسلم ۱/ ۴۱۵]

مسئلہ مزدلفہ میں جہاں بھی پڑاؤ ڈال لیں' درست ہے۔ [مسلم ۱/ ۴۰۰]

پھر منیٰ کے میدان میں (۱۰ ذوالحجہ)

رسول اللہ ﷺ نے جمرہ عقبہ کے پاس آ کر ۱۰ ذوالحجہ کو مندرجہ ذیل پانچ کام بالترتیب ادا کئے۔ اگر آپ ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو کوئی حرج نہیں اور کفارہ بھی نہیں۔ [مسلم ۱/ ۴۲۱]

تاہم ترتیب قائم رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے عمل سے مطابقت اور موافقت ہے۔

پہلا کام (رمی یعنی کنکریاں مارنا) :

دس ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کا افضل وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوال آفتاب تک ہے۔ [بخاری ۱/ ۲۳۵]

اگر کوئی شخص رات کو کنکریاں مار لے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں نے شام کے بعد کنکریاں ماری تھیں تو آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ [بخاری ۱/ ۲۳۳]

کنکریاں مارنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کی طرف منہ کریں کہ بیت اللہ بائیں جانب اور منیٰ دائیں جانب ہو۔ پھر کنکریاں ہاتھ میں اُٹھا کر اللہ اکبر کہتے ہوئے ایک ایک کر کے سات کنکریاں ماریں۔ [بخاری ۱/ ۲۳۵]

اگر عذر ہو تو کنکریاں مارنے کے لیے کسی کو اپنا نائب بنا سکتے ہیں۔

دوسرا کام (قربانی کرنا) :

حج افراد (صرف حج) کرنے والے پر قربانی لازم نہیں- اگر کرے تو اجر و ثواب کا یقیناً مستحق ہو گا- حج قران اور حج تمتع کرنے والے پر قربانی کرنا واجب ہے- اگر وہ قربانی نہ پائے تو دس روزے رکھ لے- تین روزے حج کے دنوں میں اور سات روزے واپس آ کر- [بقرۃ : ۱۹۶]

مسئلہ حج کے دنوں میں تین روزے (آٹھ سے لے کر تیرہ ذوالحجہ تک) رکھے البتہ ۱۰ ذوالحجہ کو روزہ نہ رکھے-

مسئلہ قربانی کے جانور میں تمام شرائط ملحوظ رکھیں یعنی دوندا ہونا' موٹا تازہ اور تندرست ہونا' علاوہ ازیں اندھا' لنگڑا' بیمار' کانا' بوڑھا' لاغر' کان کٹا اور سینگ ٹوٹا وغیرہ نہ ہو- [ترمذی' ابوداؤد]

مسئلہ ایک شخص اونٹ یا گائے کر سکتا ہے- دونوں میں زیادہ سے زیادہ سات افراد شریک ہو سکتے ہیں- [مسلم ۱/۴۲۴] جب کہ حج کے علاوہ اونٹ کی قربانی میں دس افراد شرکت کر سکتے ہیں- [ترمذی ۲/۳۵۶]

مسئلہ اونٹ کی بائیں ٹانگ باندھ کر اور کھڑا کر کے نحر کریں [بخاری ۱/۲۳۱] جبکہ چھترا' بکرا وغیرہ بائیں جانب لٹائیں کہ منہ قبلہ کی جانب ہو' اور بسم اللہ ' اللہ اکبر پڑھیں-

مسئلہ قربانی ۱۳ ذوالحجہ غروبِ آفتاب تک جائز ہے- [دار قطنی ۴/۲۸۲]

مسئلہ قربانی خود کرنا اور اس کا گوشت کھانا مسنون ہے- [مسلم ۱/۳۹۹]

مسئلہ قربانی کے گوشت میں سے قصاب کو بطور اُجرت دینا منع ہے- [بخاری ۲۳۲]

مسئلہ منیٰ میں قربانی کرنا افضل ہے البتہ شہر میں بھی درست ہے- رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا : مکّہ کی ہر گلی راستہ ہے اور قربانی کی جگہ ہے۔ [ابوداؤد ۱۳۸/۲]

تیسرا کام (حجامت بنوانا) :

حجامت سے مراد جسم کی مکمل صفائی ہے۔ یعنی جسم کے غیر ضروری بال اور ناخن کٹوائیں اور غسل کر کے عام جسمانی میل کچیل دور کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ ﴾ [الحج : ۲۹]

کہ "پھر (حجاج کرام) اپنی میل کچیل اُتاریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں"۔

مسئلہ اب تم حلال ہو چکے ہو۔ بیوی سے صحبت کے علاوہ ہر وہ چیز اور کام جائز ہے جو احرام کی وجہ سے حرام تھا۔ لہٰذا احرام کا لباس اُتار کر معمول کا لباس پہن سکتے ہو۔ بشرطیکہ اسی دن طواف افاضہ (طواف زیارت) کرنے کا ارادہ ہو، ورنہ احرام کا لباس نہ اُتاریں۔ اگر آپ نے احرام کا لباس اُتار لیا لیکن غروب آفتاب تک کسی وجہ سے طواف زیارت کے لیے بیت اللہ نہ جا سکے تو احرام کی چادریں دوبارہ پہن لیں اور انہیں طواف زیارت سے فارغ ہو کر اُتاریں۔ [ابوداؤد ۱۵۶/۲]

چوتھا کام (طوافِ افاضہ) :

دس ذوالحجہ کا ایک کام بیت اللہ کا طواف کرنا ہے۔ جسے طوافِ افاضہ یا طواف زیارت کہتے ہیں۔ یہ طواف حج کا رُکن ہے جس کے بغیر حج نامکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ [الحج : ۲۹]

"اور وہ (حجاج کرام) بیت اللہ کا طواف کریں"۔

مفسرین کے نزدیک یہاں طواف زیارت مراد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ ہے کہ طواف زیارت جلد از جلد ادا کر لیا جائے اِلاّ یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔ روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ ۱۰ ذوالحجہ کو طواف کر کے ظہر کے وقت منیٰ میں پہنچ گئے تھے۔ [مسلم ۱/۴۲۲]

مسئلہ اس طواف میں نہ اضطباع ہے نہ رمل۔ یہ دونوں کام صرف طوافِ قدوم میں ہیں۔ [مسلم ۱/۴۱۰]

مسئلہ طواف زیارت بوجہ عذر ۱۳ ذوالحجہ غروب آفتاب تک مؤخر ہو سکتا ہے۔

مسئلہ طواف زیارت کے بعد آپ مکمل حلال ہو چکے ہیں حتیٰ کہ بیوی سے مباشرت بھی جائز ہے۔

صفا و مروہ کی سعی :

حج تمتع کرنے والا شخص طواف زیارت کے بعد حج کی سعی کرے گا۔ حج افراد اور حج قران کرنے والے نے اگر طوافِ قدوم میں سعی کر لی تھی تو اب اسے دوبارہ سعی کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر اس نے پہلے سعی نہیں کی تھی تو وہ اب کرے گا۔ یاد رہے رسول اللہ ﷺ نے حج قران کیا تھا تو آپؐ نے ایک ہی بار سعی کی تھی۔ [مسلم ۱/۳۸۶]

پانچواں کام (منیٰ میں واپسی) :

طواف افاضہ کے بعد اگر سعی بھی کرنی ہو تو سعی کے بعد جس قدر ممکن ہو جلد از جلد واپس منیٰ میں پہنچیں۔ بلاوجہ تاخیر کرنا اور یہ سمجھنا کہ چلو شام تک منیٰ میں پہنچ ہی جائیں گے' خلاف سنّت ہے۔ رسول اللہ ﷺ ظہر کے وقت واپس منیٰ میں پہنچ گئے تھے۔ [مسلم ۱/۴۲۲]

منیٰ میں قیام (۱۱'۱۲اور ۱۳ذوالحجہ) :

ذوالحجہ کی گیارہ' بارہ اور تیرہ تاریخ کے دن ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ یہ ذکر الٰہی اور کھانے پینے کے دن ہیں۔ [مسلم۱/۳۶۰]

ان دنوں میں سب سے اہم کام زوال کے بعد تینوں جمروں کو کنکریاں مارنا ہے۔

رمی یعنی کنکریاں مارنے کا مسنون طریقہ :

جمرہ اولیٰ (جو مسجد خیف کے قریب ہے) کو سب سے زیادہ کنکریاں ماریں۔ اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آپ جمرہ کے قریب ہوں اور اس کی جانب یوں منہ کریں کہ بیت اللہ بائیں اور منیٰ کا میدان دائیں جانب ہو۔ پھر دائیں ہاتھ سے کنکری پکڑیں۔ بازو اُٹھا کر اور اللہ اکبر کہہ کر جمرے کو نشانہ بنائیں اور ایک ایک کنکری کر کے سات کنکریاں ماریں۔ ساتویں کنکری مار کر تھوڑا سا پیچھے ہٹ جائیں اور قبلہ رو ہو کر ہاتھ اُٹھا کر تادیر دُعا کریں۔ پھر جمرہ وسطیٰ کے قریب ہوں اور سات کنکریاں اسی طریقہ سے ماریں' جس طرح جمرہ اولیٰ کو ماری تھیں۔ پھر بائیں جانبِ ہٹ جائیں۔ قبلہ رو ہو کر ہاتھ اُٹھا کر تادیر دُعا کریں ... پھر جمرہ عقبہ (جو مکّہ کی جانب ہے) کے قریب ہوں۔ اس کو بھی پہلے کی طرح سات کنکریاں ماریں' ساتویں کنکری مار کر یہاں نہ ٹھہریں اور نہ ہی دُعا کا عمل کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔

[بخاری۱/۲۳۶]

پھر بارہ ذوالحجہ اور تیرہ ذوالحجہ کو بھی تینوں جمروں کو اسی طریقہ سے کنکریاں ماریں جس طرح گیارہ ذوالحجہ کے دن ماری تھیں۔

مسئلہ ۱۲ ذوالحجہ کو منیٰ سے واپس آنا ہو تو اسی دن ۱۳ ذوالحجہ کی کنکریاں مارنا سُنّت رسول ﷺ یا عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں۔

مسئلہ عورتوں اور کمزوروں کی طرف سے کنکریاں مار لینا درست ہے۔ بشرطیکہ وہ

معذور ہوں۔

دلیل : ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾

مسئلہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! "میں نے شام کے بعد کنکریاں ماری ہیں" تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ [نسائی ۲/۴۳]

مسئلہ نبی کریم ﷺ منیٰ کی راتوں میں بیت اللہ کی زیارت کیا کرتے تھے۔ [بخاری ۱/۲۳۳]

طوافِ وداع

جب حج یا عمرہ کرنے والا شخص مکہ مکرمہ چھوڑنے لگے تب خانہ کعبہ کا الوداعی طواف کرنا اس پر واجب ہے۔ اسے "طوافِ وداع" کہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص (حج و عمرہ کرکے) اس وقت تک واپس نہ پلٹے جب تک وہ آخری طواف نہ کرلے۔ [بخاری ۱/۲۳۶]

طوافِ وداع کی رعایت :

البتہ حیض و نفاس والی عورت کے لیے "طوافِ وداع" ضروری نہیں۔ بشرطیکہ وہ طواف زیارت کر چکی ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حالت حیض میں طوافِ وداع چھوڑنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس لیے کہ وہ طواف زیارت کر چکی تھیں۔ [بخاری ۱/۲۳۷]

اپنے گھر آکر دعوت کا اہتمام کریں :

سفر حج سے واپس آنے پر دوستوں کی دعوت کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب (سفر حج) سے واپس مدینہ منورہ لوٹے تو لوگوں کی دعوت کے لیے یوں اہتمام کیا کہ ایک اونٹ یا گائے (راوی

کو شک ہے) ذبح کی۔ [بخاری ۱/۴۴۴]

مسنون اذکار اور دُعائیں :

عرفات' مزدلفہ اور منیٰ میں قیام کے دوران فضول اور بے جا باتوں میں قیمتی لمحات کو ضائع نہ کریں بلکہ کثرت سے تلبیہ پڑھیں' ذکر کریں' دعاؤں میں مشغول رہیں' قرآن مجید کی تلاوت کریں۔ عام اوقات میں خصوصاً فرض نمازوں کے بعد تکبیریں دہرائیں' اپنے لیے اور احباب کے حق میں خشوع و خضوع سے دعائیں کریں۔ ان مقامات پر کوئی خاص اور مقرر دعائیں تو نہیں لہٰذا جو بھی یاد ہوں' پڑھ سکتے ہیں۔

فضیلت مسجد نبوی (ﷺ) :

طوافِ وداع تک حج مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی خوش نصیب مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو تو مسجد نبوی ؐ کی زیارت کی نیت کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تین مقامات کے علاوہ کسی اور مقام کا (تبرک کی نیت سے) سفر نہ کیا جائے یعنی مسجد حرام' مسجد نبوی ؐ اور مسجد اقصیٰ۔ [بخاری ۱/۲۵۱]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔
[مسلم : ۱/۴۴۶]

قبر رسول ﷺ :

مسجد نبوی ؐ میں نماز (فرض یا تحیۃ المسجد) ادا کر کے جب رسول اللہ ﷺ' سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبروں پر حاضر ہوں تو وہی دُعا پڑھیں جو رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت سکھائی تھی' جب انہوں نے آپ ؐ

سے سوال کیا تھا کہ قبروں کی زیارت کے موقع پر کیا کہوں؟ تو آپ نے فرمایا تم یہ کلمات کہو :

((اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ)) [مسلم ۱/۳۱۴]

"دیار میں رہنے والے مؤمنو اور مسلمانو تم پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو ہم سے پہلے چلے گئے اور جو ہم سے پیچھے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم تمہیں ملنے والے ہیں"۔

مسلم شریف کی ایک دوسری روایت میں یہ لفظ بھی ہیں جو آخر میں کہے جائیں ((نَسْئَالُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ)) ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت طلب کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔ یہ آپؐ کا عام حکم ہے۔

روضۃ الجنۃ :

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو جگہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ [بخاری ۱/۲۵۳]

مسجد قبا :

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ پیدل اور کبھی سوار ہو کر مسجد قبا جاتے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ [مسلم ۱/۴۴۸] نیز فرمایا مسجد قبا میں نماز پڑھنا عمرہ ادا کرنے کے برابر ہے۔ [ترمذی ۱/۲۶۹]

مقبرۃ البقیع :

رسول اللہ ﷺ وقتاً فوقتاً اس قبرستان میں جایا کرتے تھے اور دعائے مغفرت فرمایا کرتے تھے۔ [مسلم ۱/۳۱۳]

چند متفرق مسائل

① حج بدل :

کسی ایسے مسلمان کی طرف سے حج کرنا جو مالدار ہو لیکن کمزوری، بڑھاپے یا کسی دائمی مرض کی وجہ سے معذور ہو "حج بدل" کہلاتا ہے۔ یہ درست ہے بشرطیکہ حج بدل کرنے والا پہلے خود اپنا حج کر چکا ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ کہہ رہا تھا "لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ" یعنی شبرمہ کی طرف سے لبیک۔ آپ نے اس سے پوچھا شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی ہے تو آپ نے فرمایا: ((حَجِّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ عَنْ شُبْرُمَةَ)) کہ پہلے خود اپنا حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔

[ابوداؤد ۲/۹۷]

مسئلہ حج بدل کرنے والا قریبی رشتہ دار ہونا ضروری نہیں۔ دوسرا بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حج کو قرض کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ [بخاری ۱/۲۵۰] یہ ظاہر ہے کہ کسی کا قرض دوسرا کوئی بھی شخص ادا کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ غریبوں کے قرض کی ادائیگی کے ضامن بن جایا کرتے تھے۔ [بخاری ۲/۹۹۷]

مسئلہ مرد کی طرف سے عورت اور عورت کی طرف سے مرد حج بدل کر سکتا ہے۔ [بخاری ۱/۲۰۵]

② عمرہ بدل :

سیدنا ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک میرا باپ بہت بوڑھا ہے۔ وہ حج اور عمرہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو آپ نے فرمایا : "اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر"۔ [ترمذی ۱۱۳/۲]

۳) نابالغ بچے کا حج :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی۔ اُس نے پوچھا کہ کیا اس بچے پر حج ہے تو آپ نے فرمایا : ہاں اور تیرے لیے (تعاون کرنے کی وجہ سے) اس کا اجر ہے۔ [مسلم ۴۳۲/۱]

مسئلہ بلوغت کے بعد حج فرض ہوا تو بچپن کا حج کافی نہ ہو گا۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس بچے نے حج کیا، بلوغت کے بعد (حج فرض ہونے کی صورت میں) اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوبارہ حج کرے۔ [ابن ابی شیبہ قال ابنِ باز اسنادہ حسن]

④ میت کی طرف سے حج :

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا، میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن پہلے ہی فوت ہو گئی تو کیا اس کی طرف سے حج ہے؟ تو آپ نے فرمایا : اگر اس کے ذمہ قرض ہوتا تو تم اسے ادا کرتے؟ کہا ہاں! تو فرمایا : اللہ تعالیٰ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ [بخاری ۲۲۰/۱]

⑤ بار بار عمرہ کرنا :

مکہ مکرمہ میں رہ کر بار بار عمرہ کرنا درست ہے۔ جس طرح کثرت سے طواف بیت اللہ درست ہے۔ اس کے لیے احرام حرم سے باہر جا کر بھی باندھا جا سکتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام تنعیم (مسجد عائشہ) سے احرام باندھنے کا واقعہ ہے۔ اسی طرح مکہ میں حرم کے اندر اپنی رہائش گاہ سے بھی احرام باندھنا درست ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

وَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمِنْ اَهْلِهِ حَتّٰى إِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا

[بخاری ۲۰۷/۱]

"جو میقات کے اندر ہے وہ اپنی رہائش گاہ سے احرام باندھے حتیٰ کہ مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھیں گے"۔

اگر کوئی کہے کہ مکہ میں رہ کر بار بار عمرہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں رہ کر بار بار طواف کرنا بھی تو ثابت نہیں۔ کیونکہ آپؐ عمرہ کر کے اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے باہر ابطح میں ٹھہر گئے تھے اور آٹھ ذوالحجہ کو وہاں سے منیٰ چلے گئے تھے۔ اگر کوئی کہے کہ طواف سے منع نہیں کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ عمرہ کرنے سے بھی منع نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

⑥ نماز میں قصر کریں :

منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں نماز قصر کریں۔ چاہے آپ مکہ میں رہتے ہوں یا مکہ سے باہر کے ہوں۔ کیونکہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات پر قصر کی تھی اسی طرح آپؐ کے ساتھ مکہ شہر کے لوگ بھی تھے۔ بلاشبہ انہوں نے بھی آپؐ کے ساتھ قصر کر کے نمازیں ادا کی تھیں۔ آپؐ نے انہیں پوری نماز ادا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے

انہیں ((اَتِمُّوا فَاِنَّا سَفْرٌ)) "تم نماز مکمل کر لو ہم تو مسافر ہیں" کہہ کر پوری نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا- ہم کہتے ہیں کہ ان حضرات کو دراصل سخت غلط فہمی اور وہم ہوا ہے کیونکہ آپؐ نے یہ حکم اہل مکہ کو شہر کے اندر فتح مکہ کے موقع پر دیا تھا- جبکہ وہ اپنے شہر کے اندر مقیم تھے- لہٰذا صحیح یہی ہے کہ اہل مکہ اور دیگر حجاج کرام نماز میں قصر کریں گے-

⑦ حائضہ اور نفاس والی عورت کا حج :

آٹھ ذوالحجہ کو جب منیٰ کی روانگی کا وقت آیا تو آپؐ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو روتے دیکھا- آپؐ نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی (عمرہ نہ ہوا) اب سب لوگ منیٰ جا رہے ہیں اور میں بدستور حالت حیض میں ہوں تو آپؐ نے فرمایا : غسل کرو اور حج کا احرام باندھ لو اور سب ارکان ادا کرو جو حاجی ادا کریں' البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا- [بخاری : ۱/۴۴]

اسی طرح سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں بیٹا (محمد بن ابی بکر) پیدا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غسل کر لو اور کس کر لنگوٹ باندھ لو اور پھر احرام کی حالت اختیار کر لو- [مسلم : ۱/۳۸۵]

(از شیخ فاروق اصغر صارم مجلّہ الدعوہ' فروری ۱۹۹۸ء)

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا

س جب کسی آدمی کے پاس حج کرنے کے لیے زادِ راہ موجود ہو تو کیا اس پر حج فرض ہو جاتا ہے اور اگر رقم موجود ہونے کے باوجود وہ حج نہ کرے تو گناہگار ہو گا یا نہیں؟- (سائل ابوہاشم خلیل' لاہور)

ج حج دینِ اسلام کا ایک رُکن ہے اور صاحب استطاعت پر فرض ہے- ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [آل عمران ۳ : ۹۷]

"اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی کا انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے"۔

① عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ))

[بخاری کتاب الایمان باب دعاء کم ایمانکم (۸) مسلم کتاب الایمان (۲۱-۴۵) مشکوٰۃ (۴)]

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے : اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' حج کرنا اور رمضان کا روزہ رکھنا"۔

② عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جبریل میں ہے کہ آپ نے اسلام کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا :

((اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا))

[صحیح مسلم کتاب الایمان (۱-۸) مشکوٰۃ (۲)]

"اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کر۔ زکوٰۃ ادا کر' رمضان کے روزے رکھ اور اگر بیت اللہ کی طرف جانے کی طاقت ہے

تو حج کر"۔

④ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا :

((اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا فَقَالَ رَجُلٌ کُلَّ عَامٍ؟ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَھَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ))

[مسلم کتاب الحج (۱۳۳۷) باب فرض الحج مرة فی العمر]

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے پس تم حج کرو۔ ایک آدمی نے کہا : کیا ہر سال اے اللہ کے رسول؟ آپ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ اس نے یہ کلمہ تین بار کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے"۔

ان آیات و احادیثِ صریحہ سے معلوم ہوا کہ صاحب استطاعت پر عمر میں ایک بار حج فرض ہے۔ امام ابنِ قدامہ المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَاَجْمَعَتِ الْاُمَّةُ عَلٰی وُجُوْبِ الْحَجِّ عَلَی الْمُسْتَطِیْعِ فِی الْعُمْرِ مَرَّةً وَّاحِدَةً)) [المغنی ۶/۵]

"امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ صاحب استطاعت پر عمر میں ایک مرتبہ حج واجب ہے"۔

﴿ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ﴾ کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے "الزاد والراحلة" یعنی سفر اور سواری مراد ہے"۔ [ابن کثیر ۱/۴۱۴]

اس سے معلوم ہوا کہ جس آدمی کے پاس سامان سفر اور سواری کا انتظام موجود ہو اس پر حج فرض ہے اور جو آدمی طاقت کے باوجود حج نہ کرے وہ ایک فرض کا تارک ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

مَنْ اَطَاقَ الْحَجَّ فَلَمْ یَحُجَّ فَسَوَاءٌ عَلَیْهِ مَاتَ یَهُوْدِیًّا اَوْنَصْرَانِیًّا

[تفسیر ابن کثیر ۱/۴۱۵]

"جو آدمی حج کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے برابر ہے اس پر خواہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر"۔ [ابن ابی شیبہ]

لہٰذا صاحب استطاعت آدمی بیت اللہ کا حج ضرور کرے اور کوشش کرے کہ استطاعت کی موجودگی میں جلد حج کرے کیونکہ موت کا علم کسی آدمی کو نہیں۔ اس لیے اپنی زندگی میں اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائے۔

کتاب

الجهاد

کیا جہادِ کشمیر شرعی جہاد ہے؟

س کیا موجودہ جہادِ کشمیر شرعی ہے؟ بالادلہ جواب دے کر شفقت فرمائیں۔ (محمد امین' جامعہ اشاعت الاسلام تحصیل عارف والا پاک پتن)

ج حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ))

[رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ' مشکوٰۃ ۱/۱۴]

"جہاد دین کی چوٹی ہے"۔

اسلام کا حق ہے کہ وہ غالب ہو اور باقی ادیان باطلہ مغلوب ہوں۔ غلبہ اسلام کا ذریعہ جہاد ہے۔ جب تک جہاد ہوتا رہا' اسلام کا غلبہ رہا۔ جب جہاد کو چھوڑا گیا' مسلمان ذلیل و خوار ہو گئے اور کافروں کا غلبہ ہو گیا۔ رسول صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ))

[ابو داؤد ۳/۱۳۴ باب فی النھی عن العینۃ مرفوعًا عن ابن عمرؓ]

"جب تم بیع عینہ (سودی کاروبار) شروع کر دو گے اور بیلوں کی دموں کو پکڑ لو گے اور کھیتی باڑی پر خوش ہو جاؤ گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف

لوٹ آؤ"۔

اور جہاد کا مقصد یہ قرار دیا گیا کہ صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت ہو اور شرک ختم ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

[مسند احمد بن حنبل ۹۲/۲]

"میں بھیجا گیا ہوں قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ یہاں تک کہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے اور میرا رزق میرے نیزے کی انی کے نیچے رکھا گیا ہے اور جس نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی' اس کے لیے ذلت اور پستی لکھ دی گئی ہے اور جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے"۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس بات کو سمجھا اور اس پر جہاد کرتے رہے۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے عامل سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَمَرَنَا نَبِيُّنَا رَسُوْلُ رَبِّنَا نُقَاتِلُكُمْ حَتّٰى تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ اَوْ تُؤَدُّوا الْجِزْيَةَ)) [صحیح بخاری ۴۴۷/۱]

"پس ہمیں حکم دیا ہے ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو ہمارے رب کے رسول ہیں کہ ہم تم سے لڑائی کریں حتیٰ کہ تم اللہ اکیلے کی عبادت کرو یا تم جزیہ دو"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا

ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَآءَ هُم وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) [متفق علیہ' مشکوٰۃ ۱۲/۱]

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں پس جب وہ یہ کریں گے تو ان کے خون اور ان کے مال مجھ سے بچ جائیں گے مگر جس کا اسلام نے حق دیا ہے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہوگا"۔

یہ جہاد کا اہم مقصد ہے۔ ﴿ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾ (متفق علیہ مرفوعا عن ابی موسیٰ الاشعری ریاض الصالحین ص : ۴۲) "اللہ کا کلمہ ہی بلند ہو"۔

ہندوستان کا ہندو دُنیا کا بدترین مشرک ہے۔ یہ بُت پرست مشرک مشرکینِ مکّہ سے بھی آگے ہے۔ کروڑوں ان کے معبود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہندو سے جہاد کی فضیلت بیان فرمائی ہے غالباً اس کی وجہ اس کا بدترین مشرک ہونا ہے۔ جہاد سے اہم المقاصد شرک کو ختم کرنا ہے۔

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾

[الانفال : ۳۹]

"اور ان (کافروں) سے لڑو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور پورے کا پورا دین اللہ کے لیے ہو جائے"۔

نیز جہاد مظلوموں کی مدد کرنے اور کافروں سے مقبوضہ علاقوں کو چھڑانے کے لئے بھی ضروری ہے۔ کافروں کے حملہ کی صورت میں مدافعانہ قتال' معاہدہ کر کے توڑنے والوں کو سزا دینا' اپنے مقتولین کا بدلہ لینا' یہ سب اسباب جہاد کو فرض کر دیتے ہیں : ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ (بقرہ : ۲۱۶) "تم پر قتال فرض کر دیا گیا ہے"۔ مقبوضہ کشمیر اور ہندوستان میں یہ سب صورتیں پائی جاتی ہیں۔ حالات کا تقاضا ہے کہ

ہندوؤں سے جہاد کیا جائے۔ مسلمانوں کے علاقوں پر ان کا قبضہ ہے۔ شرعی لحاظ سے ان کو کافروں کے قبضہ سے چھڑانے کے لیے جہاد کرنا فرض ہے۔ مقبوضہ کشمیر، حیدر آباد دکن، جوناگڑھ وغیرہ مسلمان ریاستوں پر ہندوؤں نے جبراً قبضہ کیا ہوا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ ﴾ [البقرہ ۲: ۱۹۱]

"اور ان کو قتل کرو جہاں تم ان کو پاؤ اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا"۔

اپنے علاقے واپس لینے کے لیے لڑنے والے طالوت کے ساتھیوں نے کہا تھا :

﴿ وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَائِنَا ﴾ [البقرہ ۲: ۲۴۶]

"اور ہم اللہ کے راستے میں کیوں نہ لڑائی کریں اور تحقیق ہم اپنے ملک اور بچوں سے نکال دیے گئے"۔

مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کا قتل، عورتوں کی عصمت دری، املاک، کھیتوں، دکانوں کو جلانا اور ہزاروں افراد ہجرت پر مجبور کر دیے گئے۔ یہ حالات بھی جہاد کو فرض کر دیتے ہیں۔

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴾ [النساء ۴: ۷۵]

"اور تم اللہ کے راستے میں لڑائی کیوں نہیں کرتے حالانکہ ضعیف مرد، عورتیں اور بچے کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اس بستی سے نکال جس کے

رہنے والے ظالم ہیں اور تو اپنی طرف سے ہمارے لیے کوئی دوست اور مددگار بنا"۔

ہندوؤں نے کشمیر میں استصواب رائے اور ہندوستان میں مسلمانوں کی جان و مال اور مساجد کی حفاظت کے معاہدے کیے ہیں اور اب تمام معاہدے توڑ دیئے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہندوؤں سے جہاد کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿١٢﴾ ﴾

[التوبة]

"اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو پس کفر کے اماموں سے لڑو۔ بے شک ان کا کوئی عہد نہیں تاکہ وہ باز آ جائیں"۔

سات آٹھ لاکھ ہندو فوج مسلمانوں سے لڑنے کے لیے کشمیر آئی ہے ان سے لڑنا مسلمانوں پر فرض ہے:

﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾

[البقرہ۲ : ۱۹۰]

اور اللہ کے راستے میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں"۔

قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ کی نصوص سے کشمیر کے موجودہ جہاد کی شرعی حیثیت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان حالات میں کشمیر بلکہ ہندوستان کے اندر بھی ہندو سے جہاد کرنا فرض ہے اور شریعت کا تقاضا ہے۔

جہاد کے فرض عین اور فرض کفایہ کی بحث ہمارے نزدیک اتنی اہم نہیں ہے کہ اس پر ساری توانائیاں صرف کر دی جائیں اور نہ ان میں تعارض ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ عملاً قتال میں حصّہ لینا ہر فرد کے لیے ممکن نہیں۔ مقبوضہ کشمیر

میں جہاد کے لیے جسمانی' عسکری اور دینی تربیت ضروری ہے اور پھر ہر فرد کا مقبوضہ کشمیر پہنچنا بھی مشکل ہے- اس لحاظ سے جہاد کو نماز روزہ کی طرح فرض عین قرار دینا صحیح نہ ہو گا لیکن جہاد ایک وسیع عمل ہے- جہاد کی ترغیب' اس کے لیے مالی وسائل مہیا کرنا' مجاہدین کی ٹریننگ' اسلحہ کی فراہمی' مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر کی دیکھ بھال کرنا' احادیث میں ان کو جہاد قرار دیا گیا ہے- پھر کم از کم جہاد کے لیے دلی ارادہ اور عزم بھی جہاد کا حصّہ ہے- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ)) [مسلم/مشکوٰۃ ۳۳۱/۲]

''جو مر گیا نہ اس نے جہاد کیا اور نہ اس نے جہاد کا سوچا تو وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا''-

حاشیہ مشکوٰۃ میں وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ کے تحت لکھا ہے : وَيَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ أَنْ يُّقَوِّيَ الْجِهَادَ ''اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ جہاد کو مضبوط کرے''- اور اس میں فرض عین کی دلیل ہے يَسْتَدِلُّ بِظَاهِرِهٖ مَنْ قَالَ الْجِهَادُ فَرْضُ عَيْنٍ مُطْلَقًا اور اس کے ظاہر سے وہ شخص استدلال کرتا ہے جو کہتا ہے کہ جہاد مطلقاً فرض) ہے- (حاشیہ مشکوٰۃ ۳۳۱) ((وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ))

فرض عین اور فرض کفایہ کے بارے میں ہمارے پیش نظر اور اصولی مباحث ہیں' ان کو قصداً ترک کر دیا گیا ہے-

اس وقت مسلمان حکمرانوں پر کافروں کا تسلط ہے- وہ کھل کر نہ جہاد میں حصّہ لے سکتے ہیں اور نہ اس کی ترغیب اور تائید کر سکتے ہیں- اس لیے معروضی حالات کا تقاضا ہے کہ جہاد میں ہر مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق حصّہ لے- علماء کرام جہاد کی ترغیب و تحریض اور اس پر شکوک و شبہات کے ازالے میں اپنا حصّہ ڈالیں-

تجار وغیرہ مالی تعاون فراہم کریں۔ دانشور' صحافی کافروں کے پروپیگنڈہ کا جواب دیں۔ وہ جہاد کو دہشت گردی کے نام سے بدنام کرتے ہیں۔ زندگی کے تمام طبقات میں جہاد کے لیے بیداری اور تائید ہونی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ جہاد کی مخالفت اور اس میں شکوک و شبہات سے جہاد کمزور یا ختم ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو مسلمان موجودہ ذلت سے بھی بدتر ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گریں گے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ' بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ

عرصہ دراز کے بعد جہاد شروع ہوا ہے تو اس کو آگے بڑھنا چاہیے۔ مسلمان حکمرانوں کو محکومی سے نکالنے کے لیے بھی جہاد کا قوت پکڑنا ضروری ہے۔ اسی راستے سے آزادیاں نصیب ہوں گی اور ایک اللہ کی غلامی کا اعزاز میسر آئے گا ان شاء اللہ۔ بہرحال اب جہاد کی مخالفت کو ختم ہو جانا چاہیے۔ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ جہاد کا ہراول دستہ بنیں۔ جہاد کی ترغیب' مجاہدین کی مالی اعانت' ان کی دینی تربیت میں بھرپور کردار ادا کریں اور مجاہدین تک پہنچیں اور جہاں شرعی لحاظ سے ان کی کارکردگی یا طریقہ میں سقم ہو' اس کی اصلاح کریں۔

جہاد کس طرح ہونا چاہیے؟ اس کی حکمت عملی اور طریقہ کار کیا ہونا چاہیے' مسجد اور اس کے حجرہ میں بیٹھ کر اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کی اصلاح اور درستی کے لیے مجاہدین کے پاس پہنچنا ہو گا۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى (آمین)

هٰذَا مَا عِنْدِي مِنَ الْجَوَابِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَنَا عَبْدُهٗ

(فضیلۃ الشیخ حافظ احمد اللہ' مجلۃ الدعوہ مارچ ۱۹۹۹ء)

کتاب

النکاح

شادی کی رسومات میں شرکت

س ہمارے رشتہ داروں میں بہت سے ایسے پروگرام ہوتے ہیں جن میں گانا بجانا' تصویریں کھینچنا' ڈھولک اور رقص وغیرہ کا بندوبست ہوتا ہے اور ہمیں بھی ان میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے تو کیا ایسی دعوت میں شریک ہونا شرعاً جائز ہے یا اس کا انکار کر دینا مناسب ہے؟ کتاب و سنت کی رو سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں کیونکہ ہماری رشتہ داری کا معاملہ ہے اور سنا ہے کہ رشتہ داری کو توڑنا بھی حرام ہے- بینوا واتوجروا (عبداللہ' لاہور)

ج ایسی دعوت جو اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی پر مشتمل ہو اس میں شریک ہونا جائز نہیں' ہاں اگر وہاں پر برائی کو روکنے اور اس پر نکیر کرنے کے لیے جائیں تو درست ہے وگرنہ نہیں- کیونکہ وہ مجالس و محافل جن میں ڈھول' طبلے' سارنگیاں اور آلاتِ طرب' رقص و سرود' گانا بجانا اور تصویر سازی جیسی محرمات موجود ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مشتمل ہیں بلکہ احکاماتِ شرعیہ کا مذاق ہیں- ان میں شرکت ناجائز و حرام ہے- جس طرح ان محرمات کا مرتکب وعید شدید کا مستحق ہے' اسی طرح ان کے اس فعل پر رضامندی کا اظہار کر کے مجلس میں شامل ہونے والا اور مجلس منعقد کرنے والا گناہ میں برابر کے شریک ہیں-

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ ﴾ [لقمان۳۱ : ۶'۷]

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو گانے بجانے کا سامان خریدتے ہیں' تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو گمراہ کریں اور اسے ہنسی و مذاق بنائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے اور جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتے ہوئے اس طرف منہ پھیرلیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے۔ آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں"۔

اس آیت کریمہ میں ﴿ لَهْوَ الْحَدِيثِ ﴾ کا مطلب گانا بجانا ہے جیسا کہ صحابی رسول ﷺ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ کہتے تھے :

((اَلْغِنَاءُ وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُرَدِّدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ))

[تفسیر طبری ۲۱/۶۲ ابن کثیر ۳/۴۸۶ ابن ابی شیبہ ۶/۳۰۹ مستدرک حاکم ۲/۴۱۱ بیھقی ۱۰/۲۲۳]

"اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس آیت کریمہ میں ﴿ لَهْوَ الْحَدِيثِ ﴾ سے مراد گانا بجانا ہے۔ یہ بات انہوں نے تین مرتبہ دہرائی"۔

امام حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام ذہبی نے تلخیص میں ان کی موافقت کی ہے۔ اسی طرح مفسر قرآن صحابی رسول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی فرماتے ہیں کہ : " ﴿ لَهْوَ الْحَدِيثِ ﴾ ' سے مراد گانا بجانا اور اس جیسی دیگر اشیاء ہیں"۔

[ملاحظہ ہو " تفسیر طبری ۲۱/۶۱'۶۲ بیہقی ۱۰/۲۲۱ الادب المفرد (۷۸۶) کشف الاستار (۲۶۶۴) ابن ابی شیبہ ۶/۳۱۰ تفسیر عبدالرزاق اس روایت کی سند حسن ہے]

یہی تفسیر جابر، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، ابراہیم نخعی، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب اور علی بن بذیمہ رحمۃ اللہ علیہم سے بھی مروی ہے۔

(ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر ۳/۴۸۶ اور المنتقی النفیس ص: ۳۰۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف صالحین کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ گانا بجانا اور اس کے آلات کی خریداری بالکل ناجائز و حرام ہے۔ اس پر ﴿ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾ کی وعید سنائی گئی ہے اور ایسے اُمور محرمہ جہاں موجود ہوں، وہاں پر شرکت کرنے والا بھی انہی کے حکم میں ہے کیونکہ گناہ کرنے والا اور گناہ پر راضی رہنے والا دونوں ایک ہی حکم میں ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴾ [النساء ۴: ۱۴۰]

"اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں۔ ورنہ تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ اگر تم ایسی مجالس و محافل اور پروگراموں میں شرکت کرو گے جہاں احکاماتِ الٰہیہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اور تم اس پر نکیر نہیں کرو گے تو تم بھی گناہ میں ان کے برابر کے شریک رہو گے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٦٨﴾ ﴾ [الانعام ٦ : ٦٨]

"اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں' یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں"۔

تفسیر احسن البیان ص : ۱۷۷ میں ہے کہ آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تاکیدی حکم ہے جسے قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے' اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ و رسول کے احکام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو یا عملاً ان کا استخفاف کیا جا رہا ہو یا اہل بدعت و اہل زیغ اپنی تاویلات رکیکہ اور توجیہات سخیفہ کے ذریعے آیات الٰہی کو توڑ مروڑ رہے ہوں' ایسی مجالس میں غلط باتوں میں تنقید کرنے اور کلمۂ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے بصورت دیگر سخت گناہ اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔

ایسی مجالس جہاں پر منکرات و منہیات ہوں یا ایسی دعوتیں جہاں پر احکام خداوندی کی قولاً یا فعلاً خلاف ورزی ہو رہی ہو' وہاں پر شرکت کرنا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں ناپسندیدہ اور قابل نفرت تھا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے :

((عَنْ عَلِيٍّ قَالَ صَنَعْتُ طَعَامًا فَدَعَوْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ فَدَخَلَ فَرَاٰى سِتْرًا فِيْهِ تَصَاوِيْرُ فَخَرَجَ وَقَالَ : إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ تَصَاوِيْرُ))

[سنن النسائی ۸/۲۱۳ (۵۳۶۶)' ابن ماجه مختصرًا (۳۳۵۹)' مسند ابی یعلی (۴۳۶' ۵۵۱' ۵۵۶)]

"علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں نے کھانا تیار کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی' آپ آئے' گھر میں داخل ہوئے تو ایک تصویروں والا پردہ دیکھا۔ آپ گھر سے نکل گئے اور فرمایا : "فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں تصویریں ہوں"۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جس دعوت میں آپ کو شریک ہونے کی دعوت دیں۔ اگر آپ کے علم میں ہو کہ وہاں پر منکرات و منہیات ہیں تو ایسی دعوت پر نہ جائیں اور اگر وہاں پہنچنے پر علم ہو تو وہاں سے خارج ہو جائیں کیونکہ اس مجلس میں حاضر و شریک رہنا جائز نہیں۔

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا اِشْتَرَتْ نَمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَقُلْتُ : اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِمَّا اَذْنَبْتُ قَالَ : مَا هٰذِهِ النَّمْرُقَةُ؟ قُلْتُ لِتَجْلِسَ عَلَيْهَا وَتُوَسِّدَهَا قَالَ : إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ : أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ الصُّوَرُ))

[بخاری (۵۹۵۷' ۲۱۰۵' ۵۱۸۱' ۵۹۶۱' ۷۵۵۷) مسلم ۲۱۰۷/۹۶ مسند احمد ۲۶/۳۶ مؤطا مالك ۷۴۶]

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا گدیلا خریدا' اس میں تصاویر تھیں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر سے آئے) تو دروازے پر کھڑے ہو گئے' اندر داخل نہ ہوئے۔ میں نے کہا' میں اپنے جرم کی توبہ اللہ کی طرف کرتی ہوں۔ آپ نے کہا' یہ گدیلا کیا ہے؟ میں نے کہا اس لیے کہ

آپ اس پر بیٹھیں' اس کو اپنے نیچے رکھیں- فرمایا : ان تصویروں کو بنانے والے قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے- انہیں کہا جائے گا جو تم نے پیدا کیا' اس میں روح ڈالو اور یقیناً فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں تصویریں ہوں"-

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جہاں پر احکامات شرعیہ کی خلاف ورزی ہو' آپ وہاں شرکت نہ کریں- اگر جائیں تو ان منکرات پر نکیر کریں اور دعوت دے کر سمجھائیں- نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے :

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَقْعُدَنَّ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا بِالْخَمْرِ))

[مسند احمد ۱۲۶/۱' ۳۳۹/۳ مسند ابی یعلی (۱۹۲۵) ترمذی (۲۸۰۳) مستدرک حاکم ۲۸۸/۴' ۱۶۲/۱]

"جو آدمی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو' وہ ایسے دستر خوان پر ہرگز نہ بیٹھے جہاں شراب پیش کی جا رہی ہو"-

امام حاکم نے اسے صحیح کہا' امام ذہبی نے ان کی موافقت کی' امام ترمذی نے اسے حسن کہا اور علامہ البانی حفظہ اللہ نے إرواء الغلیل ۶/۷ (۱۹۴۹) میں اسے صحیح قرار دیا ہے- اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ایسی مجالس و محافل جہاں پر شراب کے دور چل رہے ہوں' ان میں شرکت حرام ہے کیونکہ یہ اللہ کی نافرمانی پر مشتمل ہے- سلف صالحین رحمہم اللہ کا بھی اس بات پر عمل تھا کہ جہاں اللہ کی نافرمانی ہوتی' اس مجلس میں شرکت نہیں کرتے تھے-

((عَنْ اَسْلَمَ مَوْلٰى عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حِيْنَ قَدِمَ الشَّامَ فَصَنَعَ لَهٗ رَجُلٌ مِنَ النَّصَارٰى فَقَالَ لِعُمَرَ اِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ تَجِيْئَنِيْ وَتُكْرِمَنِيْ اَنْتَ وَاَصْحَابُكَ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ

عُظَمَاءِ الشَّامِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ اَجْلِ الصُّوَرِ الَّتِي فِيْهَا))

[بیھقی ۲۶۸/۷ فتح الباری ۵۳۱/۱ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ فی البیعۃ معلقا الادب المفرد ۲۲۷ (۱۲۴۸)]

"اسلم جو عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے' فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ جب شام میں آئے تو ایک عیسائی نے آپ کے کھانے کی دعوت کی اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا' میں آپ اور آپ کے ساتھیوں کی آمد کو پسند کرتا ہوں کہ آپ میرے پاس آئیں اور مجھے شرف بخشیں- وہ شام کے علاقے کا بڑا چودھری تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ہم تمہارے معبد خانوں میں تصویروں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے"-

((عَنْ اَبِي مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَجُلًا صَنَعَ طَعَامًا فَدَعَاهُ فَقَالَ اَفِي الْبَيْتِ صُوْرَةٌ' قَالَ نَعَمْ' فَاَبَى' اَنْ يَّدْخُلَ حَتّٰى كُسِرَ الصُّوْرَةُ ثُمَّ دَخَلَ)) [بیھقی ۲۶۸/۷ فتح الباری ۲۴۹/۹ و سندہ صحیح]

"ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے لیے ایک آدمی نے کھانا تیار کیا- پھر انہیں دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ گھر میں تصویر ہے تو اس نے کہا ہاں تو انہوں نے داخل ہونے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ اس نے تصویر کو توڑا پھر آپ داخل ہوئے"-

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا :

لَا نَدْخُلُ وَلِيْمَةً فِيْهَا طَبْلٌ وَلَا مِعْزَافٌ

[الفوائد المنتقاۃ' لابی الحسن الحربی ۱/۳/۴ بحوالہ آداب الزفاف للشیخ الالبانی حفظہ اللہ ص : ۱۶۶]

"ہم ایسے ولیمے میں داخل نہیں ہوتے جس میں طبلے سارنگیاں ہوں"-

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ اور عمل سلف صالحین رحمہم اللہ سے

معلوم ہوا کہ وہ دعوتیں اور مجلسیں جن میں اللہ کی نافرمانی پر مشتمل اُمور سرانجام دیئے جاتے ہوں' آلاتِ طرب' ڈھولک' طبلے' سارنگیاں' بانسریاں' مزامیر' دھمال اور رقص و سرود' تصویر سازی' گانے بجانے جیسے غیر شرعی امور پر عمل کیا جاتا ہو' وہاں پر شرکت کرنا' ان کے ساتھ بیٹھنا' ایسے پروگرام سننا' اس کا بندوبست کرنا ناجائز و حرام ہے- اگر وہاں سے یہ اُمورِ قبیحہ و شنیعہ ختم کر دیئے جائیں تو پھر شرکت جائز و درست ہے- اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں عزیز و اقارب اور رشتہ داری کا لحاظ نہیں کیا جاتا- جس آدمی کو اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں رشتہ داری' کنبہ' برادری' خاندان' قبیلے' دوست و احباب اور مال و متاع وغیرہ زیادہ پیارے اور عزیز ہیں' اسے اللہ کے عذاب کا منتظر رہنا چاہیے' جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت : ۲۴ اور سورۂ نور کی آیت : ۶۳ میں مذکور ہے- (مجلۃ الدعوۃ جنوری ۱۹۹۸ء)

عورت کا نکاح پڑھانا

س پچھلے دنوں دستک نامی ادارے کی سربراہ عاصمہ جہانگیر نے ایک جوڑے کا نکاح پڑھایا ہے- اس پر مختلف حلقوں میں بڑی لے دے ہوئی اور کہا گیا کہ نکاح منعقد کرنے میں مرد و عورت کی کوئی قید نہیں- قرآنی آیات و احادیث پڑھنا بھی سُنّت ہے لیکن یہ بھی نکاح کے لیے کوئی شرط اور ضروری نہیں صرف ایجاب و قبول اور گواہ ضروری ہیں- اس معاملے کی قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں- (ابو عبداللہ' لاہور)

ج شریعت اسلامیہ میں فحاشی و عریانی کی روک تھام کے لیے بہت سے قواعد و اصول موجود ہیں جن پر چل کر انسان اپنے آپ کو برائی و بدکاری سے بچا سکتا ہے' ان قوانین میں سے ایک نکاح کا معاملہ بھی ہے' جو انسان کی نگاہ کی حفاظت اور شرمگاہ کا تحفظ کرتا ہے- نکاح کے ضروری مسائل سے آگاہ ہونے کے

لیے کتاب و سنّت میں بہت سے دلائل موجود ہیں لیکن امت مسلمہ کو راہ راست سے ہٹانے اور انہیں بدکاری و فحاشی کے سیلاب میں بہانے کے لیے مختلف یہودی ادارے اور تنظیمیں اپنے حواریوں سمیت عروج پر ہیں۔ جنہوں نے انسانی حقوق کے تحفظ اور آزادی نسواں کے نام پر کئی ایک ادارے اور سوسائیٹیز قائم کر کے مسلم ممالک میں بے حیائی کو عام کر دیا ہے۔ انہیں یہودی تنظیموں کے توسط سے ملک پاکستان میں عاصمہ جہانگیر نامی عورت نے "دستک" کے نام پر فحاشی و عریانی کا اڈا قائم کر رکھا ہے جہاں پر بہت سے گھروں کی لڑکیاں جو اپنے آشناؤں کے ساتھ فرار ہو کر آتی ہیں پناہ پکڑتی ہیں اور عاصمہ باقاعدہ انہیں تحفظ فراہم کرتی ہے اور اسلامی شعائر کا مذاق و استہزاء کرتی ہے۔ عاصمہ جہانگیر کا خود نکاح قائم کرنے کا شاخسانہ بھی اسی استہزاء کی ایک کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نکاح کے قواعد و ضوابط جو بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایجاب و قبول' دو عادل گواہ اور ولی کی موجودگی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جس نکاح کا ذکر سوال میں کیا گیا اخبارات یا عوام الناس کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عورت کا ولی بھی موجود نہیں۔ حالانکہ نکاح کے قیام کے لیے عورت کے ولی کا ہونا از حد ضروری ہے' جس کے بارے میں رسول مکرم ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ :

((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ))

[ابوداؤد مع عون ۱۰۱/۶'۱۰۲' ترمذی ۲۲۶/۴' ابنِ ماجہ ۵۸۰/۱- ابنِ حبان (۱۲۴۳) وغیرھا]

"ولی کے بغیر نکاح نہیں"۔

نکاح کے لیے ولی کا ضروری ہونا کئی ایک ادلہ سے معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن و سنّت کی روشنی میں" جلد اوّل کا صفحہ ۳۲۵ تا ۳۳۶ ملاحظہ ہو۔ شریعت اسلامیہ میں عورت

کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنا نکاح خود کرلے یا کسی دوسری عورت کا نکاح کرے۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لاَ تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ الْمَرْاَةَ وَلاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةَ نَفْسَهَا فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ اللَّتِيْ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا))

[السنن الكبرى للبيهقي ۱۱۰/۷، دار قطني ۲۲۷/۳، سنن ابن ماجه (۱۸۸۲)]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : عورت عورت کی شادی نہ کرے اور نہ ہی عورت اپنی شادی خود کرے۔ جو عورت اپنی شادی خود کرتی ہے وہ زانیہ ہے"۔

علامہ محمد بن اسماعیل الصنعانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

((فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلَى أَنَّ الْمَرْاَةَ لَيْسَ لَهَا وَلاَيَةٌ فِي الْاِنْكَاحِ لِنَفْسِهَا وَلاَ لِغَيْرِهَا فَلاَ عِبَارَةَ لَهَا فِي النِّكَاحِ اِيْجَابًا وَلاَ قَبُوْلاً فَلاَ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا بِاِذْنِ الْوَلِيِّ وَلاَ غَيْرِهِ وَلاَ تُزَوِّجُ غَيْرَهَا بِوِلاَيَةٍ وَلاَ بِوَكَالَةٍ وَلاَ تُقْبَلُ النِّكَاحُ بِوِلاَيَةٍ وَلاَ وَكَالَةٍ وَهُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ))

[سبل السلام ۱۲۲۱/۳ طبع مکتبہ نزار ریاض]

"اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو اپنا یا کسی دوسری عورت کا نکاح کرانے کا اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا نکاح کے سلسلے میں ایجاب و قبول کے بارے میں عورت معتبر نہیں ہے۔ ولی وغیرہ کی اجازت کے ساتھ اپنی شادی خود نہ کرے۔ اور نہ ہی کسی دوسری عورت کی شادی ولایت و وکالت کے ساتھ کرے اور عورت کی ولایت و وکالت کے ساتھ نکاح قبول نہیں کیا جائے گا اور یہی جمہور علماء محدثین رحمہم اللہ کا قول ہے"۔

علامہ صنعانی رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ عورت ایجاب و قبول کے

بارے معتبر ہے اور نہ ہی نکاح میں عورت کی ولایت اور وکالت کو قبول کیا گیا ہے۔

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

تزویج نکند زن زن را یعنی زن را ولایت نمی باشد در انکاح نفس خود وانکاح غیر خود پس نیست اورا عبارت در نکاح نہ ایجاباً ونہ قبولاً

[مسك الختام شرح بلوغ المرام ۳/۳۴۲]

"عورت عورت کی شادی نہ کرے یعنی عورت کو اپنا یا کسی دوسری عورت کا نکاح کرانے میں ولایت حاصل نہیں ہے لہٰذا نکاح کے سلسلے میں ایجاب و قبول کے متعلق عورت معتبر نہیں ہے"۔

نیز بیہقی میں "لَا تُنْكِحُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ" یعنی "عورت عورت کا نکاح نہ کرے" کے الفاظ بھی ہیں۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ صَحَّ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَنْكَحَتْ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ اَخِيْهَا فَضَرَبَتْ بَيْنَهُمْ بِسِتْرٍ ثُمَّ تَكَلَّمَتْ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ اِلَّا الْعَقْدُ اَمَرَتْ رَجُلًا فَاَنْكَحَ ثُمَّ قَالَتْ لَيْسَ اِلَى النِّسَاءِ نِكَاحٌ

[اخرجه عبدالرزاق' فتح الباری ۹/۱۸۶ تحت باب من قَالَ لا نکاح الا بولی]

"سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی کے بیٹوں میں سے ایک آدمی کے نکاح (کا بندوبست) کیا انہوں نے ان کے درمیان پردہ لگا دیا پھر بات کی۔ یہاں تک کہ جب عقد کے علاوہ کوئی معاملہ باقی نہ رہا تو انہوں نے ایک مرد کو حکم دیا اس نے نکاح کر دیا پھر فرمایا: نکاح کا قائم کرنا عورتوں کا کام نہیں ہے"۔

[نیز ملاحظہ ہو: ابنِ ابی شیبہ باب من قَالَ لیس للمراۃ ان تزوج المراۃ وانما العقد بید الرجال ۳/۴۵۸ (۱۵۹۵۹) و عبدالرزاق باب النکاح بغیر ولی ۶/۲۰۱

المحلی لابن حزم وغیرھا]

ابنِ ابی شیبہ اور عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخے میں ہے :

"فَإِنَّ النِّسَاءَ لَا يُنْكِحْنَ"

"عورتیں نکاح نہیں کرا سکتیں"۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے انتظامات وغیرہ میں عورت اپنا کردار پردے کے اندر رہ کر ادا کر سکتی ہے لیکن نکاح پڑھانے کی اسے اجازت نہیں۔ اس لیے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب عقد نکاح کا معاملہ ہوا تو مرد کے سپرد کر دیا۔ جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی پاکباز خاتون اُمّ المومنین یہ کام نہیں کر سکتیں تو عاصمہ جہانگیر جیسی خبیث النفس عورت کو اس کا اختیار کہاں ہے کہ وہ بدون ولی خود ولایت کا اختیار بھی لے لے اور نکاح بھی پڑھا دے۔

اس مسئلہ کی مزید تائید سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا :

لَا تَشْهَدُ الْمَرْأَةُ يَعْنِي الْخُطْبَةَ وَلَا تُنْكِحُ

[ابن ابی شیبہ ۳/۴۵۸ (۱۵۹۶۳)]

"عورت خطبہ نہ دے اور نہ نکاح کرائے"۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَيْسَ الْعَقْدُ بِيَدِ النِّسَاءِ وَإِنَّمَا الْعَقْدُ بِيَدِ الرِّجَالِ

[ابن ابی شیبہ ۳/۴۵۸ (۱۵۹۵۸) موسوعۃ فقہ ابراھیم النخعی ۱/۶۷۷]

"عقد نکاح عورت کے ہاتھ میں نہیں' عقد نکاح صرف مرد کے ہاتھ میں ہے"۔

قرآنِ مجید میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۷ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ﴿ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾ کہہ کر عقد نکاح مرد کے حق میں ذکر کیا ہے۔ نیز شروع سے لے کر

آج تک امت مسلمہ کا اجماع و تعامل بھی یہی ہے کہ نکاح کرانا مرد کا حق ہے۔
مندرجہ بالا احادیثِ صحیحہ اور ائمہ محدثین کی توضیحات سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح مرد کے اختیار میں ہے اور نکاح کا خطبہ پڑھنا جو کہ مسنون ہے اور ایجاب و قبول کرانا' یہ مرد کا حق ہے عورت اس باب میں معتبر نہیں ہے۔

وٹہ سٹہ کی شادی

س ہمارے معاشرے میں بے شمار رسم و رواج ایسے ہیں کہ ان سے نجات پانا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور خاندان و کنبہ والے افراد سے بائیکاٹ کرنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ اس معاشرے میں رہتے ہوئے نکاح کے مسائل میں سے ایک مسئلہ درپیش ہے کہ وٹہ سٹہ کی شادی کا شرعی طور پر کیا حکم ہے۔ کتاب و سُنّت کی روشنی سے وضاحت فرمائیں۔ (سائل' سندھ)

ج نکاح وٹہ سٹہ کو شرعی طور پر شغار کہا جاتا ہے اور شغار کی ممانعت نبی اکرم ﷺ کی کئی ایک احادیث میں موجود ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ))

[صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب تحریم نکاح الشغار وبطلانہ ۱۰۳۵/۲ (۱۴۱۵) مسند احمد ۹۱/۲' ۳۵]

"اسلام میں نکاح شغار (وٹہ سٹہ) نہیں ہے"۔

یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح بھی مروی ہے کہ :

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ))

[صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب تحریم نکاح الشغار وبطلانہ ۱۰۳۴/۲ (۱۴۱۵) مئوطا الامام مالك' باب جامع ما لا یجوز من النکاح (۲۴) کتاب الام للشافعی ۷۶/۵ صحیح بخاری' کتاب النکاح باب الشغار (۵۱۱۲) وکتاب

الحیل (۶۹۶۰) ابوداؤد کتاب النکاح' باب الشغار (۲۰۷۴) ابن ماجہ (۱۸۸۳) مسند احمد ۲/ ۷' ۱۹' ۳۵' ۶۲]

"رسول اللہ ﷺ نے نکاح شغار (وٹہ سٹہ) سے منع فرمایا"۔

نیز یہی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم' سنن نسائی' ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں بھی مروی ہے اور انس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ' ابن حبان اور مسند احمد میں' عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن حبان و ابن ابی شیبہ' مسند طیالسی اور مسند احمد میں' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مسلم' بیہقی اور مسند وغیرہ میں موجود ہے۔

غرض اس صحیح ترین حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وٹہ سٹہ کی شادی شرعی طور پر ناجائز و حرام ہے اور نکاح شغار کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کی زیر ولایت ہو اس شرط پر کسی سے بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کی زیر ولایت ہو' اس کے خاندان کے کسی مرد سے بیاہ دے۔ اور یہ شرط شرعاً ناجائز ہے کیونکہ ایسی کوئی شرط کتاب و سنت میں موجود نہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

((کُلُّ شَرْطٍ لَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَھُوَ بَاطِلٌ))

"ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔

مسند احمد ۲/ ۲۱۳' ۱۸۳ نیز بخاری' کتاب البیوع' باب اذا اشترط فی البیع شرطا لا تحل (۲۱۶۸) صحیح مسلم کتاب العتق (۱۵۰۴) وغیرہ میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

((مَا بَالُ رِجَالٍ یَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَیْسَتْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ مَا کَانَ مِنْ شَرْطٍ لَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَھُوَ بَاطِلٌ وَاِنْ کَانَ مِائَۃَ شَرْطٍ))

"ایسے لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب

میں نہیں ہیں؟ ایسی شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے۔ اگرچہ وہ سو (۱۰۰) شرطیں ہی کیوں نہ ہوں"۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَا یَحِلُّ نِکَاحُ الشِّغَارِ۔ وَھُوَ أَنْ یَتَزَوَّجَ ھٰذَا وَلِیَّةَ ھٰذَا عَلَیْهِ أَنْ یُزَوِّجَهُ الْآخَرُ وَلِیَّتَهُ اَیْضًا۔ سَوَاءٌ ذَکَرَا فِیْ کُلِّ ذٰلِكَ صَدَاقًا لِکُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا اَوْلَا حَدَاهُمَا دُوْنَ الْأُخْرٰی اَوْلَمْ یَذْکُرَا فِیْ شَیْءٍ مِنْ ذٰلِكَ صَدَاقًا۔ کُلُّ ذٰلِكَ سَوَاءٌ [المحلی ۹/۱۱۸]

"نکاح وٹہ سٹہ حلال نہیں اور وٹہ سٹہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی زیر ولایت لڑکی سے اس شرط پر شادی کرے کہ دوسرا آدمی بھی اپنی زیر ولایت لڑکی کو اسی طرح اس کے ساتھ بیاہ دے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ انہوں نے ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے مہر ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو یا ایک کا مہر ذکر کیا ہو اور دوسری کا نہ کیا ہو۔ یا دونوں میں سے کسی کا بھی حق مہر ذکر نہ کیا ہو۔ یہ تمام صورتیں برابر ہیں"۔

البتہ شغار (وٹہ سٹہ) کی جو تفسیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آئی ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی اس شرط پر دوسرے کو بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اسے بیاہ دے گا تو ان دونوں کا مہر نہ ہو تو یہ نافع رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الحیل (۶۹۶۰) میں ہے کہ عبید اللہ (راوی حدیث) فرماتے ہیں:

قُلْتُ لِنَافِعٍ مَا الشِّغَارُ۔ قَالَ یُنْکِحُ ابْنَةَ الرَّجُلِ وَیُنْکِحُهُ ابْنَتَهُ بِغَیْرِ صَدَاقٍ وَیُنْکِحُ أُخْتَ الرَّجُلِ وَیُنْکِحُهُ أُخْتَهُ بِغَیْرِ صَدَاقٍ

"میں نے نافع سے کہا شغار کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا شغار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کی بیٹی سے اس طرح نکاح کرے کہ دوسرا اسے اپنی بیٹی نکاح کر دے اور درمیان میں مہر نہ ہو اور آدمی کی بہن سے اس طرح نکاح کرے کہ وہ اسے اپنی بہن نکاح میں دے دے اور درمیان میں حق

مہر نہ ہو...."۔

اگرچہ شغار کی اس تعریف میں یہ اختلاف کیا گیا ہے کہ یہ امام مالک یا نافع یا رسول اللہ ﷺ کی تشریح ہے لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ نافع کی تشریح ہے اور اس میں مہر کی قید اتفاقی ہے۔ شغار میں اصل نکاح کا مشروط کرنا ہے کہ دوسرا بھی اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح اس سے کر دے اور یہ تفسیر رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث کے ساتھ ثابت ہے۔ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ :

((إِنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعَبَّاسِ أَنْكَحَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ الْحَكَمِ ابْنَتَهُ وَأَنْكَحَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنَتَهُ وَكَانَا جَعَلاَ صَدَاقًا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى مَرْوَانَ يَأْمُرُهُ بِالتَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا وَقَالَ فِيْ كِتَابِهِ هٰذَا الشِّغَارُ الَّذِيْ نَهٰى عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

[ابوداؤد، کتاب النکاح باب فی الشغار (۲۰۷۵) مسند احمد ۹۴/۴ ابن حبان (۱۲۶۸)]

"عباس بن عبداللہ بن عباس نے عبدالرحمٰن بن الحکم کو اپنی بیٹی نکاح میں دی اور عبدالرحمٰن بن الحکم نے عباس کو اپنی بیٹی نکاح میں دے دی اور ان دونوں نے مہر بھی مقرر کیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (امیر مدینہ) مروان کو خط لکھ کر حکم دیا کہ دونوں نکاحوں میں جدائی کر دی جائے اور اپنے خط میں لکھا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا تھا"۔

امام ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

فَهٰذَا مُعَاوِيَةُ بِحَضْرَةِ الصَّحَابَةِ - لَا يُعْرَفُ لَهُ مِنْهُمْ مُخَالِفٌ... يَفْسَخُ هٰذَا النِّكَاحَ وَإِنْ ذَكَرَا فِيْهِ الصَّدَاقَ وَيَقُوْلُ إِنَّهُ الَّذِيْ نَهٰى عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَفَعَ

الْإِشْكَالُ جُمْلَةً [المحلی ۹/۱۲۲]

"یہ معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس نکاح شغار کو فسخ کرتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی انکی مخالفت کرنے والا نہیں۔ اگرچہ اس میں دونوں نے مہر کا ذکر بھی کیا ہو اور فرماتے ہیں یہ وہ نکاح ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ اس سے تمام اشکال اُٹھ جاتے ہیں"۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے شغار قرار دیا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے مطابق ان دونوں نکاحوں میں تفریق کروا دیتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے مہر کا ذکر کیا تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نکاح شغار میں اصل چیز شرط ہے اور مہر ایک اتفاقی قید ہے۔ یہ لگائی جائے یا نہ لگائی جائے نفس مسئلہ پر اثر انداز نہیں ہو گی اور اس شرط کی بنیاد پر یہ نکاح حرام ہے۔ ایسے مشروط نکاح میں تفریق کروا دینی چاہئے۔

ہاں اگر کسی آدمی نے اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح کسی دوسرے آدمی سے کر دیا اور کوئی رشتہ کی شرط نہیں لگائی پھر بعد میں دوسرے آدمی کا پروگرام بن جائے کہ وہ پہلے آدمی کو رشتہ دے دے تو اسے شغار (وٹہ سٹہ) نہیں کہا جاتا اور نہ ہی اس کی ممانعت حدیث میں کہیں وارد ہوئی ہے۔ (مجلۃ الدعوۃ اگست ۱۹۹۸ء)

عورت چاہے کنواری ہو' مطلقہ ہو یا بیوہ ولی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح باطل ہے

شریعت اسلامیہ میں مَرد و زن کو بدکاری فحاشی' عریانی اور بے حیائی (Vulgarity) سے محفوظ رکھنے کے لیے نکاح کی انتہائی اہمیت وارد ہوئی ہے۔ شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے اسے راہِ راست سے ہٹانے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ موجودہ معاشرے میں بھی اُمت مسلمہ میں بدکاری و

فحاشی کو عروج دینے کے لیے مختلف یہودی ادارے اور ان کے متبعین اور آزادیٔ نسواں کے نام پر کئی انجمنیں' ادارے اور سوسائٹیز (Human Rights Commission,s) بنا کر مسلمان ممالک میں فحاشی اور بے حیائی کے پنجے تیز کئے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ یورپ کی طرح ہمارے مسلمان معاشرے کو بھی آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے رسول مکرم ﷺ نے ہمیں اس اباحیت سے بچانے کے لیے اور آنکھ اور شرمگاہ کی حفاظت کے لیے مسلم مَرد و زن کے لیے نکاح کی بڑی اہمیت بیان کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٢﴾ ﴾

[النور : ٣٢]

"تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے"۔

آگے فرمایا :

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾

" اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں انہیں چاہیے کہ عفت مآبی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کا امر بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ جنہیں نکاح کی استطاعت نہ ہو وہ اپنے آپ کو پاک و صاف رکھیں اور بدکاری و زنا سے بچے رہیں۔ اس کی مزید تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ)) [بخاری و مسلم]

"اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص اسباب نکاح کی طاقت رکھتا ہو' وہ نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچا اور شرمگاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے' وہ روزے رکھے کیونکہ روزے آدمی کی طبیعت کا جوش ٹھنڈا کر دیتے ہیں"۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ لَّمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))

[ابن ماجہ (۱۸۴۶)]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح کرنا میری سنّت ہے۔ جس نے میری سنّت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں"۔

اسی طرح قرآنِ مجید میں نکاح کو سکون اور محبت و رحمت کا باعث قرار دیا گیا ہے اور کہیں محصنین غیر مسافحین کہہ کر بدکاری سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا بدکاری اور زناکاری سے بچنے کے لیے ہمیں نکاح جیسے اہم کام کو سرانجام دینا چاہیے اور اس کے لیے طریقہ کار رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ احکامات سے لینا چاہئے۔ آپؐ نے نکاح کے جو اصول و ضوابط ذکر فرمائے ان میں سے ایک یہ ہے کہ لڑکی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کرے اگر لڑکی اپنی مرضی سے گھر سے فرار اختیار کر کے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیتی ہے تو اس کا نکاح باطل قرار پاتا ہے۔ عورت کے لیے اولیاء کی اجازت کے مسئلہ میں کتاب و سنّت سے دلائل درج ذیل ہیں:

① ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ﴾ [بقرہ : ۲۲۱]

"اور مشرکین کو نکاح کر کے نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور البتہ غلام مؤمن مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ اچھا لگے"۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ دَلِيْلٌ بِالنَّصِّ عَلٰى أَنْ لَّا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ

[تفسیر قرطبی ۴۹/۳]

"یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں"۔

(۲) دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ :

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [بقرہ : ۲۳۲]

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں"۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک صحابی نے اپنی بہن کا نکاح ایک آدمی سے کیا تو اس نے اسے طلاق دے دی یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہو گئی پھر وہ دوبارہ رشتہ کے لیے آیا تو بھائی نے دوبارہ نکاح میں دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل کی"۔ (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ۸۹/۹ ترمذی ۲۱۶/۵ شرح السنۃ ۹/۴۴ ابنِ کثیر ۳۰۲/۱)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح بخاری ۹۴/۹ میں رقمطراز ہیں :

وَهِيَ أَصْرَحُ دَلِيْلٍ عَلٰى اِعْتِبَارِ الْوَلِيِّ وَإِلَّا لِمَا كَانَ لِعَضْلِهٖ مَعْنًى

وَلِاَنَّهَا لَوْ كَانَ لَهَا أَنْ تُزَوِّجَ نَفْسَهَا لَمْ تَحْتَجْ إِلٰى اَخِيْهَا وَمَنْ كَانَ اَمْرُهٗ اِلَيْهِ لَا يُقَالُ أَنَّ غَيْرَهٗ مَنَعَهٗ مِنْهُ

"یہ آیت ولی کے معتبر ہونے پر سب سے زیادہ واضح دلیل ہے اور اگر ولی کا اعتبار نہ ہوتا تو اس کو روکنے کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا۔ اگر معقل کی بہن کے لیے اپنا نکاح خود کرنا جائز ہوتا تو وہ اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی اور اختیار جس کے ہاتھ میں ہو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی نے اس کو روک دیا"۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فَفِي الْآيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ النِّكَاحُ بِغَيْرِ وَلِيٍّ لِاَنَّ اُخْتَ مَعْقِلٍ كَانَتْ ثَيِّبًا وَلَوْ كَانَ الْاَمْرُ إِلَيْهَا دُوْنَ وَلِيِّهَا لَزَوَّجَتْ نَفْسَهَا وَلَمْ تَحْتَجْ إِلٰى وَلِيِّهَا مَعْقَلٍ فَالْخِطَابُ إِذًا فِيْ قَوْلِهٖ ﴿ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ ﴾ لِلْاَوْلِيَاءِ

[۳/ ۱۰۵ فتح الباری ۹/ ۹۴ ترمذی ۵/ ۲۱۷]

"یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں اس لیے کہ معقل بن یسار کی بہن ثیبہ (مطلقہ) تھی اگر نکاح کا معاملہ ولی کی بجائے اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اپنا نکاح خود کر لیتی اور اپنے ولی معقل کی محتاج نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ ﴾ میں خطاب عورت کے اولیاء کو ہے"۔

اور یہی بات امام بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل ۲/ ۲۱۱ میں امام ابنِ قدامہ نے المغنی ۷/ ۳۳۸ اور امام ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر ۱/ ۳۰۲ میں لکھی ہے اور اسی بات کو امام طبری نے اپنی تفسیر طبری ۲/ ۴۸۸ میں صحیح قرار دیا ہے۔ [فتح الباری کتاب النکاح ۹/ ۹۰]

اسی طرح نکاح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ﴿ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ ﴾ (النساء: ۲۵)

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ﴾ (النور: ۳۲) ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے عورت کے اولیاء کو خطاب کیا ہے کہ وہ نکاح کرنے کے امور کو سرانجام دیں۔ اگر نکاح کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہوتا تو اللہ تعالیٰ عورتوں کو خطاب کرتے مَردوں کو خطاب نہ کرتے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی ۴۹/۳)

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کئی ایک احادیثِ صحیحہ سے ہوتی ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

دورِ جاہلیت میں ولی کی اجازت کے ساتھ نکاح کے علاوہ بھی نکاح کی کئی صورتیں رائج تھیں جن کی تفصیل صحیح البخاری میں اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں:

فَنِكَاحٌ مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطُبُ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهُ أَوِ ابْنَتَهُ فَيَتَصَدَّقُهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا

"ان میں سے ایک نکاح جو آج کل لوگوں میں رائج ہے کہ آدمی دوسرے آدمی کے پاس اس کی زیرِ ولایت لڑکی یا اس کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجتا۔ اسے مہر دیتا پھر اس سے نکاح کر لیتا"۔

پھر نکاح کی کچھ دوسری صورتیں ذکر کیں جو کہ ولی کی اجازت کے بغیر رائج تھیں۔ آخر میں فرمایا:

فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهَا إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ

"جب محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاح منہدم کر دیے سوائے اس نکاح کے جو آج کل رائج ہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں نکاح کی صرف ایک صورت باقی رکھی جو کہ ولی کی اجازت پر مبنی تھی اور ولی کی اجازت کے

علاوہ نکاح کی تمام صورتوں کو منہدم کر دیا۔ لہٰذا جو نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو جائے' وہ جاہلیت کے نکاح کی صورت ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ))

[ابوداؤد مع عون ۶/ ۹۷-۹۹ ترمذی مع تحفہ ۴/ ۲۲۷' ۲۲۸ ابنِ ماجہ ۱/ ۵۸۰' مسند احمد ۶/ ۴۸' ۱۴۵ حمیدی ۱/ ۱۱۲' ۱۱۳ جوزی ۳/ ۷ حاکم ۲/ ۱۲۹ بیہقی ۷/ ۱۰۵]

"جس بھی عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا' اس کا نکاح باطل ہے' اس کا نکاح باطل ہے' اس کا نکاح باطل ہے"۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ))

"ولی کے بغیر نکاح نہیں"۔

[مسند احمد ۴/ ۳۹۴' ۴۱۳' ۴۱۸- ۶/ ۲۶۰ دارمی ۲/ ۱۳۷ حاکم ۲/ ۱۲۹' ۱۷۰' ۱۷۱' ۱۷۲ ابوداود (۲۰۸۵) ترمذی (۱۱۰۱' ۱۱۰۲) طبرانی کبیر ۸/ ۳۵۱ دار قطنی ۳/ ۲۱۹ طحاوی ۳/ ۶' ۸' ۹)

امام حاکم رحمہ اللہ نے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث کے دلائل صحیح قرار دینے کے بعد فرمایا کہ اس سلسلہ میں علی بن ابی طالب' عبداللہ بن عباس' معاذ بن جبل' عبداللہ بن عمر' ابی ذر غفاری' مقداد بن اسود' عبداللہ بن مسعود' جابر بن عبداللہ' ابو ہریرہ' عمران بن حصین' عبداللہ بن عمر' مسور بن مخرمہ' انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہیں اور اکثر صحیح ہیں اسی طرح ازواج مطہرات عائشہ' اُمِّ سلمہ' زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سے بھی صحیح روایات موجود ہیں۔ مستدرک حاکم ۲/ ۱۷۲]

امام حاکم رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ حدیث لا نکاح الا بولی کو سترہ (۱۷) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں۔ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی کتاب "البوارد

النوادر' ص ۱۳۶۰" میں امام سیوطی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جس روایت کو دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں وہ مختار مذہب کی رو سے متواتر شمار ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۲/۱۷۷ لہٰذا یہ حدیث تواتر کا حکم رکھتی ہے۔ قرآنِ مجید کی آیاتِ بینات اور احادیثِ صحیحہ متواترہ کی رو سے روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ عورت کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر منعقد نہیں ہوتا۔ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرتی ہے' اس کا نکاح باطل ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَالْعَمَلُ فِي هٰذَا الْبَابِ عَلٰى حَدِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ)) عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ وَغَيْرُهُمْ وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ أَنَّهُمْ قَالُوْا لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ مِنْهُمْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَشُرَيْحٌ وَإِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِيُّ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَغَيْرُهُمْ وَبِهٰذَا يَقُوْلُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَمَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ [ترمذی ۳/۱۹۰'۴۱۱]

"اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں' پر اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عمر بن خطاب' علی بن ابی طالب' عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا عمل ہے اور اسی طرح تابعین فقہاء میں سے سعید بن المسیب' حسن بصری' شریح' ابراہیم النخعی اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہ اور امام ثوری' امام اوزاعی' امام عبداللہ بن مبارک' امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا بھی یہی

موقف ہے"۔

موجودہ دور میں کئی ایک ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں کہ لڑکیاں گھروں سے فرار اختیار کر کے اپنے عاشقوں کے ساتھ عدالت میں جا کر نکاح (Court Marriage) کرا لیتی ہیں اور مسلم معاشرے کے لیے بالعموم اور ان کے والدین کے لیے بالخصوص ذلت و رسوائی کا باعث بنتی ہیں۔ صائمہ کیس کا فیصلہ جو کہ دس مارچ ۹۷ء کو لاہور ہائی کورٹ کے ججوں نے کیا' وہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور صریح قرآن و سُنّت کے خلاف ہے۔ ہمارے ملک کے جن دو ججوں نے اس پر جو ریمارکس لکھے وہ یہودیت کی حقوقِ نسواں کے نام سے پھیلائی ہوئی تحریکوں سے مرعوبیت کا شاخسانہ ہے جیسا کہ ایک جسٹس نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ "میں اپنی کوشش کے باوجود ایسا اصول نہیں ڈھونڈ سکا جس کی بنیاد پر یہ قرار دیا جا سکتا ہو کہ بالغ مسلم لڑکی کا اپنے ولی کی مرضی کے بغیر نکاح ناجائز ہے"۔

مندرجہ بالا صریح دلائل کی روشنی میں مذکورہ جسٹس کا یہ بیان انتہائی غلط اور قرآن و سُنّت کے دلائل سے لاعلمی و ناواقفیت پر مبنی ہے اور انتہائی قابل افسوس ہے' مسلمانوں کا قانون کتاب و سُنّت ہے جس میں ایسے دلائل اور اصول تواتر کے ساتھ موجود ہیں کہ مسلم لڑکی بالغ ہو یا نابالغ' مطلقہ ہو یا کنواری کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر دلائل ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ ہمارے ملک میں چونکہ انگریزی قانون (British Law) رائج ہے جس کی بنا پر اکثر فیصلے کیے جاتے ہیں اور قرآن و سُنّت کو عملاً قانون سمجھا ہی نہیں جاتا اور یہ چیز کسی بھی مسلم کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ (مجلّہ الدعوۃ مارچ ۱۹۹۷ء)

رضاعی رشتے

ایک عورت نے اپنی بچّی کے علاوہ دوسری عورت کے بچّے کو کئی بار

دودھ پلایا، بچّے نے خوب سیر ہو کر ہر بار دودھ پیا، ظاہر ہے اس بچہ اور دودھ شریک بچّی کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ بچّی کے بہن بھائی اور بچّے کے دیگر بہن بھائی آپس میں نکاح کر سکتے ہیں؟ قرآن و سُنّت کی رو سے واضح کریں۔ (ملک محمد اسحاق، قائد آباد میانوالی)

ج: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں محرمات کی تفصیل ذکر کی ہے جن میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ وَ اُمَّهَاتُكُمُ اللّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ .. ﴾

[النساء : ۲۳]

"تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں"۔

نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جیسا کہ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ))

[بخاری مع فتح الباری ۹/ ۱۴۰، موطا ۲/ ۶۰۷، ۶۰۱، مسلم (۱۴۴۴)، نسائی ۶/ ۹۹، دارمی ۲/ ۷۸-۷۹، احمد ۶/ ۱۷۸، بیہقی ۷/ ۱۵۹، ابو یعلیٰ (۴۳۷۴)، عبدالرزاق (۱۳۹۵۴)، ابوداؤد (۲۰۵۵)، ترمذی (۱۱۴۷)، سنن سعید بن منصور (۹۵۳)، ابنِ حبان (۴۲۰۹)]

"رضاعت وہ رشتے حرام کرتی ہے جو رشتے ولادت حرام کرتی ہے"۔

اس طرح ایک حدیث میں ہے کہ:

((وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ))

"جو چیز نسب سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے"۔

یعنی جس طرح آدمی کے لیے نسباً ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی حرام ہیں۔ اسی طرح رضاعی ماں بہن وغیرہ بھی حرام ہیں۔ رضاعی ماں اور بہن تو بنص قرآن حرام اور باقی رضائی رشتے بنص حدیث صحیح حرام ہیں۔

اور رضاعت صرف اس آدمی کے لیے ہے جس نے دودھ پیا ہے۔ اس کے بھائی بہنوں کے لیے نہیں۔ کیونکہ رضاعت متعدی نہیں ہوتی۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی شارح بخاری رحمہ اللہ فتح الباری ۱۴۱/۸ میں رقمطراز ہیں کہ:

وَلَا يَتَعَدَّى التَّحْرِيْمُ إِلٰى أَحَدٍ مِنْ قَرَابَةِ الرَّضِيْعِ فَلَيْسَتْ أُخْتُهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ أُخْتًا لِأَخِيْهِ وَلَا بِنْتًا لِأَبِيْهِ إِذْ لَا رَضَاعَ بَيْنَهُمْ وَالْحِكْمَةُ فِيْ ذٰلِكَ أَنْ سَبَبَ التَّحْرِيْمِ مَا يَنْفَصِلُ مِنْ أَجْزَاءِ الْمَرْأَةِ وَزَوْجِهَا وَهُوَ اللَّبَنُ فَإِذَا اغْتَذَى بِهِ الرَّضِيْعُ صَارَ جُزْءًا مِنْ أَجْزَائِهِمَا فَانْتَشَرَ التَّحْرِيْمُ بَيْنَهُمْ بِخِلَافِ قَرَابَاتِ الرَّضِيْعِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُرْضِعَةِ وَلَا زَوْجِهَا نَسَبٌ وَلَا سَبَبٌ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

"دودھ پینے والے بچّے کے قریبی رشتہ داروں کی طرف حرمت متعدی نہیں ہوتی۔ اس دودھ پینے والے بچّے کی رضاعی بہن اس کے بھائی کی رضاعی بہن نہیں ہے اور نہ اس کے باپ کی بیٹی ہے اس لیے کہ ان کے درمیان رضاعت نہیں ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ حرمت کا سبب وہ دودھ ہے جو عورت اور اس کے خاوند کے اجزاء سے جدا ہوتا ہے۔ اور جب دودھ پینے والا بچہ اس دودھ کے ذریعے غذا حاصل کرتا ہے تو وہ ان دونوں کے اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے تو ان کے درمیان حرمت منتشر ہو جاتی ہے۔ دودھ پینے والے بچّے کے قریبی رشتہ داروں میں یہ بات نہیں ہوتی' اس لیے کہ ان کے درمیان اور دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند کے درمیان نہ نسبی رشتہ ہے اور نہ حرمت کا سبب ہے"۔

امام ابنِ المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا بَأْسَ أَنْ يَتَزَوَّجَ الرَّجُلِ الْمَرْاَةِ الَّتِى اَرْضَعَتِ ابْنَهُ وَكَذٰلِكَ يَتَزَوَّجُ ابْنَةَ هٰذِهِ الْمَرْاَةُ الَّتِى هِىَ رَضِيْعُ ابْنِهِ وَلِاَخِىْ هٰذَا الْغُلَامِ الْمُرْضِعِ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمَرْاَةَ الَّتِىْ اَرْضَعَتْ اَخَاهُ وَيَتَزَوَّجُ ابْنَهَا الَّتِىْ هِىَ رَضِيْعُ اَخِيْهِ [الاقناع ۲۰۸/۱]

"اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنے بیٹے کی رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے نکاح کر لے' اسی طرح اس کا بھائی بھی اس کی رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے نکاح کر سکتا ہے"۔

امام ابنِ قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

فَاَمَّا الْوَلَدُ الْمُرْتَضِعُ فَاِنَّ الْحُرْمَةَ تَنْتَشِرُ اِلَيْهِ وَاِلٰى أَوْلَادِهِ وَاِنْ نَزَلُوْا وَلَا تَنْتَشِرُ اِلٰى مَنْ فِى دَرَجَتِهِ مِنْ إِخْوَانِهِ وَاِخْوَاتِهِ وَلَا إِلٰى اَعْلٰى مِنْهُ كَاَبِيْهِ وَاُمِّهِ وَاَعْمَامِهِ وَعَمَّاتِهِ وَاَخْوَالِهِ وَخَالَاتِهِ وَاَجْدَادِهِ وَجَدَّاتِهِ فَلَا يَحْرُمُ عَلَى الْمُرْضِعَةِ نِكَاحَ اَبِى الطِّفْلِ الْمُرْتَضِعِ وَلِاَخِيْهِ وَلَا عَمِّهِ وَلَا خَالِهِ وَلَا يَحْرُمُ عَلٰى زَوْجِهَا نِكَاحُ اُمِّ الطِّفْلِ الْمُرْتَضِعِ وَلَا اُخْتِهِ وَلَا عَمَّتِهِ وَلَا خَالَتِهِ وَلَا بَأْسَ أَنْ يَتَزَوَّجَ أَوْلَادَ الْمُرْضِعَةِ وَأَوْلَادَ زَوْجِهَا إِخْوَةُ الطِّفْلِ الْمُرْتَضِعِ وَأَخَوَاتِهِ [المغنی ۳۱۸/۱۱'۳۱۹ طبع قاہرہ]

"رضاعت کی بنا پر حرمت دودھ پینے والے لڑکے اور اس کی اولاد کی طرف منتشر ہوتی ہے اور اگرچہ نیچے تک ہوں (یعنی اس کے پوتے اور پڑپوتے وغیرہ) یہ حرمت اس کے بھائیوں اور بہنوں کی طرف اور نہ اس سے اوپر رشتوں کی طرف منتشر ہوتی ہے جیسے دودھ پینے والے کا باپ' ماں' چچا' پھوپھیاں' ماموں' خالائیں' دادے' نانے' دادیاں' نانیاں' دودھ پلانے والی' دودھ پینے والے کے باپ' بھائی' چچا اور

ماموں کے ساتھ نکاح حرام نہیں اور نہ ہی اس کے خاوند پر دودھ پینے والے کی ماں، بہن، پھوپھی اور خالہ حرام ہیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ دودھ پلانے والی کی اولاد اور اس کے خاوند کی اولاد پینے والے کے بھائیوں اور بہنوں سے نکاح کریں"۔

یہی بات نواب صدیق الحسن خان قنوجی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الروضہ الندیہ" ۲۵/۲ پر شاہ ولی اللہ کی کتاب "المسوی" شرح موطا کے حوالے سے تحریر کی ہے۔ لہٰذا وہ اولاد جن کا آپس میں رضاعت کا تعلق ہے، ان کے دیگر بہن بھائیوں کا آپس میں ایک دوسرے کے گھر ازدواجی تعلق قائم ہو سکتا ہے، شرعاً کوئی مانع موجود نہیں۔ (الدعوۃ مئی ۱۹۹۷ء)

جس بھائی نے بہن کا دودھ پیا ہو ان کی اولاد کے باہمی نکاح کا مسئلہ

س: اگر بہن نے اپنے بھائی کو دودھ پلایا ہو تو کیا بھائی کی اولاد سے بہن کی اولاد کی شادی ہو سکتی ہے۔ قرآن و سنت سے وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(بھائی عبدالرزاق، نیالو چک)

ج: شریعت اسلامیہ میں جو رشتے نسباً حرام ہیں، وہ رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہیں۔ جیسا کہ رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ))

[بخاری مع الفتح ۱۴۰/۹ مسلم (۱۴۴۴) وغیرہ]

"رضاعت وہ رشتے حرام کرتی ہے جو رشتے ولادت حرام کرتی ہے"۔

یعنی جس طرح سگی ماں، بہن، بیٹی، بھتیجی، بھانجی، پھوپھی اور خالہ حرام ہیں اس طرح یہ رضاعی رشتے بھی حرام ہیں۔ لہٰذا جس شخص نے اپنی بہن کا دودھ پیا

ہے' بہن کی اولاد اس شخص کے بھائی بہن ہوں گے اور اس شخص کی اولاد کے چچا اور پھوپھیاں ہوں گے جن کا باہمی نکاح حرام ہے۔

صورت مذکورہ میں تو سگے باپ کا رضاعی بھائی مذکور شخص کی اولاد کا چچا لگتا ہے۔ خیر القرون میں ایسی مثال ملتی ہے کہ رضاعی باپ کا بھائی جو کہ دودھ پینے والی لڑکی کا چچا لگتا ہے اس کے ساتھ مذکورہ لڑکی کا نکاح حرام ٹھہرا جیسا کہ عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ابوالقعیس کے بھائی افلح نے نزول حجاب کے بعد میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے کہا میں اسے اتنی دیر تک اجازت نہیں دوں گی یہاں تک کہ اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب نہ کر لوں۔ اس لیے کہ اس کے بھائی ابوالقعیس نے مجھے دودھ نہیں پلایا بلکہ مجھے ابوالقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا ہے میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوالقعیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ میں نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ میں آپ سے اس کے بارے میں اجازت طلب کر لوں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے اجازت دینے سے کیا چیز مانع ہوئی۔ وہ تیرا چچا ہے۔ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً مرد نے مجھے دودھ نہیں پلایا بلکہ ابوالقعیس کی بیوی نے مجھے دودھ پلایا۔ آپؐ نے فرمایا: تو اس کو اجازت دے دے۔ اس لیے کہ وہ تیرا چچا لگتا ہے۔ عروہ راوی حدیث کہتا ہے کہ اسی لیے عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں:

حَرِّمُوا مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا تُحَرِّمُوْنَ مِنَ النَّسَبِ

[بخاری مع فتح الباری ۵۳۱/۸، ۵۳۲ مسلم ۱۰۷۱/۲]

"جو رشتے نسب سے حرام سمجھتے ہو' وہی رشتے رضاعت سے حرام سمجھو"۔

مذکورہ بالا مفصل حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح نسب سے رشتے حرام

ہوتے ہیں' اسی طرح رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں' اس کی کچھ تفصیل سابقہ سوال میں بھی گزر چکی ہے۔

كتاب

الطلاق

عورت کی عدت

سوال: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، اس کی عدت کتنی ہے اور وہ عدت کہاں گزارے نیز دوران عدت اسے کن امور کا لحاظ رکھنا چاہیے؟ کتاب و سنت کی رو سے جواب دیں۔ (ایک سائلہ [illegible] لاہور)

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ﴾ [البقرہ: ۲۳۴]

"اور تم میں جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ عورتیں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن عدت میں رکھیں"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عدت وفات چار ماہ دس دن بیان فرمائی ہے۔ یہ آیت کریمہ ہر طرح کی عورت خواہ وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اور جوان ہو یا بوڑھی کی عدت وفات کو شامل ہے۔ صرف حاملہ عورت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ سورۃ الطلاق میں اس کی عدت وضع حمل بتائی گئی ہے۔

تو جب عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ اسی گھر میں عدت گزارے گی جہاں اس کا خاوند فوت ہوا یا جہاں اس کے خاوند کی وفات کی خبر اس کے پاس پہنچی۔

فریعہ بنت مالک بن سنان جو کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ کو بتایا کہ اس کا خاوند اپنے بھگوڑے غلاموں کی طلب میں نکلا تو اس نے طرف قدوم میں ان کو پا لیا انہوں (غلاموں) نے اس کو

قتل کر دیا۔ اس کی وفات کی خبر آ چکی ہے۔ پھر اس نے آپ سے پوچھا کہ اپنے گھر بنو خدرہ میں واپس چلی جاؤں، جہاں میرے والدین رہتے ہیں کیونکہ میرے خاوند نے میرے لیے اپنا ذاتی گھر کوئی نہیں چھوڑا تو نبی ﷺ نے اولاً اسے رخصت دی پھر بلا کر فرمایا:

((اُمْكُثِيْ فِيْ بَيْتِكَ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ))

"تو اپنے اسی گھر میں ٹھہری رہ یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے"۔

تو انہوں نے وہاں پر چار ماہ دس دن عدت گزاری۔ فرماتی ہیں جب عثمان بن ابی عفان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے مجھے پیغام بھیجا۔ میں نے انہیں اس بات کی اطلاع دی تو انہوں نے بھی یہی فیصلہ صادر فرمایا۔

[موطا امام مالک ۳۶۲ ابوداؤد (۲۳۰۰) مسند احمد ۳۷۰/۶، ۴۲۰، ۴۲۱ الرسالة للشافعی (۱۲۱۴) ترمذی (۱۲۰۴) ابن ماجه (۲۰۳۱) دارمی ۱۶۸/۲ مسند طیالسی (۱۶۶۴) موارد الظمان (۱۳۳۲) مستدرك حاکم ۲۹۰۸/۲ إرواء الغلیل (۱۲۳۱)]

اس صحیح حدیث کی رو سے عورت کو اسی گھر میں عدت گزارنی چاہیے جس گھر میں اس کا خاوند فوت ہو جائے یا جس گھر میں اسے خاوند کے فوت ہونے کی اطلاع آئے اور دوران عدت عورت کو زیب و زینت کرنا منع ہے۔ جیسا کہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((إِنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ زَوْجُهَا فَخَشُوْا عَلٰى عَيْنَيْهَا فَاَتَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاسْتَاْذَنُوْهُ فِي الْكُحْلِ فَقَالَ لَا تَكْتَحِلُ قَدْ كَانَتْ اِحْدَاكُنَّ تَمْكُثُ فِيْ شَرِّ اَحْلَاسِهَا اَوْ شَرِّ بَيْتِهَا فَاِذَا كَانَ حَوْلَ فَمَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ بِبَعْرَةٍ فَلَا حَتّٰى تَمْضِيَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا))

[بخاری ۵۳۳۸ مسلم ۱۴۸۸]

"ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو انہیں اس کی آنکھیں خراب ہونے

کا ڈر لاحق ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی' آپ سے سرمہ کی اجازت طلب کی' آپ نے فرمایا وہ سرمہ نہ لگائے (کیا وہ دور اچھا تھا جب جاہلیت کے زمانے میں) عورت ایک سال کے لیے خراب کپڑے یا برے سے جھونپڑے میں پڑی رہتی تھی۔ جب سال پورا ہوتا تو وہ اونٹ کی مینگنی اس وقت پھینکتی جب کتا سامنے سے گزرتا (اگر کتا نہ گزرتا تو وہ کمبخت اسی طرح پڑی رہتی) دیکھو چار ماہ تک سرمہ نہ لگائے"۔

((قَالَتْ زَيْنَبُ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ اَبُوْهَا اَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ أُمُّ حَبِيْبَةَ بِطِيْبٍ فِيْهِ صُفْرَةُ خَلُوْقٍ اَوْ غَيْرُهُ فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا لِي بِالطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تَحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا))

[بخاری ۵۳۳۸ '۵۳۴۵ ۵۳۳۴ ' ۱۲۸۱) مسلم (۱۴۸۶) ابو داؤد (۲۲۹۹) ترمذی ۳/۵۰۰ نسائی ۶/۲۰۱ احمد ۶/۳۲۵ '۳۲۶ '۳۲۶]

"زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اُمِّ حبیبہ زوجہ نبی ﷺ کے پاس اس وقت آئی جب ان کے باپ ابو سفیان فوت ہوئے تو اُمِّ حبیبہ نے زرد رنگ کی خوشبو وغیرہ منگوائی تو اس میں سے کچھ ایک چھوٹی بچی کو لگائی۔ پھر اپنے رخساروں پر لگائی' پھر فرمایا اللہ کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں (کیونکہ وہ بیمار تھیں) مگر میں نے اس لیے لگائی کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے اور قیامت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے اوپر سوگ کرے' سوائے بیوی کے کہ وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے"۔

ان احادیث صریحہ سے معلوم ہوا کہ ایسی عورتیں جن کے خاوند وفات پا جائیں' وہ دوران عدت زیب و زینت مثلاً خوشبو لگانا' سرمہ ڈالنا' نیا لباس پہننا' زیورات زیب تن کرنا وغیرہ جیسے اُمور سے اجتناب کریں اور جس گھر میں خاوند فوت ہوا ہو اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزارے یا وہاں جہاں اُسے خاوند کی فوتگی کی اطلاع ملے۔ اس کے بعد وہ اپنے والدین کے گھر جا سکتی ہے۔ یا نئی شادی کرنی ہو تو کروا سکتی ہے۔ دورانِ عدت ان اُمور سے اجتناب لازم ہے۔

(مجلّۃ الدعوۃ' جنوری ۱۹۹۸ء)

مختلف اوقات میں تین طلاقیں

سوال میرے شوہر مرزا محمد اقبال ولد میاں جلال دین نے ایک دفعہ جھگڑنے پر مجھے طلاق دی۔ پھر محلّہ داروں نے صلح کرا دی پھر کچھ عرصہ بعد دو اکٹھی طلاقیں دے دیں اس کے بعد پھر صلح ہو گئی اور اب ۹۹/۵/۱۵ء کو طلاق ثلاثہ تحریر کر دیں۔ پھر اس کے بعد ایک تبلیغی مولوی صاحب کے ذریعے ۹۹/۷/۱۴ء کو ہمارا نکاح پڑھ دیا گیا کتاب و سُنّت کی رو سے ہماری صحیح راہنمائی کریں

ثمینہ عبدالرحیم مکان نمبر ۹۰ گلی نمبر ۶۰' محمدی محلہ دھن پورہ لاہور

جواب بشرطِ صحت سوال مرزا محمد اقبال ولد میاں جلال الدین نے وقفہ بعد وقفہ تین طلاقیں دے دی ہیں جس کی بنا پر ثمینہ عبدالرحیم بنت عبدالرحیم اس پر حرام قطعی ہو چکی ہے پہلی دفعہ شوہر نے ایک کلمہ طلاق کہا جس کی بنا پر ایک طلاق رجعی واقع ہوئی اس کے بعد دونوں میاں بیوی میں صلح ہو گئی عابد بٹ وغیرہ پڑوسی کی بنا پر باہم رضامندی ہو گئی دونوں میں علیحدگی نہ ہوئی۔ پھر دوبارہ ان میں جھگڑا ہوا تو شوہر نے بیک وقت طلاق طلاق کہا یہ دوسری طلاق رجعی ہے۔ اور مجلس واحدہ کی متعدد طلاقیں ایک طلاق رجعی ہوتی ہیں۔ پھر آپ لوگوں کی صلح ہو گئی اور

۹۹/۵/۱۵ء کو جو طلاق نامہ تحریر کیا گیا اور اس میں مجلس واحدہ میں سہ بار طلاق کا ذکر ہے یہ آخری طلاق ہے جس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا ... ﴾

[البقرۃ : ۲۲۹]

"طلاق دو مرتبہ ہے پس عورت کو یا تو شائستگی و اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا احسان کرتے ہوئے چھوڑ دینا ہے اور تمہارے لیے حلال نہیں کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہے اس میں سے کچھ لو"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ وحدہٗ لا شریک نے دو رجعی طلاقوں کا ذکر کیا ہے جن میں دوران عدت مرد کو حق رجوع ہے اور اگر اس طلاق کے بعد عدت گزر چکی ہو تو تجدید نکاح ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۤءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ .. ﴾ [البقرۃ : ۲۳۲]

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو سو وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انہیں ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں"۔

معلوم ہوا کہ اختتام عدت پر رجعی طلاقوں میں نیا نکاح پڑھا جاتا ہے۔ لیکن مذکورہ صورتحال میں یہ مواقع اور chances ختم ہو چکے ہیں اور تیسری بار طلاق دی جا چکی ہے جس کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ﴾

[البقرہ : ۲۳۰]

"پس اگر شوہر نے تیسری طلاق دے دی تو اس کے بعد اس کے لیے یہ عورت حلال نہیں یہاں تک کہ یہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے"۔

اور وہ اسے اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائے تو عدت گزارنے کے بعد یہ آپس میں اس شرط پر جمع ہو سکتے ہیں کہ انہیں یقین ہو کہ اب حدود اللہ کی مخالفت نہیں کریں گے اور احکام شرعی نہیں پھلانگیں گے۔ اور یہ دوسرے شوہر سے نکاح بسنے کی نیت سے ہو نہ کہ وقتی اور عارضی نکاح۔ جو نکاح صرف اس غرض سے کیا جائے کہ کچھ دنوں بعد طلاق لے کر پھر پچھلے شوہر سے نکاح کر لیں تو یہ حلالہ ہے جو شریعت اسلامیہ میں حرام ہے آپ کا بیہقی وغیرہ میں ارشاد گرامی ہے :

((لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ))

"حلالہ کرنے اور کروانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو"۔

لہٰذا ثمینہ عبدالرحیم مرزا محمد اقبال پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے ان میں علیحدگی ضروری ہے۔ طلاق ثلاثہ کے بعد جو ۱۴ جولائی کو نکاح پڑھا گیا وہ بالکل عبث و حرام ہے۔ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ نکاح خواں کو بھی اللہ وحدہٗ لا شریک کے حضور معافی مانگنی چاہیے اور ان دونوں میں بھی تفریق کرا دینی چاہیے۔

رخصتی سے پہلے طلاق

س: ہماری ایک عزیزہ کا نکاح کچھ عرصہ قبل ایک شخص سے پڑھا گیا لیکن رخصتی نہیں کی گئی کہ اس شخص نے اسے طلاق دے دی۔ اب دوبارہ دونوں گھرانے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ اب اس کی کیا شکل ہے اس میں رجوع ہو گا یا نیا نکاح پڑھا جائے گا۔ (ایک سائل لوہاری' لاہور)

ج: ایسی عورتیں جن کو خاوند نے چھونے سے قبل ہی طلاق دے ڈالی

ہو' ان کی عدت نہیں ہوتی- اس لیے رجوع کرنے والا کوئی مسئلہ نہیں کیونکہ طلاق رجعی کا تعلق عدت کے ساتھ ہے- یہ ایک طلاق بائنہ ہے اب از سرنو نکاح پڑھ کر دونوں جمع ہو سکتے ہیں- ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾ ﴾ [الاحزاب ۳۳ : ۴۹]

"اے ایمان والو جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں چھونے سے قبل طلاق دے ڈالو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت نہیں جس کے پورا ہونے کا تم مطالبہ کر سکو- انہیں کچھ مال دو اور بھلے طریقے سے رخصت کرو"-

اس آیت کریمہ میں عدت کے ساقط ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مَرد کا حق رجوع ختم ہو جاتا ہے اور عورت کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ طلاق کے فوراً بعد جس سے چاہے نکاح کروا سکتی ہے- امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں :

هٰذَا أَمْرٌ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا طُلِّقَتْ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا فَتَذْهَبُ فَتَزَوَّجُ فِي فَوْرِهَا مَا شَاءَتْ [تفسیر ابنِ کثیر ۳/۵۴۸]

"اس مسئلہ پر علماء کے درمیان اجماع ہے کہ جب عورت کو دخول سے قبل طلاق دے دی جائے تو اس پر کوئی عدت نہیں- طلاق کے فوراً بعد جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے"-

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مَرد اگر اپنی بیوی کو چھونے سے قبل طلاق دے دے تو مَرد کا حق رجوع باقی نہیں رہتا بلکہ ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اب اگر وہی آپس میں اکٹھے رہنا چاہیں اور ازدواجی تعلقات استوار کرنے کے

خواہش مند ہوں تو از سرنو نکاح کر کے اپنی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔

جبری طلاق

س میاں بیوی میں کسی قسم کی رنجش نہ تھی نہ ہی زندگی میں اس سے پہلے کبھی خاوند نے طلاق کے الفاظ ادا کیے ہیں لیکن ساس اور بہو کا جھگڑا تھا۔ بیوی ۶ ماہ کی حاملہ (pregnat) تھی اور میکے میں تھی کہ ۱۲ مارچ ۱۹۹۶ء کو میکے میں خاوند کی طرف سے طلاق نامہ آیا جس پر ۳ طلاقیں اکٹھی لکھی تھیں اور خاوند کے دستخط تھے۔ پھر خاوند نے فون کیا کہ وہ طلاق میں نے نہیں دی کیونکہ اسٹام پیپر بھائی نے نکلوائے اپنی مرضی سے عبارت تحریر کروائی جس کا مجھے کوئی علم نہ تھا اور نہ ہی وہ تحریر مجھے انہوں نے پڑھ کر سنائی لیکن اچانک میرے سامنے پیپرز رکھ کر جبراً مجھ سے سائن کروائے جبکہ نہ میری نیت تھی نہ میں نے منہ سے کہا نہ اپنی مرضی سے تحریر لکھوائی اور اگر ایسا کچھ ہے بھی تو ابھی اس بات کو مہینہ نہیں ہوا اور میں رجوع کرتا ہوں یعنی طلاق کے پہلے ہی ماہ میں رجوع کر لیا تو اس کا کیا حل ہے کیا یہ طلاق ہو گئی یا نہیں۔ جبکہ طلاق ۱۲ مارچ کو ہوئی اور بچہ اس کے بعد ۳ جولائی کو پیدا ہوا اور خاوند نے رجوع کر لیا تھا بیوی کا فقہ حنفیہ سے اور خاوند کا اہلحدیث مسلک سے تعلق ہے۔ (۱) کیپٹن خامس خان پی ایچ ۹، برٹش ہومز اسلام آباد۔ چوہدری عقیل احمد کے ۱۱ گلشن علی کالونی ڈیفنس روڈ لاہور کینٹ)

ج سائل مذکور کے سوال کی دو شقیں ہیں:

① زبردستی طلاق

② رضامندی سے طلاق

اگر سائل مذکور سے زبردستی طلاق دلوائی گئی ہے تو یہ طلاق شرعاً کالعدم ہے۔ اس کا

وقوع نہیں ہوا۔ امام ابنِ ماجہ رحمہ اللہ نے باب طلاق المکرہ والناسی میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا تُوَسْوِسُ بِهِ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ بِهِ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ))

[سنن ابن ماجه ۱/۶۵۹ (۲۰۴۴)]

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت کے سینوں کے خیالات و وساوس کو معاف کر دیا ہے جب تک وہ ان خیالات کو عملی جامہ پہنا نہیں لیتے یا بات نہیں کر لیتے اور اس بات کو بھی معاف کر دیا ہے جس پر انہیں مجبور کر دیا گیا ہو"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبراً طلاق دلوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ))

[ابن ماجه ۱/۶۶۰ (۲۰۴۶)، ابوداؤد ۱/۵۰۷]

"طلاق اور آزادی زبردستی نہیں ہوتی"۔

امام ابوعبید اور امام قتیبی فرماتے ہیں اغلاق کا معنی اِکراہ ہے اسی طرح ابنِ درید اور ابوطاہر نحویین کے نزدیک بھی اس کا معنی اکراہ ہے۔

(ملاحظہ ہو المغنی لابن قدامہ ۱۰/۳۵۱ شرح السنہ ۹/۲۲۲)

صحیح بخاری میں سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ :

((طَلَاقُ السَّكْرَانِ وَالْمُسْتَكْرَهِ لَيْسَ بِجَائِزٍ))

[صحيح البخاری ۲/۷۹۳]

"نشے والے آدمی اور مجبور کی طلاق جائز نہیں"۔

امام ابنِ قدامہ المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

أَنَّ طَلَاقَ الْمُكْرَهِ لَا يَقَعُ وَرُوِيَ ذٰلِكَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ

عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَبِهِ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَيْرٍ وَعِكْرِمَةُ وَالْحَسَنُ وَجَابِرُ بْنُ زَيْدٍ وَشُرَيْحٌ وَعَطَاءٌ وَطَاؤُسٌ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدُ الْعَزِيْزِ وَابْنُ عَوْنٍ وَأَيُّوْبُ السَّخْتِيَانِيُّ وَمَالِكٌ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَإِسْحَاقُ وَابُوْثَوْرٍ وَأَبُوْعُبَيْدٍ

[المغنی ۱۰/۳۵۰]

"جبراً طلاق واقع نہیں ہوتی یہ مذہب سیدنا عمر' سیدنا علی' سیدنا عبداللہ بن عمر' سیدنا عبداللہ بن عباس' سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور یہی بات امام عبداللہ بن عمیر' امام عکرمہ' امام حسن بصری' امام جابر بن زید' امام شریح' امام عطاء بن ابی رباح' امام طاؤس امام عمر بن عبدالعزیز' امام ابنِ عون' امام ابوثور اور امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہم نے کہی ہے"۔

(مزید ملاحظہ ہو شرح السنہ للامام بغوی رحمۃ اللہ علیہ ۹/۲۲۲)

کتاب و سنت کی نصوص صریحہ اور ان ائمہ کرام کی تصریحات کے مطابق جبراً طلاق واقع نہیں ہوئی۔ بصورت دیگر اگر خاوند کی رضامندی سے طلاق دی گئی ہو تو پھر بھی مجلس واحدہ کی متعدد طلاقیں ایک طلاقِ رجعی کے حکم میں شمار ہوتی ہیں۔ صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ :

كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِيْ أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ إِنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ

[مسلم ۱/۴۷۷٬۴۷۸٬ مسند احمد ۱/۳۱۴٬ مستدرک حاکم ۲/۱۹۶]

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوتی تھیں

پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کام میں لوگوں کے لیے سوچ و بچار کی مہلت تھی، اس میں انہوں نے جلدی سے کام لیا اگر ہم ان پر تینوں لازم کر دیں تو کیا حرج ہے تو انہوں نے ان پر اسے لازم کر دیا"۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ دورِ نبوی اور صدیقی بلکہ خود دورِ فاروقی کے ابتدائی دو سالوں میں مجلس واحدہ کی تین طلاقیں ایک طلاقِ رجعی شمار ہوتی تھی۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا فیصلہ ایک شرعی اور حتمی فیصلہ ہے جس سے بڑھ کر کسی کا فیصلہ حجت شمار نہیں ہوتا جبکہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ایک سیاسی و تہدیدی فیصلہ تھا جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب طحطاوی حاشیہ در مختار ۶/۱۱۵ جامع الرموز ۱/۵۰۶ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ۶/۲ طبع بیروت میں ہے کہ:

وَاعْلَمْ إِنَّ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ إِذَا أُرْسِلَ الثَّلَاثُ جُمْلَةً لَمْ يُحْكَمْ اِلَّا بِوُقُوْعِ وَاحِدَةٍ إِلٰى زَمَنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ حَكَمَ بِوُقُوْعِ الثَّلَاثِ لِكَثْرَتِهٖ بَيْنَ النَّاسِ تَهْدِيْدًا

"ابتدائی دور سے لے کر عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک جب اکٹھی تین طلاقیں بھیجی جاتیں تو ان پر ایک طلاقِ رجعی کا حکم لگایا جاتا تھا پھر جب یہ عادت لوگوں میں کثرت سے پھیل گئی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کا حکم تہدیدی طور پر لگا دیا"۔

اور الدر المنتقیٰ فی شرح الملتقی ۶/۲ میں ہے کہ:

وَاعْلَمْ أَنَّهُ..... ثُمَّ حَكَمَ بِوُقُوْعِ الثَّلَاثِ سِيَاسَةً لِكَثْرَتِهٖ مِنَ النَّاسِ

فقہ حنفیہ کی اس صراحت سے واضح ہوا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ایک سیاسی، وقتی اور تہدیدی تھا جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ شرعی اور حتمی ہے جسکی بنا پر اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاقِ رجعی کا حکم رکھتی ہیں جس میں خاوند دورانِ عدت

اپنی بیوی سے رجوع کر کے اپنا گھر آباد کر سکتا ہے۔

بہرکیف پہلی صورت ہو تو طلاق واقع نہیں ہوئی اگر دوسری صورت ہے تو ایک طلاقِ رجعی واقع ہوئی ہے جس کے بعد خاوند اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھ کر اپنا گھر آباد کر سکتا ہے۔ اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔

تنسیخ نکاح کا حق

س کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا شوہر مجھے زدوکوب بہت کرتا ہے اور اخراجات بھی نہیں دیتا اور اوپر بڑی چادر لینے سے مانع ہوتا ہے اور میرا حق مہر بھی اس نے مجھے نہیں دیا۔ اور دن رات تنگ ہی کرتا ہے جس بنا پر میرا اس سے زندگی گزارنا مشکل ہے اور تقریباً ۱۷ ماہ سے میں اپنے والدین کے گھر میں رہ رہی ہوں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ مجھ پر شکوک و شبہات بہت کرتا ہے لہٰذا مجھے شرعی لحاظ سے خلع مطلوب ہے۔ آپ کتاب و سنّت کی رو سے میری تفریق کرا دیں۔ (زرغونہ بنت عبدالحمید ملک' سنت نگر لاہور)

ج اللہ وحدہٗ لا شریک نے رشتہ ازدواج کو رحمت بنایا ہے لیکن بسا اوقات باہمی ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث اس رشتہ میں انقطاع پیدا ہو جاتا ہے اور شیطنیت جگہ پکڑ لیتی ہے۔ عورت کو حتی الوسع اپنے شوہر سے گزارہ کرنا چاہئے اور بلاوجہ طلاق کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ))

[ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی الخلع (۲۲۲۶) ترمذی کتاب الطلاق باب ما جاء فی المختلعات (۱۱۸۷) ابنِ ماجه کتاب الطلاق باب کراهية الخلع للمراة (۲۰۵۵)]

"جس عورت نے بلاوجہ اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا' اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے"۔

معلوم ہوا کہ عورت کو بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے حتی الوسع نباہ کرنا چاہیے اور اگر شوہر عورت کے حقوق صحیح طور پر ادا نہیں کرتا اور نہ ہی اخراجات دیتا ہے اور بلاوجہ تنگ کرتا ہے۔ عورت کے لیے گزارہ کرنا ناممکن دکھائی دیتا ہے اور زندگی دن بدن اجیرن ہوئی جا رہی ہے تو اللہ تعالیٰ نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔ جیسا کہ حبیبہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح سویرے نکلے تو حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا کو اندھیرے میں اپنے دروازے پر پایا۔ آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ تو کہنے لگیں میں حبیبہ بنت سہل ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرا کیا حال ہے؟ کہنے لگی یا میں نہیں یا ثابت (بن قیس) نہیں۔ جب ثابت بن قیس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا۔ یہ حبیبہ بنت سہل ہے جو کچھ اللہ کو منظور تھا اُس نے مجھے بیان کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ثابت نے مجھے دیا' وہ میرے پاس موجود ہے۔ آپ نے ثابت سے کہا : ' ((خُذْ مِنْهَا فَاَخَذَ مِنْهَا وَجَلَسَتْ فِيْ أَهْلِهَا)) "جو کچھ تم نے اسے دیا ہے وہ اس سے لے لو۔ ثابت نے اس سے لے لیا اور وہ اپنے گھر والوں میں بیٹھ رہی۔ یعنی اس کا نکاح فسخ کر دیا گیا۔

[ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی الخلع (۲۲۲۷) نسائی کتاب الطلاق باب ما جاء فی الخلع (۳۴۶۲)]

دوسری حدیث میں ہے کہ حبیبہ بنت سہل کو ثابت بن قیس نے مارا۔ ان کا کوئی عضو ٹوٹ گیا (نسائی و طبرانی میں ہے کہ ہاتھ ٹوٹ گیا) تو اس نے صبح سویرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی۔ آپ نے بلا کر ثابت کو کہا۔ اس سے کچھ مال لے لو اور اسے چھوڑ دو۔ تو ثابت نے کہا : کیا یہ درست ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو

آپ نے فرمایا: "ہاں"۔ تو ثابت نے کہا: ((فَإِنِّيْ أَصْدَقْتُهَا حَدِيْقَتَيْنِ وَهُمَا بِيَدِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْهُمَا فَفَارِقْهَا فَفَعَلَ)) "میں نے اسے دو باغ مہر میں دیئے تھے، وہ اس کے پاس ہیں۔ آپ نے فرمایا: "دو باغ لے لو اور اسے چھوڑ دو" تو ثابت نے ایسا ہی کیا۔ [ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی الخلع (۲۲۲۸)]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ

((أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اِخْتَلَعَتْ مِنْهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَّتَهَا حَيْضَةً))

[ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی الخلع (۲۲۲۹) ترمذی کتاب الطلاق باب ما جاء فی الخلع (۱۱۸۵) نسائی کتاب الطلاق (۳۴۲۹)]

"ثابت بن قیس کی بیوی نے اس سے خلع لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت ایک حیض مقرر کی"۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ عورت کو خاوند بلاوجہ تنگ کرے اور ان کا آپس میں زندگی گزارنا ناگزیر ہو جائے اور خاوند طلاق نہ دے تو عورت علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو اسے خلع کا حق حاصل ہے۔ صورت مسؤلہ میں عورت کو خلع کا حق ہے۔ مرد کو بلاوجہ تنگ کرنے کی اجازت نہیں۔ شرعی لحاظ سے ان کو تنسیخ نکاح کا حق ہے اور جدائی کے لئے کسی ثالثی شرعی عدالت سے رجوع کریں تاکہ کوئی قانونی پیچیدگی پیش نہ آئے۔ اور مرد نے چونکہ حق مہر کی ادائیگی نہیں کی اور مہر کی رقم اس کے پاس ہے لہٰذا وہ عورت سے کسی اور مال کا مطالبہ نہ کرے۔

شوہر کے لاپتہ ہونے پر عورت کیا کرے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج سے دس

سال پہلے محمد رمضان کا نکاح وزیراں بی بی سے نابالغی کی عمر میں والدین نے کر دیا- ابھی رخصتی وغیرہ نہیں ہوئی تھی کہ محمد رمضان گھر سے بھاگ گیا- اس کو گھر سے نکلے ہوئے تقریباً پانچ سال ہو گئے ہیں' وہ واپس نہیں آیا- نہ اس کا کوئی پتہ ہے کہ وہ کہاں ہے؟ جہاں کہیں بھی کسی نے شک شبہ کی بنا پر ہمیں بتایا' ہم گئے- وہ آج تک نہیں ملا- شنید ہے کہ ایک سال پہلے ضلع لیہ میں ہمارے رشتہ داروں کا ہوٹل ہے' وہاں لڑکے کھڑے ہوئے تھے- وہ کہتے ہیں کہ محمد رمضان آیا تھا' اس کے والد کا فوت ہونے کا بھی بتایا' اس نے جواب دیا چلو ٹھیک ہو گیا ہے- بیمار رہتا تھا- بقول ان لڑکوں کے' اس کے بعد وہ چلا گیا- پتہ نہیں کہاں گیا ہے؟ محمد رمضان کی والدہ اور بھائی بہت پریشان ہیں کیونکہ اسکا کہیں سے کوئی پتہ نہیں چل رہا ہے- لڑکی والے تو بہت زیادہ پریشان ہیں- حالات کے پیش نظر آپ خود اندازہ لگائیں کہ لڑکی جوان ہے- برائے مہربانی کتاب و سنّت کی رو سے ہماری راہنمائی کریں کہ ایسے لاپتہ آدمی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا اس کی بیوی کا نکاح کسی دوسری جگہ پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے لیے کتنا عرصہ انتظار کرنا ہوتا ہے- (سائل محمد علی' سانده لاہور)

ج ایسا آدمی جو شادی کے بعد گھر سے لاپتہ ہو جائے اسے شرعاً مفقود الخبر کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جب اسے اس کے لاپتہ ہونے کی خبر یقینی طور پر ملے' اس وقت سے چار سال گزر جانے پر اس کے مرنے کا حکم لگا دیا جائے گا اور اسکے بعد چار ماہ دس دن متوفی عنہا زوجھا (یعنی جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو) کی عدت گزار کر عورت دوسری جگہ اگر نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے... اس مسئلہ کے متعلق کوئی مرفوع روایت تو موجود نہیں البتہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں- خلیفۃ المسلمین فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح ثابت ہے- جیسا کہ امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

((تَرَبَّصُ امْرَاَةُ الْمَفْقُوْدِ اَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ عِدَّةَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا

زَوْجُهَا وَتَزَوَّجُ إِن شَاءَتْ))

[سنن سعید بن منصور ۱/۴۰۰ (۱۷۵۲) مؤطا الامام مالك ' کتاب الطلاق باب عدة التی تفقد زوجها ص : ۳۳۲ طبع ملتان- السنن کبری بیهقی ۷/۴۴۵ مصنف عبدالرزاق ۷/۸۸]

"لاپتہ آدمی کی بیوی چار سال انتظار کرے پھر شوہر کے فوت ہونے والی عدت گزارے یعنی چار ماہ دس دن اور اس کے بعد اگر چاہے تو شادی کر لے"۔

امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے مصنف عبدالرزاق ۷/۸۵ میں روایت ہے کہ :

إِنَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ قَضَيَا فِي الْمَفْقُوْدِ أَنَّ الْمَرْأَةَ تَتَرَبَّصُ اَرْبَعَ سِنِيْنَ وَأَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا بَعْدَ ذٰلِكَ ثُمَّ تَزَوَّجُ إِلٰى آخِرِهٖ

[بیهقی ۷/۴۴۵]

"عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما دونوں خلفاء نے لاپتہ شوہر کے بارے میں فیصلہ دیا کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے اور اس کے چار ماہ دس دن بعد یعنی متوفی عنھا زوجھا کی عدت گزار کر شادی کر لے"۔

جابر بن زید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں :

تَنْتَظِرُ امْرَأَةُ الْمَفْقُوْدِ اَرْبَعَ سِنِيْنَ

[سنن سعید بن منصور ۱/۴۰۲ (۱۷۵۶) بیهقی ۷/۴۴۵]

"لاپتہ شوہر کی بیوی چار سال انتظار کرے"۔

امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

إِذَا فُقِدَ فِي الصَّفِّ تَرَبَّصَتْ سَنَةً إِذَا فُقِدَ فِي غَيْرِ الصَّفِّ

فَأَرْبَعَ سِنِيْنَ [مصنف عبدالرزاق ۸۹/۷]
"جب آدمی صف قتال میں لاپتہ ہوجائے تو عورت ایک سال انتظار کرے اور جب لڑائی کی صف کے علاوہ لاپتہ ہو جائے تو چار سال انتظار کرے"۔

امام قتادہ بن دعامہ السدوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ایسی عورت کا معاملہ حاکم تک پہنچایا جائے پھر چار سال گزر جائیں تو ایسے آدمی کا مال اس کے ورثاء میں بانٹ دیا جائے یعنی چار سال کے بعد اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے گا پھر اس کی جائیداد وغیرہ وارثوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق ۹۰/۷)

امام محمد بن مسلم المعروف ابنِ شہاب زہری رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ (فتح الباری ۴۳۱/۹)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَثَبَتَ أَيْضًا عَنْ عُثْمَانَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ فِي رِوَايَةٍ وَعَنْ جَمْعٍ مِنَ التَّابِعِيْنَ كَالنَّخْعِيِّ وَعَطَاءٍ وَالزُّهْرِيِّ وَمَكْحُوْلٍ وَالشَّعْبِيِّ وَاتَّفَقَ أَكْثَرُهُمْ عَلٰى أَنَّ التَّاجِيْلَ مِنَ الْيَوْمِ تُرْفَعُ أَمْرُهَا لِلْحَاكِمِ وَعَلٰى أَنَّهَا تَعْتَدُّ عِدَّةَ الْوَفَاةِ بَعْدَ مَضِيِّ الْأَرْبَعِ سِنِيْنَ
[فتح الباری ۴۳۱/۹]

"یہ بات عثمان اور ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور تابعین کی ایک جماعت جیسے نخعی، عطا، زہری، مکحول اور شعبی سے ثابت ہے اور اکثر کا ان میں سے اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ مقررہ مدت اس دن سے شروع ہو گی جب عورت کا معاملہ حاکم کی طرف پہنچایا گیا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ چار سال گزرنے کے بعد وہ شوہر کی وفات کی عدت گزارے گی"۔

اس کے برعکس فقہ حنفی میں ہے کہ جس کا شوہر لاپتہ ہوجائے تو اس کی

عورت اتنا انتظار کرے کہ شوہر کی عمر نوے برس کی ہو جائے تو پھر اس کے مرنے کا حکم لگا دیا جائے گا۔ مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اپنی کتاب اصل بہشتی زیور چوتھا حصہ صفحہ ۳۰ باب ۸۱ "میاں کے لاپتہ ہونے کا بیان" کے تحت لکھتے ہیں :

"اس کا شوہر بالکل لاپتہ ہو گیا' معلوم نہیں مر گیا یا زندہ ہے تو وہ عورت اپنا دوسرا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ انتظار کرتی رہے کہ شاید آ جاوے۔ جب انتظار کرتے کرتے اتنی مدت گزر جائے کہ شوہر کی عمر نوے (۹۰) برس کی ہو جائے تو اب حکم لگا دیں کہ وہ مر گیا ہو گا سو اگر وہ عورت ابھی جوان ہو اور نکاح کرنا چاہے تو شوہر کی عمر نوے برس کی ہونے کے بعد عدت پوری کر کے نکاح کر سکتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس لاپتہ مَرد کے مرنے کا حکم کسی شرعی حکام نے لگایا ہو۔

اسی بہشتی زیور کے نیچے حاشیہ میں اس مسئلہ کا حوالہ فتاویٰ عالمگیری ۹۱۵/۲ اور ہدایہ ۶۰۲/۲ سے دیا گیا ہے لیکن حنفی حضرات کا اپنے اس مسئلہ پر فتویٰ نہیں ہے۔ یہ اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہی فتویٰ دیتے ہیں۔ اصل بہشتی زیور کے مذکورہ صفحے کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ لیکن آج کل شدت ضرورت کی وجہ سے علماء نے امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دے دیا ہے۔ ان کے نزدیک اتنی مدت شرط نہیں اگر کسی کو ضرورت ہو تو علماء سے مفصل طور پر معلوم کر کے اس پر عمل کر سکتا ہے۔ نیز ایک رسالہ "الحیلة الناجزة للحیلة العاجزة میں اس مسئلہ اور اس کے "دوسرے ضروری مسائل کو... جن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ دینے کی گنجائش ہے.... تفصیل سے لکھا گیا ہے اور علماء تھانہ بھون' دیوبند اور سہارنپور کے اس پر متفقہ دستخط ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب وہی ہے جو اوپر میں نے خلیفۃ المسلمین عمر بن خطاب' عثمان بن عفان' عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ مجتہدین تابعین عظام رحمہم اللہ علیہم کا نقل

کیا ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ حنفی علماء نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے موقف کو ترک کر دیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو اختیار کیا ہے۔ اس بات پر ان کے دیوبند' سہارنپور اور تھانہ بھون کے جید علماء کے دستخط ثبت ہیں۔ ان علماء کی تفصیل "الحیلة الناجزة" جو کہ جدید طرز پر "احکامِ طلاق و نظام شرعی عدالت" کے نام سے الفیصل ناشران و تاجران کتب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور سے طبع ہوئی کے صفحہ ۲۲ تا ۲۵ میں موجود ہے۔

مذکورہ بالا آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین' محدثین اور حنفی علماء کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے تو اس کے یقینی طور پر لاپتہ ہو جانے کے بعد یا جب معاملہ عدالت کی طرف لایا جائے' حاکم وقت تک پہنچانے کے بعد عورت چار سال تک انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن کی عدت گزار کر اگر نیا نکاح کرانا چاہے تو کرا سکتی ہے اور یہی راجح ترین موقف ہے جس کی پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تصدیق ہوتی ہے۔

كتاب

البيوع

آسان اقساط پر اشیاء کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَآ أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ.))

[صحیح بخاری مشکوٰۃ کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال]

”لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ آدمی کو جو چیز بھی مل جائے وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ تک نہ دیکھے گا کہ وہ حلال ہے یا حرام“۔ (یعنی حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جائے گی)

دوسری حدیث میں ہے :

((بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَ يُمْسِي كَافِرًا وَ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَ يُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيْعُ دِيْنَهُ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا.))

[رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مشکوٰۃ ۱۳۸۲/۳ بتحقیق الشیخ الالبانی حفظہ اللہ تعالٰی]

”ان فتنوں کے پیش آنے سے پہلے (نیک) اعمال میں جلدی کرو جو تاریک رات کی ٹکڑیوں کی مانند ہوں گے (کہ اس وقت) اگر کوئی آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں ہو گا تو شام کو کافر ہو جائے گا اور اگر شام

کو مومن ہو گا تو صبح کو کافر ہو جائے گا (اور اس کی وجہ یہ ہو گی کہ) وہ اپنے دین کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کی خاطر بیچ ڈالے گا"۔

اور حرام کھانے والے کے لیے یہ سخت وعید بھی بیان فرمائی گئی ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَ كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ))

[رواہ احمد ۳/۳۲۱، ۳۹۹ والدارمی والبیهقی فی شعب الایمان عن جابر رضی اللّٰہ عنہ مشکوٰۃ کتاب البیوع باب الکسب و طلب الحلال مستدرك ۴/۴۲۲ وصححہ الحاکم واقرہ الذهبی وصححہ ابنُ حبان' موارد الظمآن ص ۳۷۸ (قلت) اس حدیث میں عبدالرحمٰن بن سابط کا سماع جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ اور عبدالرحمٰن کثیر الارسال ہے البتہ اس حدیث کے شواہد ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں مجمع الزوائد ۱۰/۲۹۳ اور الموسوعہ ۷/۳۷۴]

"وہ گوشت کہ جس نے حرام سے پرورش پائی ہو جنت میں داخل نہیں ہو گا اور جس گوشت نے حرام سے نشوونما پائی ہو اس کے لیے جہنم کی آگ ہی اولیٰ ہے"۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ (حرام خور طویل سفر طے کرتا ہے) اور آسمان کی طرف اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے کہتا ہے کہ اے میرے رب جبکہ اس کا کھانا حرام' اس کا پینا حرام' اس کا پہننا حرام اور حرام ہی میں اس نے پرورش پائی تو پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو"۔ (رواہ مسلم عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ مشکوٰۃ (۲۷۶۰)

اس پُرفتن دور میں حلال و حرام کا فرق اب ختم ہوتا چلا جا رہا ہے اور لوگ مختلف طریقوں سے حرام میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ حرام میں سب سے بڑا حرام سود ہے جس نے آج عالمگیر شکل اختیار کر لی ہے اور یہ چیز بینکوں کی شکل میں امت مسلمہ پر مسلط ہو چکی ہے حالانکہ سود کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ واضح ارشاد موجود ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ... ﴾ [البقره : ٢٧٩]

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ سے ڈرو اور (اصل رقم کے علاوہ) وہ حصہ چھوڑ دو جو باقی بچ جائے سود سے اگر تم واقعی مومن ہو۔ پس اگر (سود سے) باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

اور جناب جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبَا وَ مُؤْكِلَهٗ وَ كَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَ قَالَ هُمْ سَوَآءٌ))

[صحیح مسلم' مشکوٰۃ (۲۸۰۷)]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے سود کے کھانے والے پر اور کھلانے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے دو گواہوں پر اور فرمایا : "یہ (گناہ میں) برابر (کے شریک) ہیں"۔

اور جناب عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھائے چھتیس زنا سے زیادہ گناہ رکھتا ہے"۔

(مسند احمد ۲۲۵/۵' دار قطنی' بیھقی شعب الایمان عن ابنِ عباس رضی اللہ عنہ' وقال البانی واسنادہ صحیح مشکوٰۃ ۸۵۹/۲)

تجارت میں سود :

تجارت میں قرض کی صورت میں بھی سود وصول کیا جاتا ہے جس کی ایک

صورت یہ ہے کہ آسان اقساط پر چیزیں فروخت کی جاتی ہیں- یہی اشیاء جب نقد خریدی جائیں تو ان کی قیمت کم ہوتی ہے لیکن اُدھار اور آسان اقساط کی صورت میں ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ (بقرہ : ۲۷۵) "اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے"-

وضاحت : آج کل لوگ آسان اقساط کے جھانسے میں آکر مختلف چیزیں مثلاً پنکھے' واشنگ مشین' فرج وغیرہ آسان اقساط کے نام سے قرض خریدتے ہیں اور ان چیزوں کی نقد اور اُدھار قیمتوں میں کافی فرق ہوتا ہے مثلاً ایک چیز نقد دس ہزار روپے کی ملتی ہے لیکن قرض آسان اقساط کی صورت میں تیرہ ہزار روپے کی ملے گی- اب یہ تین ہزار روپے جو اس کی قرض رقم کے ساتھ نتھی کر دیئے گئے ہیں- ان کی حیثیت کیا ہو گی؟ ظاہر ہے کہ یہ کھلا سود ہے-

اس معاملے کو یوں سمجھ لیں کہ کوئی شخص کسی کمپنی یا دکان سے دس ہزار روپے اس شرط پر قرض لیتا ہے کہ وہ یہ قرض رقم دس ہزار کے بجائے تیرہ ہزار روپے آسان اقساط میں ادا کرے گا- ظاہر بات ہے کہ یہ سود ہے- اسی طرح دوسرا شخص دس ہزار روپے قرض لینے کی بجائے دس ہزار روپے کی کوئی چیز اس صورت میں خریدتا ہے کہ وہ اس چیز کے تیرہ ہزار روپے آسان اقساط میں بطور قرض ادا کرے گا- ظاہر بات ہے کہ اس شخص کے ذمے تو دس ہزار روپے ہی واجب الادا تھے لیکن قرض لینے کی وجہ سے اسکی اصل رقم میں مزید تین ہزار روپے کا اضافہ کر دیا گیا ہے- لہٰذا یہ بھی سود ہے- اور ظاہر بات ہے کہ یہ سودی معاملات قرض ہی سے متعلق ہیں- جناب اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((أَلرِّبٰوا فِي النَّسِیئَةِ وَفِي رِوَایَةٍ قَالَ لَا رِبٰوا فِیمَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ.))

[صحیح البخاری و صحیح مسلم- مشکوٰۃ کتاب البیوع باب الربوا]

"سود اُدھار (معاملات میں) ہوتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جو چیزیں ہاتھوں ہاتھ (نقد) بیچی جائیں ان میں سود نہیں ہوتا"۔

ایک چیز کی دو قیمتیں مقرر کرنا :

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ.))

[مسند احمد ۲/۴۳۲، ۴۷۵، ۵۰۳- سنن الترمذی کتاب البیوع باب ما جاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ، سنن النسائی، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۸/۲۲۵ (۴۹۵۲) ابن الجارود (۶۰۰)، السنن الکبری للبیھقی (۵/۳۴۳ و مالک االشافعی فی بلاغاتہ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح]

"رسول اللہ ﷺ نے ایک چیز کی دو قیمتیں (مقرر کرنے سے) منع فرمایا ہے"۔

اس حدیث کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں البتہ اس حدیث کے ایک راوی محمد بن عمرو بن علقمہ رحمۃ اللہ علیہ پر انکے حافظ کی وجہ سے تھوڑا سا کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر کتاب "تقریب التھذیب" میں فرماتے ہیں : صَدُوْقٌ لَهٗ اَوْهَامٌ - امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حدیث مقروناً اور امام مسلم نے متابعتاً روایت کی ہے۔ اور علامہ ذہبی نے انکو حسن الحدیث قرار دیا ہے۔ (میزان ۳/۶۷۳) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند حسن ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں : إرواء الغلیل ۵/۱۵۰، مشکوۃ بتحقیق الشیخ الالبانی حفظہ اللہ تعالیٰ)

ایک دوسری حدیث میں جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ، فَلَهٗ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.))

[مصنف ابنِ ابی شیبہ کتاب البیوع باب الرجل یشتری من الرجل المبیع فیول

ان کان بنسئة فبکذا وان کان نقدا فبکذا اور ان سے ابوداؤد نے اور اسی طرح ابنِ حبان ۲۲۶/۸ (۴۹۵۳) نے 'مستدرک للحاکم ۴۵/۲ اور ان سے امام البیہقی (۳۴۳/۵) نے اور امام حاکم نے کہا : صحیح علی شرط مسلم ووافقہ الذھبی]

"جو شخص کسی چیز کی دو قیمتیں مقرر کرے گا یا تو وہ کم قیمت لے گا یا پھر وہ سود ہو گا"۔

یہ حدیث بھی محمد بن عمرو رحمہ اللہ ہی کی سند سے ہے جن کے بارے میں تفصیل اوپر گزر چکی۔

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں :

لَا تَحِلُّ صَفْقَتَانِ فِي صَفْقَةٍ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهٗ

[الاحسان بترتیب صحیح ابنِ حبان ۲۴۲/۸ اور مسند احمد میں ہے کہ امام شعبہ نے اس حدیث کو بیان کر کے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ انہوں (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے- (مسند احمد ۳۹۳/۱) مسند احمد میں اس حدیث کے شروع میں الفاظ اس طرح ہیں : ((لَا تَصْلُحُ سَفْقَتَانِ فِيْ سَفْقَةٍ)) "ایک عقد میں دو معاملے کرنا جائز نہیں ہے"- اور علامہ ہیثمی نے اس حدیث کو مسند بزار اور طبرانی کے حوالے سے مرفوع بیان کیا ہے- (راجع مجمع الزوائد ۸۴/۴) اس حدیث کی سند صحیح ہے- علامہ ہیثمی فرماتے ہیں : وَرِجَالُ اَحْمَدَ ثِقَاتٌ نیز ملاحظہ فرمائیں إرواء الغلیل ۱۴۹/۵]

"ایک عقد میں دو معاملے کرنا حلال نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر' کھلانے والے پر' اس کے گواہوں پر اور اس کے لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے"۔

ایک دوسری حدیث میں جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

((صَفْقَتَانِ فِي صَفْقَةٍ رِبًا اَنْ يَّقُوْلَ الرَّجُلُ اِنْ كَانَ بِنَقْدٍ فَبِكَذَا وَاِنْ كَانَ بِنَسِيْئَةٍ فَبِكَذَا)) [مصنف ابنِ ابی شیبہ ۱۱۹/۶]

"ایک عقد میں دو معاملے کرنا ربا (سود) ہے (اور ایک عقد میں دو معاملے

کا مطلب یہ ہے کہ) ایک شخص کہے کہ اگر تم نقد خریدو گے تو اتنے روپے میں اور اگر اُدھار خریدو گے تو اتنے روپے میں"۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی نقد قیمت کچھ اور اُدھار قیمت کچھ مقرر کرنا سود ہے۔ اور محدثین اور فقہاء کرام نے بھی ان احادیث کی یہی وضاحت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ امام الترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ فَسَّدَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا : بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ اَنْ یَّقُوْلَ اَبِیْعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ وَبِنَسِیْئَةٍ بِعِشْرِیْنَ

[سنن الترمذی کتاب البیوع]

"جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (صحیح حسن) ہے۔ اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے اور اس حدیث کی تفسیر میں بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ایک چیز میں دو قیمتوں کا معنی یہ ہے کہ کوئی کہے میں تجھے یہ کپڑا نقد دس کا بیچوں گا اور اُدھار پر بیس کا"۔

امام الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَنْ یَّقُوْلَ بِعْتُكَ بِاَلْفَیْنِ نَسِیْئَةً وَبِاَلْفٍ نَقْدًا فَاَیُّهُمَا شِئْتَ اَخَذْتَ بِهٖ وَهٰذَا بَیْعٌ فَاسِدٌ — وَعِلَّةُ النَّهْیِ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ وَلُزُوْمُ الرِّبَا عِنْدَ مَنْ یَّمْنَعُ بَیْعَ الشَّیْئِ بِاَکْثَرَ مِنْ سِعْرِ یَوْمِهٖ لِاَجْلِ النَّسِیْئَةِ

[سبل السلام کتاب البیوع باب شروطه و نهی عنه]

"کوئی کہے کہ میں تجھے یہ چیز دو ہزار میں اُدھار بیچتا ہوں لیکن اگر نقد لو گے تو پھر اس کی قیمت ایک ہزار ہو گی۔ تمہیں جس طرح پسند ہو لے لو تو یہ بیع فاسد ہے — اور اس سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس چیز کی قیمت مقرر نہیں کی گئی ہے اور پھر اس میں سود ہے اور جو شخص اس

تجارت کو منع کرتا ہے' وہ اس لیے کہ اس چیز کی قیمت اس لیے زیادہ وصول کی جا رہی ہے کہ وہ اُدھار دی گئی ہے"۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

إِذْ قُلْتَ أَبِيْعُكَ بِالنَّقْدِ إِلَى كَذَا وَبِالنَّسِيْئَةِ بِكَذَا أَوْ كَذَا وَهُوَ بَيْعَتَانِ فِيْ بَيْعَةٍ وَهُوَ مَرْدُوْدٌ وَهُوَ الَّذِيْ يُنْهَى عَنْهُ

[مصنف عبدالرزاق (۱۴۶۳۲) بحوالہ شرح السنۃ للبغوی ۱۴۳/۸]

"جب تو یہ کہے کہ میں یہ چیز تمہارے ہاتھ نقد اتنے میں اور اُدھار اتنے کی بیچتا ہوں تو یہی بیعتان فی بیعہ ہے اور یہ مردود ہے اور یہی وہ تجارت ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہے"۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَفَسَّرُوْا الْبَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ عَلَى وَجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنْ يَّقُوْلَ : بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِعَشَرَةٍ نَقْدًا وَبِعِشْرِيْنَ نَسِيْئَةً إِلَى شَهْرٍ فَهُوَ فَاسِدٌ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ لِأَنَّهٗ لَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا الثَّمَنُ وَجَهَالَةُ الثَّمَنِ تَمْنَعُ صِحَّةَ الْعَقْدِ [شرح السنۃ ۱۴۳/۸]

" البیعتین فی بیعہ کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ کوئی کہے کہ میں یہ کپڑا نقد دس پر اور ایک مہینہ کے اُدھار پر بیس میں بیچتا ہوں تو یہ بیع اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے۔ اس لیے کہ وہ (خریدنے والا) نہیں جانتا کہ اس چیز کی اصل قیمت کیا ہے اور یہی چیز (یعنی ایک چیز کی دو قیمتیں) اس بیع کو فاسد کرنے کا سبب بنتی ہے"۔

امام سماک بن حرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

اَلرَّجُلُ يَبِيْعُ الْبَيْعَ فَيَقُوْلُ : هُوَ بِنَسِيْئَةٍ بِكَذَا أَوْ كَذَا وَهُوَ بِنَقْدٍ بِكَذَا أَوْ كَذَا [مسند احمد ۳۹۸/۱]

"کوئی شخص کوئی چیز بیچتے وقت کہے: یہ چیز اُدھار اتنے پر اور نقد اتنے پر بیچتا ہوں"۔

اسی طرح امام ابنِ حزم الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ (المحلی ۹/۶۲۷) نے اور قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (تحفۃ الاحوذی ۲/۲۳۶) نے بھی بیعتین فی بیعہ کی تعریف بیان کی ہے۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کی نقد قیمت کچھ ہو اور اسے اُدھار کچھ قیمت پر دیا جائے تو یہ سود ہے جس سے بچنا اہل ایمان پر لازم ہے۔

(از ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی کراچی)

سود سے توبہ کے بعد سابقہ سودی کاروبار کے ذریعہ سے حاصل ہونے والے مال کا تصرف کیسا ہے؟

س: ایک شخص سودی کاروبار کرتا تھا' اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت دے دی اور اس نے توبہ کر لی ہے اور اس کے پاس اس سودی کاروبار کا بہت سا مال موجود ہے۔ کیا وہ مال استعمال کر سکتا ہے؟ کیونکہ جب اس نے یہ رقم حاصل کی تھی تو طرفین اس پر رضامند تھے۔ اگر استعمال نہیں کر سکتا تو کیا کرے؟ قرآن و سُنّت کی روشنی میں جواب دیں۔ (سائل محمد ابراہیم' فورٹ عباس)

ج: یہ مسئلہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ توبہ کے بعد بہت سی سودی رقم لوگوں کے ذمے ہے' ابھی تک ان سے نہیں لی گئی۔ اس کا حل قرآن نے بیان کر دیا۔ فرمایا:

﴿ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝۲۷۹ ﴾ [البقرۃ ۲ : ۲۷۹]

"اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لیے تمہارے راس المال ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو (اس سے سود لے کر) اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے (کہ تم کو اصل مال واپس دینے میں ٹال مٹول کرے یا اصل مال سے بھی کم کر دے)"۔ (تفسیر قرطبی ۳/۳۶۵)

حدیث ہے سلیمان بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرما رہے تھے :

((اَلَا إِنَّ كُلَّ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ ' إِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ وَلَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ)) [رواه ابوداؤد]

"خبردار! آج سے جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے نہ کسی کو دیا جائے گا اور نہ کسی سے لیا جائے گا۔"

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ جو ابھی تک نہیں لیا گیا اسے لینا حرام ہے۔ صرف اپنا اصل مال واپس لے اور اگر واپس کرنے والا تنگ دست ہے تو اسے خوشحالی تک مہلت دے دینی چاہئے یا ویسے ہی اسے معاف کر دیا جائے تو یہ بہت بہتر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ ﴾ [البقرة ٢ : ٢٨٠]

اور دینے والے کو بھی چاہئے کہ وہ اس کا اصل مال ہی واپس کرے' زیادہ مت دے۔ نہ اسلام میں سود لینا اور نہ ہی دینا جائز ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مسلمان حکمران سود دینے والے کے لیے لوگوں سے دولت جمع کر رہے ہیں۔ باقی یہ بات یاد رہے کہ طرفین کی رضامندی حرام کام کو حلال نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ زنا اور سدومی فعل ("سدوم" جناب لوط علیہ السلام کی بستی کا نام ہے۔ سدومی فعل سے مراد وہ فعل ہے جس کا ارتکاب ان کی قوم کرتی تھی) ہے' بالکل سود بھی ایسے ہی ہے :

﴿ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا ﴾ باقی ماندہ سود سے دستبردار ہو جاؤ- اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے : ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ کی قید لگا دی ہے- مطلب یہ ہے کہ جس کے اندر ایمان کی رتی بھی موجود ہے وہ سود نہ لے اور نہ دے-

دوسری صورت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اس نے سودی مال بہت سا اپنے پاس جمع کیا ہوا ہے- اب توبہ کے بعد وہ اس مال کا کیا کرے؟

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک قاعدہ کے تحت اس کا حل پیش کیا ہے- ان کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ چیز جو کسی فاسد عقد (سودے) سے حاصل کی گئی ہے- اس کو دو لحاظ سے دیکھا جائے گا- اگر تو عقد کرنے والا اس بیع (عقد) کے باطل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اور وہ عقد کی وجہ سے یا طرفین کی رضامندی کی وجہ سے جس چیز پر قابض ہوتا ہے تو وہ اس کا غاصب شمار ہو گا کیونکہ اس نے ایسی چیز حاصل کی ہے جس کے بارہ میں وہ جانتا ہے کہ وہ غلط ہے اس لیے وہ اس کا مالک نہیں بن سکتا- اور اگر عقد کرنے والا اس کو صحیح سمجھتا ہے جیسا کہ ذمی لوگ خنزیر' سود' شراب وغیرہ کی آپس میں بیع کرتے ہیں جو اس نے مسلمان ہونے سے پہلے کی بیوع (خرید و فروخت) سے رقم حاصل کی ہوتی ہے تو وہ اس کا راس المال شمار ہو گا- اسی طرح اگر مسلمان اجتہاد یا کسی کی تقلید کی بنا پر اس کو صحیح سمجھتے ہوئے بیع کرتا رہا ہے اور مال اس کے ہاتھ میں ہے تو وہ اس کا اصل مال ہی شمار ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾ ﴾

[البقرۃ ۲ : ۲۷۹]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باقی کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے- یہ حکم نہیں دیا کہ جو پہلے بھی لیا ہوا ہے' اسے واپس کرو"-

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۹/۲۱۱'۲۱۲ و تفسیر المنار رضا ۳/۹۷'۹۸)

پہلی صورت میں جب کہ ایک مسلم جان بوجھ کر حرام کو حرام جانتے ہوئے پھر سودی کاروبار کرتا رہا بعد میں توبہ کر لی- اب اس کے پاس اس حرام سودی کمائی کا مال موجود ہے اور وہ اس سے جان چھڑانا چاہتا ہے تو اس کا حل یہی ہے کہ وہ مال جس سے لیا ہے اس کو واپس کر دے- کیونکہ لیتے وقت وہ جانتا تھا کہ مَیں تعدی اور ظلم سے یہ مال حاصل کر رہا ہوں- اب اگر وہ واپس کرنا ممکن نہیں ہے تو ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (بقرہ) پر عمل ہو گا- اگر چاہے تو صدقہ کر دے اور سچے دل سے توبہ استغفار کرے- اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ سودی کاروبار کرتا رہے اور کہے بعد میں صدقہ کر دوں گا- یہ تو توبہ کے بعد اس کے لیے حلال اور جائز نہیں-

اس صدقہ سے نیت یہ ہو کہ میں اس مال سے بچ جاؤں- اس صدقہ سے نیکی، ثواب اور تقرب الی اللہ کی نیت نہ ہو- کیونکہ حرام چیز سے ثواب اور تقرب الی اللہ حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا))

"اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکیزہ چیز کو ہی پسند کرتا ہے"-

انشورنس سے متعلق کچھ استفسارات کے جوابات

س بندہ سے اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن آف پاکستان (بیمہ زندگی) والوں کا واسطہ پڑا- بہرکیف انہوں نے بیمہ زندگی کے بارے مجھے کئی دلائل دیئے-

① یہ کرانے والا کچھ رقم دیتا ہے اور مقررہ مدت کے درمیان فوت ہو جائے تو مقررہ رقم ورثاء کو ملتی ہے- پسماندگان میّت کی فائدہ رسانی مقصود ہے جو نیک نیت ہے- سود خوری اور سود خورانی مقصود نہیں ہوتی- حدیث شریف

میں ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے چونکہ اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے۔

۲) چونکہ میت کی لگائی گئی رقم سے ادارہ کاروبار کرتا ہے اور کاروبار کا منافع یا بونس بیمہ دار کو ملتا ہے جیسے ایک آدمی کچھ رقم کسی کو دے دیتا ہے اور کاروبار میں حصہ ڈال دیتا ہے اور مناسب منافع لیتا ہے۔

۳) چونکہ رقم اقساط کی صورت میں دے کر مع نفع بعد مدت گزرنے پر وصول کرلی جاتی ہے۔

۴) موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بیمہ انسان کی ضرورت کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔

۵) بچت کر کے رقم بچوں کے لئے، مستقبل کے حالات کے لیے رکھی جاتی ہے اور اسی رقم کو ادارہ استعمال کر کے منافع کی صورت میں لوٹا دیتا ہے۔ جس کی شرح فکس (لازم) نہیں ہے۔

۶) چونکہ بینکاری نظام میں نفع و نقصان کی شراکت سے کاروبار ہو رہا ہے جبکہ اس ادارے نے بھی کاروبار کر رکھا ہے مگر بینک کی شرح فیصد فکس ہے جبکہ اسٹیٹ لائف انشورنس (بیمہ زندگی) کے کاروبار میں شرح فیصد نہیں ہے۔

۷) یہ جواء نہیں ہے نہ پرائز بانڈ سسٹم ہے، نہ لاٹری ہے۔

یہ سب دلائل محکمہ انشورنس کی جانب سے دیئے گئے۔ بیمہ زندگی کا کاروبار جائز نہ ہونے کی صورت میں عقلی اور فقہی رو سے مفصل تحریر فرما کر جواب سے مستفیض فرمائیں۔

نوٹ : علم سے استفادہ کرنا نوع انسان کا حق ہے۔ کائنات کے مادی وسائل کو استعمال کرنا بھی اس کا حق ہے۔ بیمہ کی بنیاد ریاضی پر ہے کیا اس سے صرف ترقی

یافتہ ممالک ہی فائدہ لیں یا ہم بھی اس کاروبار سے فائدہ لے لیں۔

(اطہر منیر' اوکاڑہ)

ج بسم اللہ الرحمن الرحیم

از عبدالمنان نورپوری بطرف جناب اطہر منیر صاحب حفظهما الله العليم الخبير

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اما بعد!

آپ کا مکتوب موصول ہوا۔ جناب کے نقل کردہ دلائل کے جواب ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں: بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ

① کسی عمل کے حق و درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنّت کے موافق ہو' اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری پر مشتمل ہو۔ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) [صحيح مسلم]

صرف نیّت کے نیک ہونے سے عمل درست نہیں بنتا مثلاً کوئی آدمی کسی بیوہ کی جنسی خواہش پوری کرنے کی نیّت سے اس کے مطالبہ پر اس کے ساتھ وطی کرتا ہے تو اس نیک نیتی کی بنا پر اس کی یہ وطی حق و درست نہیں بنے گی بلکہ زنا کی زنا ہی رہے گی۔ بالکل اسی طرح بیمہ کی صورت میں ''پسماندگان میّت کی فائدہ رسانی مقصود ہونے' نیک نیّت ہونے اور سود خوری و سود خورانی مقصود نہ ہونے سے سود حق و درست نہیں بنے گا بلکہ حرام کا حرام ہی رہے گا۔ قرآنِ مجید میں ہے:

وَحَرَّمَ الرِّبٰوا اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ حدیث میں ہے:

((دِرْهَمُ رِبًا يَاْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ سِتَّ

وَّ ثَلَاثِيْنَ زِنْيَةً)) [مشکوۃ باب الربا]

حدیث ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) کے آخری حصہ میں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا ذکر فرمایا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ "اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے" میں مراد اعمال صالحہ ہیں اور معلوم ہے کہ سود اعمال صالحہ میں شامل نہیں۔ اعمال سیئہ میں شامل ہے لہٰذا نیک نیتی والی بات اس اثناء میں پیش کرنا بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ واقعی مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ وَحَرَّمَ الرِّبَا ﴾ نیز فرمایا ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا ﴾ یا مزید فرمایا: ﴿ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ سود نہ چھوڑنے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ و لڑائی کر رہے ہیں اور واضح رہے کہ ایسے لوگ مفسد ہی ہو سکتے ہیں۔ مصلح نہیں ہو سکتے۔ نیت خواہ وہ کتنی ہی نیک بنا لیں۔

پھر بیمہ کمپنیوں کے بیمہ کرانے والوں کے مرنے کے بعد ان کے وارثوں کو کچھ نہ کچھ دینے سے ان کی "پسماندگان میت کی فائدہ رسانی مقصود ہے جو نیت نیک ہے' سود خوری اور سود خورانی مقصود نہیں" والی بات کا بھرم بھی کھل جاتا ہے۔

② ادارہ سودی کاروبار ہی کرتا ہے۔ ادارے نے سود ہی کا نام منافع یا بونس رکھا ہوا ہے۔ پھر کسی کاروبار کے حق و درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کاروبار شرعاً حلال ہو کوئی بھی کاروبار اس وجہ سے حق و درست نہیں پاتا کہ وہ کاروبار ہے۔ دیکھئے خمر و خنزیر کی تجارت بھی حرام ہے مگر وہ کاروبار ہونے کی وجہ سے جائز و درست نہیں ہو پائی کیونکہ خمر و خنزیر کی تجارت شرعاً حرام ہے۔

③ چونکہ یہ منافع سود کے زمرہ میں شامل ہے۔ اس لیے ناجائز ہے۔

④ موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے خمر و خنزیر کی تجارت بھی انسان کی

ضرورت کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ کاروبار عصمت فروش بھی انسان کی ضرورت کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو کیا ضرورت کا ذریعہ ہونے یا ہو سکنے کی بنا پر خمر و خنزیر کی تجارت اور کاروبار عصمت فروشی جائز و درست ہو جائیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں تو بالکل اسی طرح کاروبار سود بیمہ یا غیرھم ضرورت کا ذریعہ ہونے کی بنا پر جائز و درست نہیں ہو گا کیونکہ شریعت نے خمر و خنزیر کی تجارت' کاروبار عصمت فروشی اور کاروبار سود (وہ خواہ سود بیمہ ہو یا سود غیر بیمہ) کو حرام قرار دے دیا ہے۔

⑤ ادارہ جو رقم بطور منافع دیتا ہے وہ سود ہی ہے۔ اس کی شرح فکس ہو خواہ فکس نہ ہو۔ سود کے فکس نہ ہونے سے نہ اس کی حقیقت بدلتی ہے اور نہ ہی اس کا حکم بدلتا ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ سود کا سود اور حرام کا حرام ہی رہتا ہے کیونکہ فکس ہونا نہ ہونا تو سود کا جزو ہے نہ ہی اس کی شرط ہے اور نہ اس کا لازم ہے۔

⑥ جہاں تک مجھے معلوم ہے پاکستان میں موجود بینکاری نظام میں شرعی مضاربت نام کی کوئی چیز نہیں جس کو بینک والے نفع و نقصان کی شراکت والا کاروبار کہتے ہیں۔ وہ بھی سود ہی ہوتا ہے۔ آگے اس کی شرح فکس ہو خواہ فکس نہ ہو' وہ سود ہی رہتا ہے۔ لہٰذا اسٹیٹ لائف انشورنس والوں کا سود کی شرح فیصد یا غیر فیصد کو مقرر و متعین نہ کرنا اس کاروبار کو سود ہونے سے نہیں نکالتا بلکہ وہ جوں کا توں سود ہی رہتا ہے اور سود حرام ہے۔

⑦ زبانی کلامی نہیں یا "نہ" کہہ دینے سے واقعہ میں نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ پھر ان تینوں کے نہ ہونے کو بتسلیم کر لینے سے بھی بیمہ کے سود ہونے کی نفی نہیں ہوتی تو بیمہ سوذ اور جوا ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے جوا نہ ہونے پر بضد ہو جائے تو بھی بیمہ سود ہونے کی وجہ سے حرام ہی

ہو گا جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

نوٹ : آپ کا فرمان "علم سے استفادہ کرنا نوع انسانی کا حق ہے" بجا مگر جس علم سے فائدہ حاصل کرنے کو شریعت نے گناہ قرار دیا ہو' اس سے فائدہ حاصل کرنا انسان کا حق نہیں مثلاً علم سحر۔ آپ علم سحر سے استفادہ نہیں کر سکتے کیونکہ شریعت نے اس کو کفر و گناہ قرار دیا ہے۔

﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ...... وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴾

رسول اکرم ﷺ نے بھی سحر کو ((اَلسَّبْعُ الْمُوْبِقَاتِ)) (سات ہلاک کر دینے والے گناہوں) میں شمار فرمایا ہے تو جس طرح علم سحر سے فائدہ اُٹھانا نوع انسانی کا حق نہیں کیونکہ شریعت نے سحر اور سود دونوں سے منع فرمایا ہے۔ پھر اگر اسی دلیل کو لے کر دو چار چور یا ڈاکو کہہ دیں کہ ہمارے کاروبار چوری اور ڈاکے کے ذریعہ کی بنیاد علم ریاضی پر ہے' آخر وہ بھی چوری یا ڈاکے کے ذریعہ ہتھیائے ہوئے مال کو ریاضی کے اصول کے تحت ہی تقسیم کریں گے تو کیا اس سے ان کا چوری یا ڈاکے والا کاروبار حق و درست بن جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں تو بالکل اسی طرح سود بیمہ یا غیر بیمہ کی بنیاد علم ریاضی پر ہونے سے وہ جائز و حلال نہیں ہو گا بلکہ حرام کا حرام ہی رہے گا۔ جناب کا فرمان "کائنات کے مادی وسائل کو استعمال کرنا بھی اس کا حق ہے" بجا مگر جن مادی وسائل سے شریعت نے منع فرما دیا۔ ان کو استعمال کرنا اس (نوع انسان) کا حق نہیں مثلاً خمر و خنزیر کی تجارت' کاروبار عصمت فروشی' چوری اور ڈکیتی مادی وسائل میں شامل ہیں مگر ان کو استعمال کرنا نوع انسان کا حق نہیں کیونکہ اسلام نے اس سے منع فرما دیا ہے بالکل اسی طرح سود بیمہ اور سود غیر بیمہ

مادی وسائل میں شامل ہیں مگر ان کو استعمال کرنا نوع انسان کا حق نہیں کیونکہ اسلام نے اس سے بھی منع فرما دیا ہے۔

دیکھئے اگر کوئی اباحی ذہن رکھنے والا کہے ' ماں' بہن' بیٹی' بھتیجی' بھانجی' خالہ' پھوپھی' مملوکہ' لونڈی اور بیوی تمام جنسی خواہش پورا کرنے کے وسائل ہیں اور جنسی خواہش کو پورا کرنے کے وسائل کو استعمال کرنا نوع انسان کا حق ہے تو آپ کا جواب کیا ہو گا؟ یہی نا کہ بیوی اور مملوکہ لونڈی کے علاوہ کو استعمال کرنا نوع انسان کا حق نہیں کیونکہ دین فطرت اسلام نے بیوی اور مملوکہ لونڈی کے علاوہ کو استعمال کرنے سے منع فرما دیا ہے چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے :

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ٥ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ٥ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ٥ ﴾

رہا آپ کا قول "کیا اس سے (بیمہ سے) صرف ترقی یافتہ ممالک ہی فائدہ لیں یا ہم بھی اس کاروبار سے فائدہ اُٹھا لیں؟" تو اس کے جواب میں یہی عرض کروں گا کہ آپ ہی فرمائیں' کیا خمر و خنزیر کی تجارت' کاروبار عصمت فروشی' چوری' ڈکیتی کاروبار سحر اور دیگر حرام اشیاء سے صرف ترقی یافتہ ممالک ہی فائدہ لیں یا ہم بھی؟ تو واضح ہے کہ چونکہ آپ اباحی ذہن نہیں رکھتے نیز پکے سچے مسلم ہیں' اس لیے یہی فرمائیں گے کہ ہم ان چیزوں سے فائدہ نہیں لیں گے کیونکہ دین فطرت اسلام نے ان چیزوں سے منع فرما دیا ہے باقی رہا ترقی یافتہ یا غیر ترقی یافتہ ممالک یا کسی ایک ملک کا ان سے فائدہ لینا' سو وہ ہمارے لیے سند جواز نہیں۔ ہمارے لیے سند و دلیل صرف اور صرف کتاب و سنّت ہے ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ سود بیمہ یا سود غیر بیمہ سے ترقی یافتہ ممالک یا غیر ترقی

یافتہ ممالک فائدہ لیں خواہ نہ لیں، ہم اس کاروبار سے فائدہ نہیں لے سکتے۔ کیونکہ کتاب و سُنّت نے اس کاروبار کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ خمر و خنزیر کی تجارت سے کوئی ترقی یافتہ یا غیر ترقی یافتہ ملک فائدہ لے یا نہ لے، ہم خمر و خنزیر کی تجارت والا کاروبار نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ کتاب و سُنّت نے اس کاروبار کو حرام قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم (مجلّۃ الدعوۃ مارچ ۱۹۹۷ء)

کیا سود صرف پیسے کے لین دین میں ہوتا ہے؟

محترمی و مکرمی جناب حافظ عبدالمنان صاحب

السلام علیکم مزاج بخیر!

آپ کا مضمون نما مکمل اور مدلل جواب مارچ ۹۷ء کے مجلّہ میں پڑھا جو کہ اسٹیٹ لائف انشورنش کمپنی کے بارے میں تھا۔ آج سے کوئی سات آٹھ سال قبل میں بھی اسی طرح کے دلائل اور کئی ایک مولانا کے بیانات سے بھرا ہوا کتابچہ پڑھ کر اور متاثر ہو کر بیمہ کرا کر پھنس گیا تھا مگر گزشتہ سال ۱۹۹۶ء کے مجلّہ میں سوال و جواب کے کالم میں بیمہ کے بارے میں جواب ملا۔ پھر اس کے بعد میں نے اس کمپنی کو چھوڑ دیا اور الحمد للہ کافی سے زیادہ مطمئن ہوں۔ ایک اسی نوعیت کے مسئلہ کے حل کے بارے میں آپ کو زحمت دینی تھی، میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اسی طرح کا مکمل جواب عنایت فرما کر مزید مشکور ہونے کا موقع دیں گے۔

① ہمارے علاقہ کے آڑھتی صاحب اور بڑے زمیندار لوگ چھوٹے اور غریب کسانوں کو کھاد اور زرعی ادویات فصل کے قرضہ پر دیتے ہیں۔ ان کا طریقہ کار کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ مثلاً اگر ایک گٹو کھاد کا نقد روپے دے کر خریدا جائے تو اس کے وہ ۳۰۰ روپے وصول کریں گے اور اگر ادھار یعنی موجودہ فصل کاٹ کر آپ کو رقم لوٹا دیں جو کہ پانچ چھ ماہ کا عرصہ ہوتا ہے تو

وہ اس کسان کے کھاتہ میں ۳۵۰ روپے وصول کرتے ہیں۔ اسی طرح زرعی ادویہ کا ہے کہ اگر ایک لٹر کی دوا پر ۵۰۰ روپے نقد ہے تو ادھار میں وہی دوا ۶۵۰ روپے کی ملتی ہے۔ آپ سے پوچھنا یہ تھا کہ آیا یہ جو اضافی رقم ادھار کے ساتھ وصول کرتے ہیں' کیا یہ مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر (سود) میں شامل نہیں ہو جاتی۔ جب کہ ان سے بحث کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ سود پیسے کے لین دین میں ہوتا ہے۔ اس میں ایک طرف جنس ہے اور دوسری طرف روپے۔ اس کی مثال وہ ایک پلاٹ کی دیتے ہیں کہ آپ نے ایک پلاٹ لاکھ روپے میں خریدا۔ ایک سال بعد آپ کا وہی پلاٹ سوا لاکھ میں فروخت ہوتا ہے۔ آیا وہ اوپر والی رقم سود ہو گی۔ جو یقیناً نہیں ہے۔ اس طرح وہ اس کو کاروباری منافع سمجھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔ ہم نے امام مسجد صاحب سے معلوم کیا تو انہوں نے اس کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ زیادتی منافع ہے۔ سود نہیں ہے۔ اسلام میں بیع جائز ہے نہ کہ سود۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس معاملہ میں میری ضرور راہنمائی فرمائیں۔

(۲) قسطوں والے کاروبار کی اسلام میں کیا نوعیت ہے۔ وہ بھی اس طرح ایک ۱۰۰۰ ہزار کی قسط وار کچھ عرصہ بعد چودہ سو ۱۴۰۰ تک وصول کر لیتے ہیں۔

(بشیر رزاق' کچا کھوہ خانیوال)

ج از عبدالمنان نور پوری بطرف جناب بشیر عبدالرزاق صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب موصول ہوا جس میں دو سوال اور دو شبہے مذکور ہیں۔ ان دونوں سوالوں کا جواب مجلّہ "الدعوۃ ۷/۶ مورخہ ۱۴۱۷ھ میں حافظ عبدالسلام صاحب بھٹوی حفظہ اللہ تبارک و تعالیٰ دے چکے ہیں۔ چنانچہ وہ مذکورہ بالا شمارہ کے ص ۲۲ پر لکھتے ہیں :

"رسول اللہ ﷺ نے خرید و فروخت کی وہ سب صورتیں حرام فرما دی ہیں۔ جن میں سود کی آمیزش ہے۔ ان میں سے ایک صورت وہ ہے جو ترمذی کی صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ :

((نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ))

"نبی ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا"۔

اس کی تشریح اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نقد لو تو اتنی قیمت ہے اور اگر ادھار لو تو اور قیمت ہے۔ مثلاً نقد دس روپے کی ہے اور ادھار پندرہ روپے کی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے مگر اس کے منع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کا تعین نہیں کیا گیا کہ وہ نقد لے گا یا ادھار۔ اگر پہلے طے کر لے کہ میں تمہیں نقد دوں گا یا ادھار دوں گا تو جائز ہے۔ اصل سبب ایک قیمت کا معلوم اور متعین نہ ہونا ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ نقد لینا ہے' اسے دس روپے میں دے تو ٹھیک ہے یا طے ہو جائے کہ ادھار لینا ہے اور پندرہ روپے میں دے تب بھی ٹھیک ہے۔ یہ رائے کئی جید علماء بھی دیتے ہیں۔ انہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ قسطوں پر زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کرنے کو بھی انہوں نے جائز قرار دیا ہے۔ مثلاً ایک چیز نقد لاکھ روپے کی اور قسطوں پر سوا لاکھ بشرطیکہ پہلے طے ہو جائے نقد لینی ہے یا ادھار لینی ہے۔

میرے بھائیو! جہاں تک میں نے احادیث کا مطالعہ کیا ہے اور پڑھا ہے' ان علماء کی بات درست نہیں چونکہ ابوداؤد شریف میں یہی حدیث تفصیل کے ساتھ آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهٗ اَوْ كَسُهُمَا اَوِ الرِّبَا))

"جو شخص ایک بیع میں دو بیع کرتا ہے یا تو کم قیمت لے یا پھر وہ سود ہو گا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس بیع کی حرمت کا اصل سبب سود ہے۔ قیمت کا غیر متعین ہونا نہیں ہے۔ آپ غور کریں اور دانائی سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ کسی شخص کو اگر آج قیمت ملے تو دس روپے کی چیز دیتا ہے اور ایک ماہ بعد قیمت ملتی ہے تو وہ پندرہ روپے کی دیتا ہے۔ وہ پانچ روپے زائد کس چیز کے لے رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے اس نے وہ پانچ روپے مدت کے عوض لئے ہیں اور یہی سود ہے۔ (حافظ عبدالسلام بھٹوی صاحب کا کلام ختم ہوا)

رہے دو شبہے تو ان میں سے پہلا شبہ ہے کہ:

① سود پیسے کے لین دین میں ہوتا جبکہ اس میں ایک طرف جنس ہے اور دوسری طرف روپے۔ یہ شبہ بالکل بے بنیاد ہے' کیونکہ سود پیسے کے لین دین میں بھی ہوتا ہے' جنس کے لین دین میں بھی اور جنس و پیسے کے لین دین میں بھی۔ قرآنِ مجید کی کسی آیت اور رسول اللہ کی کسی حدیث میں یہ بات نہیں آئی کہ سود صرف پیسے کے لین دین میں ہوتا ہے۔ جنس کے لین دین اور جنس و پیسے کے لین دین میں سود نہیں ہوتا۔ بلکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ))

"گندم گندم کے بدلے سود ہے مگر برابر برابر نقد بنقد' جو جو کے بدلے سود ہے مگر برابر برابر نقد بنقد' کھجور کھجور کے بدلے سود ہے مگر برابر برابر نقد بنقد۔"

تو آپؐ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ جنس کے لین دین میں بھی سود ہوتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا پہلے مذکور فرمان کہ "جس نے ایک بیع میں دو بیعیں کیں تو اس کے لیے ان دونوں میں سے کم ہے یا "سود"۔ اس امر کی دلیل ہے کہ

پیسے اور جنس کے لین دین میں بھی سود ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں نہ تو پیسے کی تخصیص فرمائی ہے اور نہ ہی جنس کی تو آپ کا یہ فرمان تینوں صورتوں کو شامل ہے۔ اور دوسرا شبہ ہے۔

② "آپ نے ایک پلاٹ لاکھ روپے میں خریدا۔ ایک سال بعد آپ کا وہی پلاٹ سوا لاکھ میں فروخت ہوتا ہے۔ آیا وہ اوپر والی رقم کیا سود ہو گی؟ جو یقیناً نہیں ہے۔ اسی طرح وہ اس کو کاروباری منافع سمجھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں"۔

اس شبہ میں ایک سال بعد والی بات بالکل بے معنی ہے کیونکہ بسا اوقات آدمی ایک پلاٹ لاکھ میں خریدتا ہے اور خرید لینے کے فوراً بعد اس کو اسی پلاٹ کا سوا لاکھ دینے والے موجود ہوتے ہیں۔ دراصل یہ شبہ وہی ہے جس کا قرآنِ مجید نے رد کر دیا ہے۔

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ [البقرة ٢ : ٢٧٥]

"یہ (عذاب ان کو) اس وجہ سے ہو گا کہ وہ کہتے تھے کسی چیز کا بیچنا بھی سود کی طرح ہے اور اللہ نے بیچنے کو درست کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے"۔ (اشرف الحواشی)

رہی کاروباری منافع والی بات تو معلوم ہونا چاہئے کہ ہر کاروباری نفع شریعت میں جائز نہیں کیونکہ سود بھی کاروباری نفع ہے مگر شریعت نے اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے تو پلاٹ لاکھ میں خرید کر اسی وقت یا سال بعد سوا لاکھ میں بیچنا سود نہیں۔ جس طرح کوئی چیز دس روپے میں خرید کر اسی وقت یا سال بعد بارہ روپے میں فروخت کرنا سود نہیں بلکہ یہ حلال اور جائز بیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ ﴾ جب کہ ادھار کی وجہ سے زائد قیمت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهٗ اَوْكَسُهُمَا اَوِ الرِّبَا)) میں سود قرار دیا ہے۔ اس

لیے یہ نفع محض اس لیے کہ کاروباری ہے' جائز نہیں ہو گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق سود کے زمرہ میں آتا ہے تو سود والے حرام نفع کو حلال بیع سے حاصل شدہ حلال نفع پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اس کی مثال ایسے سمجھیں جیسے کوئی خمر و شراب کی تجارت یا خنزیر کی تجارت سے حاصل شدہ نفع کو شربت بزوری' شربت بنفشہ یا گائے بیل کی تجارت سے حاصل شدہ نفع پر قیاس کرنا شروع کر دے تو جس طرح یہ قیاس درست نہیں' بالکل اسی طرح پہلا ادھار زائد قیمت اور پلاٹ والا قیاس بھی درست نہیں۔ فرق صرف بیع میں ہے۔

مزید وضاحت کے لیے دیکھیے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ انسان کا اپنے باپ کی بیٹی کے ساتھ نکاح جائز ہے کیونکہ اس کا اپنے چچا کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ آخر دونوں عورتیں ہی تو ہیں تو یہ قیاس درست نہیں ہو گا۔ کیونکہ باپ کی بیٹی کے ساتھ نکاح شریعت میں حرام ہے۔ بالکل اسی طرح سود بھی کاروباری نفع ہے مگر سود والا نفع حرام اور حلال تجارت سے حاصل شدہ نفع حلال ہے اور حرام کو حلال پر قیاس کر کے حرام کو حلال نہیں بنایا جا سکتا۔ واللہ اعلم

تمام احباب و اخوان کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش فرما دیں۔ بشیر رزاق کی بجائے عبدالرزق لکھا' لکھوایا اور کہلوایا کریں۔

والسلام

(مجلّہ الدعوۃ جون ۱۹۹۷ء)

فوٹو گرافی کا پیشہ

سوال ① گزارش ہے کہ میں فوٹو گرافی کرتا ہوں۔ قرآن و سنّت کی روشنی میں بتائیں کہ یہ کتنا بڑا جرم ہے یا ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں جس آدمی کی فوٹو بنائی جاتی ہے' وہ بھی اس جرم میں برابر کا شریک ہے یا نہیں۔ کیونکہ اکثر علماء

اہلحدیث' دیوبندی اور بریلوی کے فوٹو بنانے کا بھی موقع ملتا ہے۔ جیسا کہ رشوت دینے اور لینے والا' قتل کرنے اور قتل ہونے والا دونوں جہنمی ہیں۔ اگر میں مجرم بنوں تو یہ پیشہ ترک کر دوں گا۔ (سید منظور اللہ شاہ' سوکیں کھرل حافظ آباد)

(۲) مصوری کے ذریعے روزی کمانا حلال ہے یا حرام؟ آج کل تصویر زندگی کا اہم حصّہ بن چکی ہے جس کے بغیر کام نہیں چلتا مثلاً شناختی کارڈ' پاسپورٹ وغیرہ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ جو تصاویر فالتو قسم کی بنوائی جاتی ہیں۔ مثلاً شادی بیاہ' منگنی' سیر و تفریح' سکول و کالج کے کسی پروگرام پر' ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔ (جعفر ممتاز ندیم' ہیلاں منڈی بہاؤ الدین)

ج: تصویر سازی قرآن و سُنّت کے قطعی دلائل کی رُو سے بالکل حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ دورِ حاضر میں تصویر سازی کی لعنت اس قدر عام ہو چکی ہے کہ اسمبلی سے لے کر ایک کچی جھونپڑی تک ہمارے ملک کے در و دیوار تصاویر سے اَٹے ہوئے نظر آتے ہیں اور جابجا تصاویر کو آویزاں کر کے اللہ کی رحمت سے دُوری اور لعنت کو حاصل کیا جا رہا ہے اور یہ وبا اس قدر پھیل چکی ہے کہ اس نے اپنی لپیٹ میں ہر خاص و عام کو لے لیا ہے اور ہمارے ہاں یہ مرض اس قدر پھیل چکا ہے کہ جب کوئی گناہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے تو اس گناہ و برائی کو برائی کہنا ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بہرصورت کوئی گناہ کتنا ہی عام ہو جائے۔ اس سے شرعی حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ زبانِ نبوت سے صادر ہونے والا ایک ایک حکم اپنی جگہ پر انمٹ اور قائم و دائم ہے۔ سابقہ اقوامِ عالم میں کفر و شرک کی گمراہی انہی تصاویر کی بناء پر قائم ہوئی تھی۔ شیطان نے انہیں ورغلا کر تصویر سازی کی لعنت میں گرفتار کر دیا۔ ہادیٔ برحق' امامِ اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اُولٰئِكَ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ))

[متفق علیہ مشکوۃ مع تنقیح ۲۵۵/۳ باب التصاویر]

"ان اہل کتاب میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے پھر اس میں یہ تصویریں رکھتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ ہیں"۔

شارحِ بخاری نواب صدیق الحسن خان رحمہ اللہ اپنی کتاب "الدین الخالص" میں فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَشِعِ الشِّرْكُ فِي الْأُمَمِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِيهِمْ إِلَّا مِنْ بَابِ التَّصْوِيرِ [تنقیح ۲۵۲/۳]

"اُمتوں میں شرک کا پھیلاؤ اور داخلہ تصویر کی جانب سے ہوا"۔

اسی طرح شارح بخاری حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ راقم ہیں:

وَكَانَ غَالِبُ كُفْرِ الْأُمَمِ مِنْ جِهَةِ الصُّوَرِ [فتح الباری ۱۷/۸]

"اکثر امتوں میں کفر کی بیماری تصویروں کے ذریعے داخل ہوئی"۔

موجودہ دور میں جبکہ فحاشی، عریانی، بے حیائی و بے پردگی کا سیل رواں تمام حدود پھلانگ چکا ہے، ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ سارا فتنہ تصاویر کا شاخسانہ ہے اور یہ پورا سیلاب وی سی آر، ٹی وی، گندے اخبارات و رسائل کے ذریعے عروج پکڑ رہا ہے۔ تصویر کی حرمت پر دلائل بے شمار ہیں چند ایک درج کئے جاتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُضَاهِئُونَ بِخَلْقِ اللّٰهِ))

[متفق علیہ]

"قیامت والے دن سخت ترین عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق میں نقل اتارتے ہیں"۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْشُعِيْرَةً)) [متفق عليه]

"اس سے بڑا ظالم کون ہے جو عمل تخلیق میں میرا مقابلہ کرے۔ انہیں چاہیے کہ ایک چیونٹی یا ایک گندم یا جو کا ایک دانہ پیدا کر کے دکھائیں"۔

صاحب تنقیح الرواۃ رقم طراز ہیں کہ:

وَفِيهِ حُرْمَةُ التَّصْوِيْرِ وَإِنَّهُ مِنْ أَعْظَمِ الْمَعَاصِيْ وَالْمَنَاهِي لِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِالْخَالِقِ [۲۵۳/۳]

"اس حدیث میں تصویر کی حرمت پر دلیل ہے اور یقیناً یہ سب سے بڑے گناہوں اور منع کردہ اشیاء میں سے ہے اس لیے کہ اس میں خالق کے ساتھ مشابہت ہے"۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے گھر کے ایک طاقچے میں ایسا پردہ لٹکا دیا جس میں تصویریں تھیں تو نبی ؐ نے اسے پھاڑ دیا۔ میں نے اس کے تکیے بنا دیے آپ گھر میں ان پر بیٹھا کرتے تھے"۔ (متفق علیہ)

نواب صدیق الحسن خان رحمہ اللہ کی کتاب الدین الخالص ۶۵۱/۲ طبع ہند ۱۳۱۲ھ میں ہے کہ:

وَعِيْدٌ لِمَنِ اسْتَعْمَلَهُ فَمَنْ صَنَعَ التَّصْوِيْرَ فَقَدْ تَشَبَّهَ بِالْخَالِقِ فِيْ أَمْرٍ لَيْسَ لِغَيْرِهِ وَمَنِ اسْتَعْمَلَهُ فَكَأَنَّمَا رَضِيَ بِفِعْلِ الْمُصَوِّرِ وَالْحَدِيْثُ وَإِنْ وَرَدَ فِي النَّمْرُقَهِ لٰكِنَّهُ يَشْمَلُ كُلَّ شَيْءٍ فِيْهِ تَصْوِيْرٌ سَوَاءٌ كَانَ مِنْ جِنْسِ الثِّيَابِ وَالْوَسَائِدِ وَالْمَرَافِقِ أَوْمِنْ جِنْسِ الْأَوَانِيْ أَوِ السَّلَاحِ أَوِ الْكُتُبِ وَسَوَاءٌ صَنَعَهُ بِعَمَلِ الْيَدِ أَوْ بِذَرِيْعَةِ آلَةٍ لَهُ لِصِدْقِ إِطْلَاقِ التَّصْوِيْرِ عَلٰى مَا حَصَلَ

بِاَعْمَالِ الْاٰلَاتِ فَحُكْمُهٗ حُكْمُ التَّصْوِيْرِ وَاسْتِعْمَالُهٗ إِسْتِعْمَالِ التَّصْوِيْرِ [بحواله تنقيح الرواة ۳/ ۲۵۳]

"اس حدیث میں تصویر کو استعمال کرنے والے کے لیے وعید ہے۔ جس نے تصویر بنائی' اس نے خالق کے ساتھ اس کام میں مشابہت کی جو اس کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں اور جس شخص نے (مصور کی بنائی ہوئی) تصویر کو استعمال کیا گویا کہ وہ مصور کے فعل سے راضی ہے اور حدیث اگرچہ تکیہ کے متعلق وارد ہوئی ہے لیکن یہ ہر اس چیز کو شامل ہے جس میں تصویر ہے خواہ وہ کپڑا' گاؤ تکیئے' کہنی کے نیچے سہارا دینے والی اشیاء سے ہو یا برتن' اسلحہ یا کتابوں کی جنس سے ہو۔ خواہ اس نے تصویر کو ہاتھ سے بنایا ہو یا کسی آلہ (کیمرہ وغیرہ) سے۔ اس لیے کہ آلات کے عمل کے ذریعے حاصل ہونے والی شکل پر بھی تصویر کا اطلاق درست بیٹھتا ہے۔ اس کا حکم تصویر کا حکم ہو گا اور اس کا استعمال تصویر کے استعمال کی طرح ہی ہو گا"۔

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ تصویر بنانے والے خواہ وہ تصویر ہاتھ سے بنائیں یا آلے کے ذریعے' اس کو استعمال کرنے والے دونوں قسم کے افراد اس وعید کے مستحق ہیں جو حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ :

((وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ أَنْ يَّنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ)) [بخاری]

"جس شخص نے کوئی تصویر بنائی' اسے عذاب دیا جائے گا اور اس بات کا مکلف ٹھہرایا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے اور وہ پھونکنے والا نہیں ہو گا"۔

سیدنا ابو طلحہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيرُ)) [متفق علیہ]

"جس گھر میں کتا اور تصویریں ہوں اس میں (رحمت کے فرشتے) داخل نہیں ہوتے"۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت غم کی بنا پر خاموشی سے صبح کی اور فرمایا رات میرے پاس جبرائیل امین علیہ السلام نے آنے کا وعدہ کیا تھا' وہ نہیں آئے۔ اللہ کی قسم! اس نے مجھ سے کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ پھر آپ کے دِل میں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ رات کو جبرئیل میرے پاس اس لیے نہیں آئے کہ میری چارپائی کے نیچے کتے کا بچّہ تھا۔ آپؐ نے اس کے نکال دینے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے ہاتھ میں پانی لیا اور اس جگہ پر چھڑک دیا۔ جب شام کو جبرئیل آپؐ سے ملے' آپؐ نے نہ آنے کی وجہ پوچھی تو جبرئیل نے کہا ((لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ)) جس گھر میں کتا یا تصویر ہو' ہم وہاں داخل نہیں ہوتے۔ (مسلم)

سیّدنا وہب السوائی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((لَعَنَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ))

[بخاری باب من لعن المصور]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والا اور سود کھلانے والا' جسم گودنے والی اور جسم گدوانے والی اور تصویر بنانے والے پر لعنت کی ہے"۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات عیاں ہو گئی ہے کہ تصویر بنانے والے افراد قیامت کے روز سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے اور ان تصویروں میں رُوح پھونکنے کے لیے انہیں کہا جائے گا لیکن وہ ان میں رُوح نہیں پھونک سکیں گے۔ تصویر بنانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفت خلق میں مشابہت ہے اور اس فعل پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے جس پر بنا پر یہ گناہ کبیرہ ہے یہ وعید ہر قسم کی تصویر کے متعلق ہے خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی' کپڑا' کاغذ' در و دیوار یا نوٹوں اور کتابوں پر چھاپی

جائے' خواہ ہاتھ سے بنائی جائے یا آلات کے ذریعے۔ ہمیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے اور اس طرح وہ آدمی جو ایسی تصویر بنواتا ہے' وہ چونکہ اس فعل پر راضی ہے' اس کی رضامندی کی بنا پر وہ بھی ان دعیدوں کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

امام ابن الحاج "المدخل ۱/۲۷۳" میں رقم طراز ہیں کہ :

"تصویر بنانے والا اور اور اس کے اس فعل پر راضی ہونے والا اور اس فعل کو دیکھ کر اس پر طاقت رکھنے کے باوجود منع نہ کرنے والا سب اس گناہ میں شریک ہیں"۔

البتہ بے جان اشیاء کی تصاویر جیسے قدرتی مناظر وغیرہ کی شرع میں اجازت ہے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

فَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوحَ فِيهِ

[متفق عليه].

"اگر تصویر بنانی ہی ہو تو درخت اور جس چیز میں رُوح نہیں' اس کو بناؤ"۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

قَالَ أَصْحَابُنَا وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ تَصْوِيرُ صُوْرَةِ الْحَيَوَانِ حَرَامٌ شَدِيْدُ التَّحْرِيْمِ وَهُوَ مِنَ الْكَبَائِرِ لِأَنَّهُ مُتَوَعَّدٌ عَلَيْهِ بِهٰذَا الْوَعِيْدِ الشَّدِيْدِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْأَحَادِيْثِ وَسَوَاءٌ صَنَعَهُ بِمَا يُمْتَهَنُ أَوْ بِغَيْرِهِ فَصَنْعَتُهُ حَرَامٌ بِكُلِّ حَالٍ لِأَنَّ فِيهِ مُضَاهَاةً لِخَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسَوَاءٌ مَا كَانَ فِيْ ثَوْبٍ أَوْ بِسَاطٍ أَوْ دِرْهَمٍ أَوْ دِيْنَارٍ أَوْ فَلْسٍ أَوْ إِنَاءٍ أَوْ حَائِطٍ أَوْ غَيْرِهِ وَأَمَّا تَصْوِيْرُ صُوْرَةِ الشَّجَرِ وَرِحَالِ الْإِبِلِ وَغَيْرِهِ ذٰلِكَ مِمَّا لَيْسَ فِيهِ صُوْرَةُ حَيَوَانٍ فَلَيْسَ بِحَرَامٍ

"ہمارے علماء اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اس لیے کہ اس پر بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے جو احادیث میں مذکور ہے اور وہ تصویر خواہ ذلیل کرنے کے لیے بنائی گئی ہو یا کسی دوسری غرض کے لیے اس کا بنانا ہر حال میں حرام ہے اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کے ساتھ مقابلہ ہے اور یہ تصویر خواہ کپڑے پر بنائی جائے یا بچھونے پر' درہم' دینار' پیسہ' برتن' دیوار یا کسی اور چیز پر۔ البتہ درخت اور دیگر بے جان اشیاء کی تصویر بنانا حرام نہیں"۔

اس کے دو سطروں کے بعد مزید فرماتے ہیں:

وَلَا فَرْقَ فِي هٰذَا كُلِّهِ بَيْنَ مَالَهُ ظِلٌّ وَمَا لَا ظِلَّ لَهُ... وَقَالَ بَعْضُ السَّلَفِ إِنَّمَا يُنْهٰى عَمَّا كَانَ لَهُ ظِلٌّ وَلَا بَأْسَ بِالصُّوْرَةِ الَّتِيْ لَيْسَ لَهَا ظِلٌّ وَهٰذَا مَذْهَبٌ بَاطِلٌ فَإِنَّ السِّتْرَ الَّذِيْ أَنْكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّوْرَةَ فِيْهِ لَا شَكَّ إِنَّهُ مَذْمُوْمٌ وَلَيْسَ لِصُوْرَتِهِ ظِلٌّ مَعَ بَاقِي الْأَحَادِيْثِ الْمُطْلَقَةِ فِي كُلِّ سُوْرَةٍ

[شرح مسلم نووی ۱۹۹/۲]

"ان تمام احکامات میں سایہ دار تصویر (جسم والی) یا بے سایہ (صرف نقش) میں کوئی فرق نہیں (یعنی دونوں حرام ہیں) اسلاف میں سے بعض نے کہا کہ سایہ دار (ذی جسم) تصویر سے منع کیا جائے گا اور بے سایہ (نقش والی) میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ مذہب باطل ہے اس لیے کہ جس پردہ کی تصویر پر نبی مکرم ﷺ نے نکیر فرمائی یقیناً وہ تصویر مذموم تھی حالانکہ وہ تصویر بے سایہ (بغیر نقش والی) تھی اور وہ احادیث جن میں مطلق تصویر کی ممانعت ہے وہ بھی اس کو شامل ہیں"۔

امام نووی رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ جس طرح سایہ دار یعنی جسم

والی مورتیاں وغیرہ منع ہیں' اسی طرح جسم کے بغیر جو کپڑے میں منقش کی جاتی ہیں جس طرح دورِ حاضر میں پرنٹنگ کے ذریعے تصاویر بنائی جاتی ہیں' یہ بھی بالکل منع اور حرام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو پردہ پر بنی ہوئی تصاویر سے منع فرمایا تھا' ظاہر ہے کہ پردہ میں تصویر منقش کی جاتی ہے' اس لیے یہ عذر قابل سماعت نہیں کہ ہاتھ سے تصویر کا حکم الگ ہے اور آلات کے ذریعے جو تصاویر بنائی جاتی ہیں ان کا حکم الگ ہے حالانکہ آلات (یعنی کیمرہ جات' پرنٹنگ مشین وغیرہ) کے ذریعے جو تصاویر بنائی جاتی ہیں' وہ ہاتھ والی تصاویر سے کہیں زیادہ عمدہ اور نفیس ہوتی ہیں۔ پھر اس موجودہ تصویر کو عکس' آئینہ یا پانی پر قیاس کرنا بھی درست نہیں کیونکہ اس بات سے کوئی کوری عقل والا بھی انکار نہیں کر سکتا کہ تصویر و عکس دو متضاد چیزیں ہیں۔ تصویر کسی چیز کا پائیدار اور محفوظ نقش ہوتا ہے جبکہ عکس ناپائیدار اور غیر محفوظ وقتی نقش ہوتا ہے اور اصل کے غائب ہوتے ہی اس کا عکس بھی غائب ہو جاتا ہے۔

یاد رہے کہ وڈیو کے ذریعے بنائی گئی تصویر کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ویڈیو کیسٹ کے فیتے پر تصویر محفوظ ہوتی ہے جب جی چاہے اسے ٹی وی کی سکرین پر دیکھا جا سکتا ہے یہ تصویر اصل کے تابع نہیں یعنی عکس کی طرح اصل کے غائب ہونے سے یہ غائب نہیں ہوتی بلکہ محفوظ و پائیدار ہوتی ہے اس لئے عکس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بہت سے ایسے افراد ہیں جو اس دنیائے فانی سے رحلت کر گئے لیکن ان کی متحرک صورتیں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں۔ صرف اتنی سی بات پر کہ ویڈیو کے فیتے میں ہمیں تصویر نظر نہیں آتی۔ تصویر کے وجود کا انکار صرف دھوکہ اور مغالطہ ہے اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ ویڈیو کے فیتے میں تصویر محفوظ نہیں بلکہ معدوم ہے اور ویڈیو کیسٹ میں محفوظ نقش ٹی وی اسکرین پر جا کر تصویر بنا دیتے ہیں تو اس بے فائدہ تقریر سے کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ

تصویر محفوظ ماننے کی تقدیر پر ٹی وی صرف تصویر دکھانے کا ایک آلہ تھا- اب وہ تصویر بنانے کا آلہ بھی قرار پائے گا اور اصل شرعی حکم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا-

مختصر یہ کہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سائنس کی ترقی نے تصویر سازی میں جدت پیدا کر دی ہے- یعنی ایک انوکھا طریقہ ایجاد کر دیا ہے- بہرکیف تصویر بہر صورت حرام ہے' گناہِ کبیرہ ہے' خواہ تصویر کسی عالم کی ہو یا جاہل کی' جسم دار ہو یا منقش' میری تصویر ہو یا آپ کی- شرعی لحاظ سے بالکل ناجائز و حرام ہے اور جب چیز شرعاً حرام ہو' اس کا کاروبار کرنا' خرید و فروخت کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ اسلام میں شراب حرام ہے تو اس شراب کو بیچ کر قیمت لینا بھی حرام ہے- اسی طرح تصویر سازی کر کے قیمت لینا بھی بالکل حرام ہے-

دورِ حاضر میں جبکہ حکومت بالکل اسلام سے عاری ہے اور ملک میں رہنے والے افراد پر یہ پابندی عائد ہے کہ وہ اپنا شناختی کارڈ بنوائیں اور تمام اداروں میں کام کرنے کے لیے شناختی کارڈ وغیرہ کے بغیر حکومت کوئی بات نہیں سنتی تو ایسے عالم میں اتنی تصویر بنانا جس کی ضرورت ہے' اس طرح جائز ہے' جس طرح موت کی کشمکش میں مبتلا انسان کو مردار وغیرہ کھانے کی اجازت ہے- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [بقرہ : ۱۷۳]

"تم پر صرف مردار' خون' خنزیر کا گوشت اور وہ اشیاء جو غیر اللہ کے لیے مشتہر کر دی جائیں' حرام کر دی گئی ہیں جو شخص مجبور کر دیا جائے اور وہ بغاوت کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو اس پر (ان کے استعمال میں) گناہ نہیں- بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے"-

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حرام اشیاء کو مضطر و مجبور آدمی اتنا استعمال کر سکتا ہے جس سے اس کا اضطرار دور ہو جائے۔ لہٰذا جب تک ہمارے اوپر یہ ناجائز پابندی عائد ہے، اس وقت تک ہم اتنی تصویر بنا سکتے ہیں جس کی ضرورت ہے۔ اس سے زیادہ نہیں اور اس کا گناہ ناجائز پابندی لگانے والوں پر ہو گا۔ ان شاء اللہ اور ایسی تصاویر جو اس ضرورت سے زائد ہیں جیسا کہ شادی بیاہ، سیر و تفریح اور دیگر مقامات پر بنائی جاتی ہیں، کسی صورت بھی جائز نہیں۔ لہٰذا ہمیں اس فعل حرام سے اپنی استطاعت کے مطابق مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ (مجلۃ الدعوۃ فروری ۱۹۹۷ء)

قیمتوں کو کنٹرول کرنا

س کیا مارکیٹ میں اشیاء کی قیمتوں کا تعین کر دینا اسلام کی رُو سے درست ہے؟ جیسا کہ آج کل بازاروں میں گورنمنٹ کی طرف سے اشیاء کی قیمتیں متعین کر کے دُکانوں پر نصب کر دی جاتی ہیں۔ قرآن و سُنّت کی رو سے اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے۔ (عبداللہ، اسلام آباد)

ج بازار سے ضرورت کی اشیاء کے غائب اور مہنگا ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ حکومت بعض اشیاء پر کنٹرول (Monoply) حاصل کر لیتی ہے اور ضرورت کے مطابق عوام الناس کو مہیا نہیں کر سکتی جس کے نتیجے میں بلیک مارکیٹنگ ہوتی ہے۔ حالانکہ بازار سے کوئی چیز بھی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ خفیہ طریقے سے مہنگے داموں فروخت ہوتی ہے۔ قیمتوں کو کنٹرول کرنے سے نقصانات زیادہ ہو جاتے ہیں اور عوام الناس ضرورت کی اشیاء کو آسانی سے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ نبی مکرم ﷺ کے مبارک دور میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں اشیاء کے نرخ بڑھ گئے جس پر لوگوں نے آپؐ سے آکر شکایت کی جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

غَلاَ السِّعْرُ فِي الْمَدِيْنَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ النَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! غَلاَ السِّعْرُ فَسَعِّرْ لَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَإِنِّيْ أَرْجُوا أَنْ أَلْقَى اللّٰهَ تَعَالٰى وَلَيْسَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ يَطْلُبُنِيْ بِمَظْلَمَةٍ فِيْ دَمٍ وَلاَ مَالٍ

[ابو داؤد ۲۷۲/۳ (۳۴۵۱) ترمذی ۶۰۵/۳، ۶۰۶، ابن ماجه ۷۴۱/۲ (۲۲۰۰) مسند احمد ۱۵۶/۳، ۲۸۶، مسند ابی یعلٰی ۱۶۰/۵، ۲۴۵ بیهقی ۲۹/۶ دارمی ۲۴۹/۲ طبرانی کبیر (۷۶۱)]

"نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ میں چیزوں کے نرخ بڑھ گئے۔ لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول! نرخ بہت بڑھنے لگے ہیں۔ آپ ہمارے لئے قیمتوں پر کنٹرول کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالٰی ہی نرخ مقرر کرنے والا، وہی مہنگا کرنے والا، وہی سستا کرنے والا اور وہی رزق عطا کرنے والا ہے۔ میں اس بات کا امیدوار ہوں کہ میں اللہ تعالٰی کو اس حال میں ملوں کہ کوئی شخص مجھ سے خون یا مال میں ظلم کی بناء پر مطالبہ کرنے والا نہ ہو"۔

اس حدیث کے آخری الفاظ قابل توجہ ہیں آپ نے فرمایا: میں اس بات کا امیدوار ہوں کہ اللہ تعالٰی سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر کسی کا خونی یا مالی حق نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیمتوں پر کنٹرول کرنا گاہک یا دُکاندار کسی نہ کسی پر ظلم ہے۔ جس کی ذمہ داری قبول کرنے پر آپ آمادہ نہ تھے۔

حکومت جو اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول حاصل کرتی ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ حکومت اعلان کر دیتی ہے کہ فلاں فلاں اشیاء کی قیمت یہ ہے۔ اس سے زیادہ قیمت پر یہ اشیاء فروخت نہیں کی جا سکتیں۔ اس لیے حکومت کی جانب سے اشیاء کی قیمتیں مقرر کر کے باقاعدہ دکانوں پر آویزاں کر دی جاتی ہیں تاکہ

دکاندار اس سے زیادہ قیمت وصول نہ کر سکے۔ اور اس بات کی چیکنگ کے لیے گاہے بگاہے حکومت چھاپے بھی مارتی ہے۔ لیکن اس کی خرابی یہ ہوتی ہے کہ دکاندار اس ریٹ پر ردی اور بے کار اشیاء فروخت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اگر کوئی خریدار خالص اور عمدہ چیز کا طلبگار ہو تو اس سے علیحدہ ریٹ طے کر لیتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی حکومتی آدمی آکر دکاندار سے اس مقررہ ریٹ پر چیز طلب کرے تو دکاندار اسے خالص چیز مہیا کرتا ہے تاکہ کہیں وہ پکڑا نہ جائے اور جرمانہ یا سزا سے بچ سکے۔ اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ دکاندار اپنی کمیٹی کے افراد کے ذریعے یا کسی اور واسطے سے حکومتی عملہ کو رشوت دے کر اپنی مرضی کے ریٹ لگوا کر اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ ان ہر دو صورتوں میں دکاندار جھوٹ' رشوت اور بددیانتی پر مبنی حرکات رذیلہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور گاہکوں کو ناخالص' ردی' بے کار اور گھٹیا اشیا فروخت کرتے ہیں۔

ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ حکومت جس چیز پر کنٹرول کرتی ہے' ملک کے مختلف حصوں میں اس کے ڈپو مقرر کر دیتی ہے تاکہ ان ڈپوؤں سے وہ چیز مقررہ ریٹ پر حاصل کی جا سکے اس کے اندر بھی کئی ایک بددیانتیاں جنم لیتی ہیں بلکہ ڈپو ہولڈرز خود کئی بددیانتیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ اپنے واقف کار اور اعزہ و اقارب وغیرہ کو اشیاء فراہم کرتے ہیں اور دیگر بہت سے افراد کو محروم رکھتے ہیں۔ بلکہ بہت سے افراد اس طرح کے ڈپوؤں پر ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ عورتیں اور بچے سارا سارا دن لائنوں میں لگے ذلت و خواری کو اپنا مقدر بنا رہے ہوتے ہیں اور اکثر ڈپو ہولڈرز ایسے افراد سے رشوت وصول کر کے اشیاء دیتے ہیں یا کوئی فرد کارڈ پر اپنا حصہ حاصل نہ کر سکے تو یہ لوگ ایسی اشیاء کو بچا کر بازار میں مختلف دکانداروں کو بلیک کرتے ہیں۔ اس طرح چور بازاری کا نیا دروازہ کھل جاتا ہے۔ بہرکیف اس طرح کی کئی ایک خرابیاں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں جن کی بناء

پر خریدار اور گاہک کے درمیان کافی جرائم جنم لیتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے "تجارت اور لین دین کے مسائل و احکام" ملاحظہ کریں۔ قاضی شوکانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَقَدِ اسْتُدِلَّ بِالْحَدِيْثِ وَمَا وَرَدَ فِي مَعْنَاهُ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّسْعِيْرِ وَاَنَّهُ مَظْلَمَةٌ وَوَجْهُهُ أَنَّ النَّاسَ مُسَلَّطُوْنَ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَالتَّسْعِيْرُ حِجْرٌ عَلَيْهِمْ وَالْاِمَامُ مَاْمُوْرٌ بِرِعَايَةِ مَصْلِحَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَيْسَ نَظَرُهُ فِيْ مَصْلِحَةِ الْمُشْتَرِي بِرَخْصِ الثَّمَنِ اَوْلٰى عَنْ نَظْرِهِ فِيْ مَصْلِحَةِ الْبَائِعِ بِتَوْفِيْرِ الثَّمَنِ وَاِذَا تَقَابَلَ الْاَمْرَانِ وَجَبَ تَمْكِيْنُ الْفَرِيْقَيْنِ مِنَ الْاِجْتِهَادِ لِاَنْفُسِهِمْ وَاِلْزَامُ صَاحِبِ السِّلْعَةِ أَنْ يَّبِيْعَ بِمَا لَا يَرْضٰى بِهِ مُنَافٍ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿ اِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ ﴾ وَاِلٰى هٰذَا ذَهَبَ جَمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ [نیل الاوطار ۲۴۸/۵]

"اس حدیث اور جو اس معنی کی احادیث وارد ہوئی ہیں، ان سے قیمتوں کے کنٹرول کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے اور قیمتوں پر کنٹرول کرنا ظلم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے مالوں کے تصرف کا اختیار دیا گیا ہے اور قیمتوں پر کنٹرول ان پر مالی تصرف میں رکاوٹ ہے۔ جبکہ حاکم وقت مسلمانوں کی خیر خواہی کی رعایت پر مامور ہے۔ اس کے لیے گاہک کو سستے داموں اشیاء کی خریداری میں نظر کرنا دُکاندار کے لیے قیمت بڑھانے کی مصلحت میں نظر کرنے سے زیادہ بہتر نہیں"۔

جب یہ دونوں معاملے آمنے سامنے ہوں تو اس وقت لازم ہے کہ فریقین (دُکاندار اور گاہک) کو اپنے معاملے میں اجتہاد کا اختیار دیا جائے۔ سودا بیچنے والے کو اس کی مرضی کے خلاف بیچنے پر پابند کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے

کہ : ''اے ایمان والو! اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس صورت کے تمہاری آپس میں تجارت رضامندی سے ہو''۔ (۴۰ : ۲۰) یہ مذہب جمہور علماء کرام کا ہے۔

اسلامی معاشرے میں چونکہ تجارت بالکل آزاد ہے' اس لیے ہر چیز کھلے عام فروخت ہونی چاہیے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ رسول اللہ کے عہدِ مبارک میں تاجر برادری کے لوگ متقی' پرہیزگار اور صالح ہوتے تھے اور وہ مناسب ریٹ پر اشیاء فروخت کرتے تھے' قیمتوں کا چڑھاؤ تاجروں کی بدنیتی کی بناء پر نہیں ہوتا تھا بلکہ سامان فروخت کی کمی اور اس کے کثرت طلب کی بنا پر قیمتیں چڑھ گئی تھیں۔ (دیکھیں مجلہ البحوث الاسلامیہ ج۱' عدد رابع ص ۲۰۸)

لیکن جب اشیائے خوردنی میں گرانی اور ریٹ کا اضافہ خود تاجروں کا پیدا کردہ ہو اور عوام الناس کے پاس اشیائے خورد و نوش آسانی سے نہ پہنچنے دیتے ہوں تو یہ تاجر برادری کا ظلم ہے اور عوام الناس کی بھلائی کی خاطر ان کا ظلم روکنا عین انصاف اور حکومت کا حق ہے تو اس ایک صورت میں اگر کنٹرول ریٹ ہو جائے تو کوئی شرعی قباحت نہیں۔ کیونکہ رسول مکرم ﷺ نے جب کنٹرول کرنے سے انکار کیا تھا تو اس کے اسباب قدرتی تھے۔ تاجر برادری کے پیدا کردہ نہیں تھے۔ باہر سے غلہ نہیں پہنچ رہا تھا۔ امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

> ''کنٹرول ریٹ بعض صورتوں میں ناجائز اور ظلم ہے اور بعض صورتوں میں عدل و انصاف اور جائز ہے''۔

جب کنٹرول ریٹ ایسی صورت پر مشتمل ہو کہ لوگوں کے اوپر ظلم کیا جائے اور ان کو ناحق کسی چیز کو ایسی قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے جسے وہ ناپسند کرتے ہوں یا جو چیز اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مباح رکھی ہے' اس سے انہیں روکا جائے تو یہ حرام ہے۔ جب کنٹرول ریٹ عدل و انصاف پر مبنی ہو(جیسا کہ انہیں

کسی چیز کا جتنا معاوضہ مناسب ہو' اس کے لئے مجبور کیا جائے اور جو کام ان پر حرام ہے' اس کے کرنے سے روکا جائے جیسے مناسب معاوضے سے زیادہ قیمت لینا تو یہ کنٹرول جائز بلکہ واجب ہے۔ پہلی صورت کی مثال سیدنا انس رضی اللہ عنہ والی حدیث دلیل ہے جو کہ اوپر ذکر کی گئی ہے۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فَإِذَا كَانَ النَّاسُ يَبِيْعُوْنَ سِلْعَهُمْ عَلَى الْوَجْهِ الْمَعْرُوْفِ مِنْ غَيْرِ ظُلْمٍ قَدِ ارْتَفَعَ السِّعْرُ وَاَمَّا لِقِلَّةِ الشَّيْءِ وَاَمَّا لِكَثْرَةِ الْخَلْقِ فَهٰذَا اِلَى اللّٰهِ فَاِلْزَامُ الْخَلْقِ أَنْ يَّبِيْعُوْا بِقِيْمَةٍ بِعَيْنِهَا اِكْرَاهٌ بِغَيْرِ حَقٍّ

"جب لوگ اپنے سودے کو معروف طریقے پر بغیر ظلم کئے فروخت کریں اور قیمت یا تو اشیاء کی کمی کی وجہ سے بڑھ جائے یا لوگوں کی کثرت کی بناء پر تو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ایسی صورت میں مخلوق کو مقررہ قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کرنا ناحق ہے"۔

وَاَمَّا الثَّانِيْ فَمَثَلُ أَنْ يَّمْتَنِعَ اَرْبَابُ السِّلَعِ مِنْ بَيْعِهَا مَعَ ضُرُوْرَةِ النَّاسِ اِلَيْهَا اِلَّا بِزِيَادَةٍ عَلَى الْقِيْمَةِ الْمَعْرُوْفَةِ فَهُنَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ بَيْعُهَا بِقِيْمَةِ الْمِثْلِ وَلَا مَعْنٰى لِلتَّسْعِيْرِ اِلَّا اِلْزَامُهُمْ بِقِيْمَةِ الْمِثْلِ فَيَجِبُ أَنْ يَّلْتَزِمُوْا بِمَا اَلْزَمَهُمُ اللّٰهُ بِهٖ

"اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ سودا بیچنے والے افراد لوگوں کی ضرورت کے باوجود زیادہ قیمت کی وصولی کے بغیر بیچنا روک دیں تو ان پر واجب ہے کہ وہ سودے کو مناسب قیمت پر بیچیں۔ ایسی صورت میں (جب وہ زیادہ قیمتیں وصول کریں) انہیں مناسب قیمت کا پابند کر دینا چاہئے۔ ان پر لازم ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے لازم ٹھہرائی ہے' اسے لازم پکڑیں"۔ (الحسبة لامام ابن تیمیہؒ ص ۲۰)

تقریباً یہی بات امام ابن قیم رحمہ اللہ نے الطرق الحکمیة ص ۲۴۴'۲۴۵ میں

اور "الفراسہ" میں ذکر کی ہے۔ لہٰذا اگر تاجر برادری کی جانب سے ظلم ہو اور عوام الناس کی ضرورت کے باوجود بلاوجہ اشیاء کی فراہمی مناسب ریٹ پر نہ کریں تو انہیں مقررہ قیمت پر فروخت کا پابند کیا جا سکتا ہے اور اگر منڈیاں آزاد ہوں' گرانی "تاجر برادری کی جانب سے پیدا کردہ نہ ہو بلکہ قدرتی طور پر اشیاء کی قلت یا عوام کی اکثریت کی بنا پر ہو تو اس صورت میں کنٹرول ریٹ درست نہیں۔

حرام کاروبار کے لیے دُکان کرائے پر دینا

س میرے پاس کچھ دکانیں ہیں جو کہ کرائے کے لیے خالی ہیں۔ مجھے بعض افراد نے کرائے کے لیے کہا۔ لیکن وہ ان دکانوں میں ویڈیو فلمیں اور گانے کی کیسٹیں فروخت کرنے کا کاروبار کرنا چاہتے ہیں۔ کیا شرعاً ایسے آدمی کو کرائے پر دینا درست ہے؟ (ابو محمد' کراچی)

ج شریعت اسلامیہ نے فحاشی' عریانی اور بے حیائی پھیلانے سے منع کیا ہے اور جو لوگ مختلف ذرائع سے فحاشی و گندگی پھیلاتے ہیں ان کے لیے ﴿ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ کی بشارت قرآن حکیم میں موجود ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ ﴾ [النور : ١٩]

"یقیناً جو لوگ ایمان والوں میں برائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے تم نہیں جانتے"۔

ویڈیو فلمیں اور گانوں کی کیسٹیں صراحتاً احکامِ خداوندی کی نافرمانی پر مشتمل ہیں جو کہ شرعاً حرام ہیں۔ سورۂ لقمان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞ ﴾

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو گانے بجانے کے آلات خریدتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکائیں اور اسے ہنسی و مذاق بنائیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے"۔

اس آیت سے قبل اللہ تعالیٰ نے اہل سعادت ... جو کتاب الٰہی کے سماع سے فیض یاب ہوتے ہیں .... کا ذکر کرنے کے بعد اہل شقاوت کا ذکر کیا جو کلام اللہ کی تلاوت کے سماع سے اعراض کرتے ہیں۔ لیکن ساز و موسیقی' نغمہ و سرود اور گانے وغیرہ خوب شوق سے سنتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ صحابی رسول فقیہ اُمت سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ھو واللّٰہ الغناء کہ لہو الحدیث سے مراد اللہ کی قسم! گانا بجانا ہے۔ (ابن جریر ۲۱/۶۲ حاکم ۲/۴۱۱)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مفسر قرآن بھی یہی فرماتے ہیں : ابنِ جریر ۲۱/۱۱ اور ابنِ ابی شیبہ ۶/۳۱۰) یہی تفسیر عکرمہ' حسن بصری' سعید بن جبیر' قتادہ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ علیہم سے مروی ہے۔

لہٰذا جب گانا بجانا آلاتِ طرب' رقص و سرود شرعاً حرام ہیں اور ویڈیو فلمیں اور گانے کی کیسٹیں فروخت کرنا بھی حرام ہیں تو ایسے حرام کاموں کے لئے دکان کرایہ پر دینا فعل حرام میں تعاون ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۞ ﴾ [المائدہ : ۲]

"نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو' گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو"۔

معلوم ہوا کہ گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا حرام ہے۔ لہٰذا فعل

حرام کی تجارت کے لیے دُکان کرائے پر دینا حرام ہے۔ اس سے اجتناب کیا جائے اسی طرح وہ مساجد جن کی دُکانیں شیو' ویڈیو کیسٹس اور اس طرح کے دیگر اُمور کے لیے کرائے پر دی گئی ہیں ان کے متولیوں کو چاہیے کہ فی الفور خالی کروا دیں اور کسی جائز کام کرنے والے تاجر کو دے دیں تاکہ غضب الٰہی سے نجات حاصل کی جا سکے۔

بینک میں رقم رکھنا اور بینک کی نوکری

س میرے پاس کچھ رقم ہے جسے میں نے بطور امانت بینک میں رکھا ہے اور بینک کے علاوہ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں میں یہ رقم بطور امانت رکھ سکوں۔ کیا میرا یہ عمل درست ہے؟ میری کتاب و سُنّت کی روشنی میں رہنمائی کریں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ میرا ایک عزیز بینک میں کلرک ہے۔ اس کی یہ نوکری درست ہے کہ نہیں"۔ (جنید' سرگودھا)

ج بینک میں رقم کو بطور امانت رکھنا درست نہیں خواہ آپ اس پر سود نہ لیتے ہوں کیونکہ بینک اس رقم کو سودی امور پر استعمال کرتا ہے اور یہ گناہ پر تعاون کرنا ہے جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲ ﴾

[مائدہ ۵ : ۲]

"نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو۔ گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

اگر کوئی شخص بینک کے علاوہ کوئی اور جگہ امانت رکھنے کے لئے نہ پائے تو

اس مجبوری کی بنا پر اتنی دیر تک بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ میں اپنی رقم رکھ لے جب تک اس کا صحیح انتظام نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾

[انعام : ۱۱۹]

"اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے اوپر حرام قرار دیا ہے' اس کی تفصیل تمہارے لیے بیان کر دی گئی ہے اِلاّ یہ کہ تم کسی بات پر مجبور ہو جاؤ"۔

اور جب اس کے لیے آپ کو کوئی صحیح جگہ مل جائے تو آپ اپنی رقم بینک سے نکلوا لیں اور اس کو صحیح مقام پر منتقل کر دیں تاکہ گناہ پر تعاون سے بچ جائیں۔

آپ کے سوال کے دوسرے حصے کا جواب یہ ہے کہ بینک کی ملازمت کرنا حرام ہے۔ اس کے بارے میں ایک حدیث صحیح درج کرتا ہوں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ)) [مسلم (۱۵۹۸) شرح السنہ ۸/ ۵۴]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے' کھلانے والے اور اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ یہ سب لوگ گناہ میں برابر ہیں"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سود لکھنے والا بھی لعنت کا مرتکب اور سود کھانے کھلانے والے کے ساتھ گناہ میں برابر ہے۔ اس لیے بینک کی نوکری کرنا' کلرک و منیجر بننا حرام ہے اور سود خور کے ساتھ مل کر جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کے خلاف جنگ کرتا ہے' وہ برابر کے گناہ میں شریک ہے لہٰذا یہ سروس ترک کر کے کوئی جائز و حلال سروس اختیار کرنی چاہئے۔

كتاب

الميراث

غیر وارث کے لیے وصیت

① والد گرامی نے بعد وصال اپنے ترکہ میں ایک مکان جدی تقریباً پونے ٦ مرلہ اور ذاتی خرید میں ایک چھوٹا سا مکان تقریباً (پونے پانچ) مرلہ' ایک بنک (بلڈنگ) ذاتی خرید تقریباً سوا دو مرلہ چھوڑا ہے۔

② ہم اِس وقت ٢ بھائی (جمیل احمد' جلیل احمد)' ٤ بہنیں اور والدہ ہیں۔ ہم دونوں میاں بیوی (جمیل احمد و بیگم) کے پاس والدین تھے۔ والد گرامی نے وصیت کی کہ جدی مکان سب بہن بھائی آپس میں تقسیم کر لیں اور اسی طرح بنک (بلڈنگ) بھی تقسیم کر لیں۔

③ زندگی میں (اپنی حیاتی میں) انہوں نے کہا کہ چونکہ میاں بیوی ہم ابھی زندہ ہیں لہٰذا چھوٹا مکان (پونے پانچ مرلہ) ہم اپنے حصہ میں رکھتے ہیں۔

④ اس چھوٹے مکان کو پھر لکھا کہ ہم میاں بیوی نے جو پونے ٥ مرلہ کا چھوٹا مکان رکھا ہے' ہم دونوں کی علیحدگی (فوتگی) کے بعد مسمی جمیل احمد اور اس کی اہلیہ زاہدہ کو ملکیت کر دی گئی۔ یہ میں نے ان دونوں میاں بیوی پر تمام تر مہمانوں' رشتہ داروں کے بوجھ کی بنا پر کیا ہے۔ چونکہ یہ مکان میری ذاتی خرید کردہ جائداد ہے لہٰذا مجھے حق پہنچتا ہے کہ جمیل اور زاہدہ کو ہم بوڑھوں کی خدمات کے عوض ہی سہی۔ لہٰذا اس مکان کو تخصیص اور ممیز قرار دیا جائے۔ ہمارے بعد دونوں میاں بیوی (جمیل' زاہدہ) اسے اپنے تصرف و

ملکیت میں رکھ سکیں گے۔

سوال یہ ہے کہ یہ چھوٹا مکان ہم میاں بیوی کو باقی جائیداد کے علاوہ مل سکتا ہے۔ یا کس طرح تقسیم ہو گی؟ یا کیسے حصّہ ملے گا؟ اور والدہ کا حصّہ کس طرح ہو گا؟ تحریری فتویٰ درکار ہے۔ (جمیل احمد' زاہدہ خانم)

ج میت جو مال چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوتی ہے خواہ وہ جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ' اسے ترکہ یا وراثت کا نام دیا جاتا ہے اور اس کی تقسیم سے قبل میت کی جانب سے اگر کوئی وصیت ہو یا قرض ہو تو اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ ﴾ [النساء : ۱۱]

(مفروضہ حصص اس وقت نکالے جائیں گے) جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو۔ پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو' ادا کر دیا جائے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ وصیت غیر وارث کے حق میں زیادہ سے زیادہ ۱/۳ تک کی جا سکتی ہے۔ وارث کے لیے وصیت کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ ورثاء کے حصص اللہ وحدہ لا شریک نے متعین کر دیے ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے :

* ((اَلَا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا يَجُوْزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ))

[سنن دارمی کتاب الوصایا باب الوصیة للوارث (۳۲۶۲) ص ۳۰۲ ج ۲]

"خبردار یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔"

یہی حدیث مسند احمد' نسائی' ترمذی' ابنِ ماجہ' ابو یعلیٰ' بیہقی' دار قطنی' بزار اور طبرانی میں بھی موجود ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کتاب الوصایا باب الوصیة بالثلث میں (رقم الحدیث ۲۷۴۳-۲۷۴۴) میں واضح کر دیا ہے کہ ثلث (ایک تہائی) مال کی وصیت کی جا سکتی ہے اور ثلث بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا

تقسیم وراثت سے قبل مرحوم محمد رحمت کی وصیت کے مطابق زاہدہ خانم کو ثلث مال کی وصیت لازم ہو گی اور جو چھوٹا مکان انہوں نے اس کے نام وصیت کیا تھا کل مال کا ۱/۳ ہے یہ تو اسے ضرور ملے گا اس سے اسے لا تعلق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اس کا حق شرعی ہے۔ اس کے ساتھ جو اس بیوی کا خاوند ہے وہ چونکہ میّت کا وارث ہے اس کا حصہ متعین ہے اور اس کی بیوی چونکہ میّت کی غیر وارثہ ہے وصیت صرف اس کے حق میں ہو گی۔ زاہدہ خانم کا خاوند وصیت میں شامل نہیں سمجھا جائے گا۔ میّت نے اگر وصیت میں ان کا نام لیا بھی ہو تو زاہدہ کے حصہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ باقی مال سے بیوی کے لیے 1/8 حصہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ... ﴾

[النساء : ۱۲]

اولاد کی صورت میں بیویوں کے لیے آٹھواں حصہ ہے۔ اس کے علاوہ اولاد کی تقسیم ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ﴾ کے تحت ہو گی (النساء : ۱۱) یعنی ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کی مثل حق ملے گا۔

نوٹ : جمیل احمد زاہدہ خانم کے حصہ کو اس سے چھین نہیں سکتا اور اگر زاہدہ خانم جمیل صاحب کی زندگی میں وفات پا جائے تو زاہدہ کی وراثت سے جمیل کو شرعی حصہ ملے گا۔

کیا وراثت میں لڑکے اور لڑکی کا حصہ برابر ہے؟

سوال قرآن کی رو سے اسلام نے بیٹی کو بیٹے کی نسبت میراث میں آدھا حصہ دیا ہے۔ انسانی حقوق کے علمبردار اسے غیر منصفانہ قرار دیتے ہیں جبکہ ابھی حال

ہی میں سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس شائق عثمانی نے قرآن کے اس حکم کو تبدیل کرنے اور اجتہاد کرنے کی بات کی ہے۔ کیا قرآن کا یہ حکم غیر منصفانہ اور مساوات مرد و زن کے خلاف ہے نیز کیا قرآن و سنت کے واضح اور صریح احکام اور نصوص میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے؟ (عبداللہ' لاہور)

ج دورِ حاضر میں یہود و نصاریٰ مسلمانانِ عالم کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لیے آئے روز گمراہ کن اور شر انگیز نعرے بلند کر رہے ہیں۔ ان نعروں میں آزادیٔ نسواں' مساوات مرد و زن' منصوبہ بندی' انسانی آبادی کی فلاح و بہبود وغیرہ کی آڑ لے کر شیطانی تہذیب کے دلدادہ اور رسیا ہمہ تن مصروف عمل ہیں تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل اور خواتین کو ہدف بنا کر گھر گھر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی بغاوت کو عام کر دیا جائے۔ مغربی تہذیب کی آشوب سامانیوں کو عام کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کو بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے اور دانشوران سوء' ججز اور وکلاء قسم کے لوگ بھی اس کارِ شر میں نمایاں نظر آ رہے ہیں۔ ان وکلاء اور دانشوران سوء نے مستشرقین کے زیر تربیت اسلامیات کی ڈگریاں لی ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ بھی یہود و ہنود کی زبان بولتے ہیں اور رب العالمین کے مبنی برانصاف احکامات پر دشنام طرازیاں اور زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو احکم الحاکمین کی بہ نسبت مخلوق کا زیادہ خیر خواہ قرار دیتے ہیں۔ اسلام نے عورت کو جس قدر حقوق دیئے ہیں اس کی مثال کسی دوسرے مذہب میں ملنی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اسلام سے قبل عورت کو جس ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ

يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

[النحل : ۵۸، ۵۹]

"اور ان میں سے جب کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کیا اس ذلت کو لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں"

اِس آیت کریمہ میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام سے قبل عورت قعر مذلت میں گری ہوئی تھی۔ اسلام نے اسے عزت و وقار اور عفت و عصمت کا حسین لبادہ پہنایا اور اسے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے اعتبار سے بہت سے حقوق عطا کیے ہیں۔ اسے ذلت و نامرادی سے نکال کر احترام و وقار کی وادی میں داخل کر دیا۔ لیکن مغربی اقوام اور مغرب زدہ بے راہ رو افراد کو یہ بات گوارا نہ ہوئی۔ انہوں نے حقوقِ نسواں کے نام سے اسے حجابِ اسلامی سے نکال کر سربازار عریاں کر دیا۔ سیکولر اور لبرل معاشرے کے افراد نے عورت کے ان حقوق کو جو اسے اسلام نے عطا کیے، ہدفِ تنقید بنایا۔ معترضین نے عورت کی سربراہی، مردوں کے ساتھ اختلاط، معاشی و معاشرتی زندگی میں آزادانہ ماحول، دیت و شہادت، حجاب و ستر اور وراثت کے احکام کو اچھالا اور فضول و لایعنی قسم کے اعتراضات کیے اور انہیں ظلم و ناانصافی سے تعبیر کیا۔ حالانکہ ایسے افراد نے ہمیشہ عورت کو اس کے اصلی حقوق سے محروم رکھا ہے بالخصوص وراثت کے احکام کو بہت زیادہ پامال کیا ہے۔ اسلام سے قبل عورت وراثت سے بالکل محروم تھی۔ ان کے ہاں یہ تصور تھا کہ عورت نہ تو جنگ میں حصہ لے سکتی ہے اور نہ ہی اپنے خاندانی افراد کا تحفظ و دفاع کر سکتی ہے لہٰذا وہ خاندان کی دولت کی وارث کیسے بن سکتی ہے۔

امام سعید بن جبیر اور امام قتادہ رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ:

"كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَجْعَلُوْنَ الْمَالَ لِلرِّجَالِ الْكِبَارِ وَلَا يُوَرِّثُوْنَ النِّسَاءَ وَلَا الْاَطْفَالَ شَيْئًا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴾ "

[تفسیر ابنِ کثیر ۱/۴۹۴-۴۹۸' تفسیر ابنِ ابی حاتم ۳/۸۷۲]

"مشرکین مال بڑے مَردوں کے لیے مقرر کرتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو وراثت میں سے کچھ نہیں دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی : "مردوں کے لئے اس مال میں حصّہ ہے جو والدین اور زیادہ قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو' اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصّہ ہے جو والدین اور زیادہ قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصّہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبل از اسلام عورت وراثت سے محروم رکھی جاتی تھی تو اسلام نے آکر عورت کو حق وراثت دلوایا اور مختلف اعتبارات سے اس کے حقوق کو مقرر فرما دیا۔ یہود و نصاریٰ نے بھی عورت کے اس مسئلہ میں بے انصافی سے کام لیا ہے اگرچہ ان کے ہاں عورت کا حق وراثت ہے لیکن عورت کے لیے اپنے ہی خاندان میں شادی کا حکم لگا کر عملاً اس حق کو ختم ہی کر دیا ہے جیسا کہ پرانے عہد نامہ میں کتاب گنتی باب ۳۶ آیت ۶' ۷' ۸ میں ہے کہ

"سو صلافحاد کی بیٹیوں کے حق میں خداوند کا حکم یہ ہے کہ وہ جن کو پسند کریں ان ہی سے بیاہ کریں لیکن اپنے باپ دادا کے قبیلہ ہی کے خاندانوں میں بیاہی جائیں۔ یوں بنی اسرائیل کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی کیونکہ ہر اسرائیلی کو اپنے باپ دادا کے قبیلے کی میراث کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہو گا"۔

بائبل کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے عورت کے اوپر اپنے ہی

خاندان میں نکاح کی پابندی لگا کر اسے خود آزادی اور وراثت کے اصل قانون سے محروم کردیا۔ لیکن ان کے پروردہ حضرات جو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے نابلد اور ناآشنا ہیں' وہ اسلام کے عدل و انصاف پر مبنی قوانین و احکام پر معترض ہوتے ہیں۔ حالانکہ ذات باری تعالیٰ عادل و منصف ہے اور عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی قانون بھی ظلم و تعدی پر مبنی نہیں ہے۔ اسلام نے وراثت کے بارے جتنے قوانین ذکر کئے ہیں تمام عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا حق ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ... ﴾

[النساء : ۱۱]

"اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تقسیم وراثت کا ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو تقسیم اس طرح ہو گی کہ جتنا حصہ دو لڑکیوں کو ملے گا اتنا حصہ اکیلے ایک لڑکے کا ہو گا۔ یہ تقسیم مبنی بر انصاف ہے اس میں ظلم و تعدی کو ذرہ برابر بھی دخل نہیں۔ اسلام کے خاندانی نظام میں معیشت کی تمام تر ذمہ داری مرد کے کندھوں پر ہے۔ عورت کو نظام معیشت سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے اور مرد پر عورت کے علاوہ اس کے بچوں' بوڑھے والدین اور دیگر ضروریات کا بھی بوجھ ہے بلکہ حق مہر کی صورت میں بھی عورت کے پاس مال آتا ہے اور اس کی ادائیگی بھی مرد کرتا ہے۔ علاوہ ازیں عورت اپنے باپ' بھائی' خاوند اور بیٹے سے بھی حق وراثت پاتی ہے مگر اس کا اپنا خرچ اس کے ذمہ نہیں۔ اس کو جو مال وراثت میں حاصل ہوتا ہے' وہ اس کے پاس محفوظ ہے۔ چاہے اسے کاروبار میں لگائے یا جمع

کر کے رکھ چھوڑے۔ غرض جیسے چاہے اس مال میں تصرف کر سکتی ہے۔ اس لحاظ سے مرد کو عورت کی نسبت دگنا مال دیا ہے اس لیے اگر عورت کا حصہ نصف کی بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا کیونکہ وہ عادل و منصف ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم و علیم بھی ہے۔ اس کے فیصلے درست ہوتے ہیں جن میں ذرہ برابر بھی ظلم و ناانصافی کو دخل نہیں ہوتا۔

اگر دونوں کا وراثت میں حصہ برابر ہوتا تو عورت کی بجائے مرد یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ میرے اوپر معاشی بوجھ اور ذمہ داریاں ہیں۔ عورت کو بھی اس بار گراں میں شریک کیا جائے اور کچھ ذمہ داریاں اس پر ڈال دی جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ذمہ داریوں کے تعین کے اعتبار سے اسلام کا نظام وراثت فطری اور منصفانہ ہے۔

امام ابنِ قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین ۲/ ۱۱۳ میں یہ وجہ ذکر کی ہے کہ وراثت کا تعلق معاشی ذمہ داری کے ساتھ ہے۔ بیٹا بیٹی کے مقابلے میں باپ کی مالی و معاشی خدمت زیادہ سرانجام دیتا ہے لہٰذا اس کو باپ کے ترکے میں سے بھی زیادہ حصہ ملنا چاہیے۔ اسلام کے نظام وراثت میں بعض صورتیں ایسی ہیں کہ مرد اور عورت کو برابر حصہ دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ... ﴾ [النساء : ۱۱]

"میت کے ماں اور باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس میت کی اولاد ہو"۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ میت کی اولاد کی صورت میں ماں باپ کا حصہ برابر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کا برابر حصہ ذکر کر دیا ہے۔ اور بعض صورتوں میں عورت کا حصہ مرد کی نسبت سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر میت کے ورثاء میں ایک بیٹی اور دو بھائی ہیں تو ایک بیٹی ترکے کا نصف حصہ

لے گی اور باقی نصف دونوں بھائیوں میں برابر تقسیم ہو گا۔ اس طرح یہاں میت کے بھائی کے مقابلہ میں بیٹی زیادہ حصّہ لے رہی ہے اس لیے کہ وراثت میں زیادہ قریبی رشتہ داروں کا حق زیادہ ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں وراثت کے معاملہ میں عورت سے کہیں بھی ظلم و ستم اور ناانصافی سے کام نہیں لیا گیا۔ کہیں مرنے والے کے ساتھ عورت کو زیادہ قربت کی بنا پر اہمیت دی گئی ہے جبکہ دوسری طرف مرد کی معاشی ذمہ داریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس بنیاد پر وراثت میں عورت کا حصّہ کہیں کم اور کہیں زیادہ دے کر عدل و مساوات کی مثال قائم کر دی گئی ہے۔ لہٰذا سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس شائق عثمانی کی بات اسلام کے متصادم ہونے کے ساتھ ساتھ توہین احکم الحاکمین بھی ہے جس پر انہیں سچی توبہ کرنی چاہیے بلکہ ایسے مغرب زدہ اور بے راہرو افراد کو کرسی عدالت پر فائز کرنا خود غیر منصفانہ اور ظالمانہ فیصلہ ہے اور کرسی عدالت کی توہین ہے۔

رہا قرآن حکیم کی واضح نصوص اور احکام صریحہ میں اجتہاد کا دروازہ کھولنا' یہ سراسر عبث اور لغو بات ہے۔ حنفی علماء کے ہاں تو اجتہاد و قیاس کا دروازہ چوتھی صدی ہجری سے بند ہو چکا ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالحئی لکھنوی حنفی نے سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص ۱۹۰'۱۹۱ میں لکھا ہے کہ:

"إِنَّ الْقِيَاسَ بَعْدَ أَرْبَعِ مِائَةٍ مُنْقَطِعٌ فَلَيْسَ لِأَحَدٍ بَعْدَهَا أَنْ يُقَيِّسَ مَسْأَلَةً عَلَى مَسْأَلَةٍ كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ نُجَيْمٍ فِي رَسَائِلِهِ' انتهى۔"

"قیاس چار صدیوں کے بعد سے منقطع ہے اس کے بعد کسی کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں کہ ایک مسئلے کو دوسرے مسئلے پر قیاس کرتا رہے جیسا کہ علامہ ابنِ نجیم نے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے"۔

جبکہ اہلحدیث کے ہاں مسائل منصوصہ میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں لیکن وہ مسائل جو صراحتاً کتاب و سنّت سے ثابت نہیں' ان کے بارے میں کتاب و سنّت سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اس شرط کے تحت وہ علماء جو کتاب و سنّت کے فہم سے منور ہیں اور عربی لغت' نحو و صرف وغیرھا جیسے فنون کے ماہر ہیں' ان کے لیے اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"لَا اِجْتِهَادَ فِي الْقَطْعِيَاتِ" [ارشاد الفحول ص ۳۷۱]

"وہ مسائل جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں ان میں اجتہاد نہیں"۔

میرے شیخ حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ تلخیص الاصول ص ۷۷' ۷۸ میں رقم طراز ہیں کہ :

"كُلُّ مَا ثَبَتَ بِدَلِيلٍ لَمْ يُقْطَعْ بِثُبُوتِهٖ وَلَا بِدَلَالَتِهٖ وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيهِ هُوَ مَجَالُ الْاِجْتِهَادِ وَكَذٰلِكَ الْوَقَائِعُ وَالنَّوَازِلُ الَّتِي لَمْ تَشْمُلْهَا الْاَدِلَّةُ وَلَمْ يَسْبِقِ الْبَحْثُ فِيهَا وَاَمَّا مَا اَجْمَعُوْا عَلَيْهِ مِمَّا دَلَّتْ عَلَيْهِ النُّصُوْصُ قَطْعًا فَلَا يَجُوْزُ فِيهِ الْاِجْتِهَادُ"

"ہر ایسا مسئلہ جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جو ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت ہو اور اس میں علماء کا اختلاف ہو' وہاں اجتہاد کیا جاتا ہے اور اسی طرح ایسے حالات و واقعات جو نصوص سے ثابت نہ ہوں اور نہ ان میں بحث کی گئی ہو۔ لیکن وہ اجماعی مسائل جن پر کتاب و سنّت کی قطعی ادلہ موجود ہیں'۔ ان میں اجتہاد جائز نہیں"۔

نیز ملاحظہ ہو : الاحکام للآمدی ۲۰۶/۳' المستصفی للغزالی ۳۵۴/۲' اصول الفقہ لمحمد سلام ص ۳۴۴' الاجتہاد للدکتور عبدالمنعم ص ۲۹-۳۰' اصول الفقہ للزحیلی ۱۰۵۳/۲

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ میں کتاب و سنّت کی صریح ادلہ موجود ہیں وہاں اجتہاد کی گنجائش نہیں لیکن وہ مسائل جو صراحتاً ثابت نہ ہوں

ان کے لیے کتاب و سنت سے استدلال کیا جاتا ہے اور وراثت کا یہ مسئلہ کتاب و سنت کی نصوص صریحہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ ایسے مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھولنا بے دینی اور الحاد کو راہ دینا ہے اور جو لوگ ایسے مسائل میں اجتہاد کی راہ نکال رہے ہیں وہ گمراہ اور جاہل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کتاب و سنت کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔

كتاب

الحدود

مُرتد کی سزا

س مُرتد کسے کہتے ہیں اور اس کی شرعی سزا کیا ہے؟ کتاب و سُنّت کی رُو سے ہماری صحیح راہنمائی فرمائیں۔ (ایک سائل' ٹاؤن شپ' لاہور)

ج مُرتد اسم فاعل ہے اِرْتَدَّ یَرْتَدُّ اِرْتِدَادًا سے جس کا لغوی معنی ہے پھرنے والا' پلٹنے والا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ ﴾ [محمد : ۲۵]

"بے شک جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل الٹے پھر گئے"۔

اسی طرح ایک مقام پر فرمایا :

﴿ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ ﴾ [کہف : ۶۴]

"(موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) یہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس پلٹے"۔

ایک اور مقام پر فرمایا :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ... ﴾ [المائدہ : ۵۴]

"اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی"۔

ان ہر سہ آیات میں اِرْتَدَّ فَارْتَدَّا اور یَرْتَدُّ ایک ہی باب کے مختلف صیغے ہیں۔ جس کا بنیادی مادہ رَدٌّ ہے اور اس کا معنی پھرنا' واپس کرنا وغیرہ اور اصطلاحی طور پر اس کی تعریف یہ ہے :

"ایسا مسلمان جو اپنے اسلام کو اختیار کرنے والا ہو اس کا کسی قول' فعل' کفریہ عقیدہ یا ضروریات دینیہ سے کسی کے ساتھ شک کی بنیاد پر دین اسلام سے کٹ جانا مُرتد ہونا ہے"۔ (عقوبۃ الاعدام ص : ۳۴۹)

بعض ائمہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے :

اَلرَّاجِعُ عَنْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ اِلَى الْكُفْرِ

[القاموس الفقھی ص ۱۴۷]

"دینِ اسلام سے کفر کی طرف پلٹنے والا"۔

گویا مُرتد ایسا شخص ہے جو اسلام لانے کے بعد واپس کفر کی طرف پلٹ گیا۔ یہ ارتداد اس کے اندر خواہ عقیدہ کی بنا پر پیدا ہوا ہو یا کسی قول' فعل اور شک و شبہ کی بنا پر۔ خواہ سنجیدگی سے ہو یا مذاق و ٹھٹھہ سے۔ کیونکہ ارتداد جیسے سنجیدگی سے واقع ہوتا ہے' استہزاء و ہزل' ٹھٹھا و مذاق سے بھی واقع ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ... ﴾ [التوبہ : ۶۵'۶۶]

"کہہ دیجئے کیا اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ۔ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد کفر کر چکے ہو"۔

مُرتد آدمی پکا جہنمی ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ

اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ [البقرہ : ۲۱۷]

"یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑائی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مُرتد کر دیں گے اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مُرتد ہو گیا اور اسی کفر کی حالت میں مر گیا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے"۔

مُرتد کی دنیوی سزا قتل ہے

پہلی دلیل :

عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے :

اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَرَّقَ قَوْمًا فَبَلَغَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحَرِّقْهُمْ لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ)) وَلَقَتَلْتُهُمْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ))

[بخاری کتابُ الجهاد والسير (۳۰۱۷)، وكتاب استتابة المُرتدين والمعاندين وقتالهم : باب حكم المُرتد والمُرتده واستتابتهم (۶۹۲۲)، مسند حميدى (۵۳۳)، بيهقى ۱۹۵/۸، ابنِ ماجه كتابُ الحدود باب المُرتد عن دينه (۲۵۳۵)، مسند احمد ۲۸۲/۱، ۲۱۷، دار قطنى ۱۱۳/۳، ابوداؤد كتابُ الحدود باب الحكم فيمن ارتد (۴۳۵۱)، نسائى كتاب تحريم الدم ۱۰۴/۷، ترمذى كتابُ الحدود باب ما جاء فى حكم المُرتد (۱۴۵۸)، شرح السنة (۲۵۶۰)، مسند ابى يعلى ۴۰۹/۴، ۴۱۰ (۲۵۳۲، ۲۵۳۳)]

"علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو آگ میں جلایا۔ یہ بات عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر میں ہوتا تو انہیں آگ میں نہ جلاتا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو"۔ البتہ انہیں قتل کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جس نے اپنا دین بدل لیا، اسے قتل کر دو"۔

دوسری دلیل :

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ یَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ : اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّیِّبُ الزَّانِیْ، وَالْمَفَارِقُ لِدِیْنِهٖ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ))

[بخاری کتابُ الدیات (٦٨٧٨)، مسند احمد (٣٨٢/١، ٤٢٨، ٤٤٤، ٤٦٥، ١٨١/٣)، مسلم کتابُ القسامہ باب ما یباح بہ دم المسلم (١٦٧٦)، ابوداود کتابُ الحدود (٤٣٥٢)، ترمذی کتابُ الدیات (١٤٠٢)، ابنِ حبان (٤٤٠٤، ٤٤٠٥)، نسائی کتابُ القسامہ باب القود ٨/ ١٣، مسند حمیدی (١١٩)، دارقطنی (٨٢/٣)، بیہقی کتابُ الجنایات (١٩/٨)، مسند ابی یعلٰی ١٢٨/٩ (٥٢٠٢)]

"جو مسلمان لا إلہ إلا اللہ اور میرے رسول ہونے کی گواہی دے، اس کا خون حلال نہیں مگر تین کاموں میں سے کسی ایک کی بنا پر (١) نفس نفس کے بدلے (یعنی قاتل کو مقتول کے بدلے قصاص میں قتل کرنا) (٢) شادی شدہ زانی (یعنی رجم کر کے مار دیا جائے) (٣) اپنے دین کو چھوڑنے والا، جماعت کو ترک کرنے والا یعنی مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو کر کافروں کی جماعت میں شامل ہو جائے اور دینِ اسلام ترک کر بیٹھے، مُرتد ہو جائے"۔

یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن ارتد (٤٣٥٣)،

مسند احمد ۵۸/۶، ۱۸۱، ۲۰۵، ۲۱۴، نسائی کتاب تحریم الدم (۹۱/۷)، مسند طیالسی (۱۴۷۳)، مسند ابی یعلی ۳۶/۸ (۴۶۷۶) میں بسند صحیح موجود ہے۔

تیسری دلیل :

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

((كُلُّ مُرْتَدٍّ عَنِ الْإِسْلَامِ مَقْتُوْلٌ إِذَا لَمْ يَرْجِعْ ذَكَرًا أَوْ أُنْثٰى))

[دارقطنی ۹۳/۳ (۳۱۹۵) طبع قدیم ۱۱۹/۳]

"اسلام سے مُرتد ہونے والا ہر شخص قتل کیا جائے گا جب وہ واپس نہ پلٹے خواہ وہ مرد ہو یا عورت"۔

اس اثر کی سند حسن ہے۔ عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کا موقف بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ (المحلیٰ لابن حزم ۱۲۲/۱۳) امام ابو المظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَاتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّ الْمُرْتَدَّ عَنِ الْإِسْلَامِ يَجِبُ عَلَيْهِ الْقَتْلُ

[الافصاح عن معانی الصحاح ۱۸۷/۲]

"اس باب پر ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ اسلام سے مُرتد ہونے والا واجب القتل ہے"۔

امام ابنِ قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَأَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى وُجُوْبِ قَتْلِ الْمُرْتَدِّ وَرُوِيَ ذٰلِكَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَمُعَاذٍ وَأَبِي مُوْسٰى وَابْنِ عَبَّاسٍ وَخَالِدٍ وَغَيْرِهِمْ وَلَمْ يُنْكَرْ ذٰلِكَ فَكَانَ إِجْمَاعًا

[المغنی ۱۲۳/۸]

"اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرتد واجب القتل ہوتا ہے اور یہ بات ابوبکر، عمر، معاذ، ابو موسیٰ، عبداللہ بن عباس خالد وغیرھم رضی اللہ عنہم سے

مروی ہے۔ اس پر انکار نہیں کیا گیا پس اس پر اجماع ہو گیا"۔

اور یہی اجماع علامہ صنعانی' ابنِ دقیق العید اور کاسانی حنفی نے نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو سبل السلام ۳/۲۶۳' احکام الاحکام ۴/۸۴ بدائع الصنائع ۷/۱۳۴ بحوالہ عقوبۃ الاعدام ص : ۳۶۸)

پس معلوم ہوا کہ قرآن و سُنّت' اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اجماع اہل علم' فقہاء و محدثین رحمۃ اللہ علیہم کی رو سے مُرتد واجب القتل ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے شیخ محمد بن سعد کی کتاب عقوبۃ الاعدام کا مطالعہ فرمائیں) (مجلۃ الدعوۃ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

کیا غیر محرم مرد کا عورت کے ساتھ خلوت' جرم اور قابل سزا نہیں؟

س کیا کسی غیر محرم مرد کو غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت اور رات گزارنے کی شریعت اسلامیہ میں اجازت ہے؟ بعض افراد کا کہنا ہے کہ محض خلوت و رات بسر کرنا کوئی جرم نہیں' نہ ہی شرع میں اس کی سزا ہے۔ قرآن و سُنّت کی رو سے واضح کریں؟

ج شریعت اسلامیہ نے اُمت مسلمہ کو برائی سے بچانے کے لئے بہت سے اقدامات کئے ہیں تاکہ مسلم معاشرہ انتہائی اعلیٰ اقدار پر مرتب ہو اور ہر طرح کے فتنے سے بچا رہے لیکن شیطانی قوتیں اُمت مسلمہ کو نقصانات سے دوچار کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتی رہتی ہیں۔ ان کی چالوں میں سے ایک چال یہ ہے کہ مسلمانوں میں مرد و زن کا اختلاط عام کیا جائے اور اسلامی حد بندی ختم کر دی جائے تاکہ برائی بہت جلد پھیلے۔ کیونکہ غیر محرم مردوں کا غیر محرم

عورتوں سے کھلے عام ملنا جلنا اور خلوت اختیار کرنا اگر عام کر دیا جائے تو اس معاشرے میں بہت سی برائیاں جنم لے سکتی ہیں کیونکہ عورت کا فتنہ جس قدر نقصان دہ اور ضرر رساں ہے شاید ہی کوئی اور فتنہ اس قدر نقصان دہ ہو۔ بنی اسرائیل میں تباہی و بربادی کے جو اسباب تھے ان میں سے ایک اہم سبب عورت کا فتنہ ہے۔ یہ جب اپنی حدود (چار دیواری وغیرہ) سے نکل کر زیب و زینت سے آراستہ ہو کر کھلے عام نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں مختلف وساوس پیدا کر کے انہیں اس میں ملوث ہونے پر ابھارتا ہے۔ اسی لئے نبی مکرم ﷺ نے اس فتنے سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ صحابی رسول ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاَنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ فِتْنَةَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ))

[صحیح مسلم (۲۷۴۲) مسند احمد ۳/۲۲ شرح السنہ ۹/۱۲ (۲۲۴۳) بیہقی ۷/۹۱ مصنف عبدالرزاق ۱۱/۳۰۵ (۲۰۶۰۸)]

"دنیا میٹھا سبزہ ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں اس دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے، وہ دیکھنے والا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو، بے شک بنی اسرائیل کا فتنہ عورتوں میں تھا"۔

صحابی رسول اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ عَلَى اُمَّتِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ))

[بخاری (۵۰۹۶) کتاب النکاح باب ما یتقی من شوم المراۃ، مسلم (۲۷۴۰) ترمذی (۲۹۴۲) مسند احمد ۵/۲۰۰]

”میں نے اپنے بعد اپنی اُمت میں مردوں پر عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا“۔

ان ہر دو احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں بہت سے فتنے اور آزمائشیں مسلمان آدمی پر وارد ہوتی ہیں اور ان آزمائشوں میں سب سے زیادہ آزمائش عورت کے فتنے کی ہے۔ اگر کوئی مرد عورت کے فتنے و فساد سے بچا رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی اَجر کا مستحق ہو گا بلکہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے تلے ہو گا جیسا کہ فرمان نبویؐ ہے کہ :

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ))

[بخاری مع فتح الباری ۱/۱۶۸، ۲/۱۳۸، ۸/۱۲۶ مسلم کتاب الزکاۃ (۹۱) ترمذی (۲۳۹۱) نسائی ۸/۲۲۲ مسند احمد ۲/۴۳۹ ابن خزیمہ (۳۵۸) شرح السنہ ۲/۳۵۴]

”سات افراد ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہو گا“۔

مؤطا (۹۵۲) وغیرہ میں ظل عرش کا بھی ذکر ہے۔

ان میں سے ایک آدمی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ اِلٰى نَفْسِهَا فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ)) [الحدیث]

”حسن و جمال والی عورت برائی کی دعوت دے تو وہ کہہ دے مجھے اللہ عزوجل سے ڈر لگتا ہے“۔

لہٰذا مسلمان آدمی کو عورت کے فتنہ سے بچنے کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا چاہیے کیونکہ جب عورت زیب و زینت سے آراستہ اور بناؤ سنگھار سے مزین ہو کر گھر سے باہر کھلے عام نکلتی ہے تو انسان کو شیطان پھنسانے کے لیے اس کے دِل میں

طرح طرح کے برے خیالات اور وساوس ڈالتا ہے- نبی مکرم ﷺ نے اس فتنے کی روک تھام کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مختلف اقدامات کیے ہیں- اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا ہے :

﴿ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ﴿٣٣﴾ ﴾

[الاحزاب : ٣٢'٣٣]

"اے نبی ؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو- اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو- اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو"-

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اس بات کی ہدایت کر دی کہ کسی آدمی سے نرم اور دبے لہجے میں گفتگو نہ کرو تاکہ کوئی دل کا مریض کسی لالچ میں مبتلا نہ ہو جائے- اور دوسرے مقام پر فرمایا :

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ﴾

"اور جب تم ان سے کسی فائدہ کا سوال کرو تو پردے کے پیچھے رہ کر سوال کرو"-

یہاں اللہ تعالیٰ نے غیر مرد کو غیر عورت کے ساتھ بغیر حجاب کے گفتگو کرنے سے منع کر دیا- یہ حدود اور پابندیاں صرف اسی لیے عائد کی جا رہی ہیں کہ مرد و زن کا اختلاط نہ ہو' تاکہ کھلی آزادی' آوارگی اور بے حیائی کا دروازہ نہ کھلے- شریعت اسلامیہ میں کسی بھی غیر مرد کو غیر عورت کے ساتھ خلوت کی اجازت نہیں- ایک

مرتبہ خلیفۃ المسلمین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابیہ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ پھر فرمایا ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کھڑے ہوئے جیسے میں تمہارے درمیان کھڑا ہوں تو آپ نے فرمایا تھا :

((اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَظْھَرُ الْکِذْبُ حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ لَیَحْلِفُ وَلَا یُسْتَحْلَفُ وَیَشْھَدُ وَلَا یُسْتَشْھَدُ اَلَا فَمَنْ سَرَّہٗ بَحْبَحَۃُ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزَمِ الْجَمَاعَۃَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْفَذِّ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ وَلَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَۃٍ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ ثَالِثُھُمْ وَمَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَسَاءَتْہُ سَیِّئَتُہٗ فَھُوَ مُؤْمِنٌ))

[شرح السنہ ۹/۲۷ (۲۲۵۳)' ترمذی (۲۱۶۶) کتاب الفتن باب لزوم جماعۃ المسلمین' حاکم ۱/ ۱۱۳' ۱۱۵' مسند احمد ۱/ ۸۱]

"میرے ساتھیوں کا اکرام کرو پھر ان کے قریب والوں کا پھر ان کے قریب والوں کا پھر جھوٹ ظاہر ہو جائے گا یہاں تک کہ آدمی قسم کھائے گا اور اس سے قسم طلب نہیں کی جائے گی گواہی دے گا اس سے گواہی مانگی نہیں جائے گی خبردار! جس کو جنّت کا وسط پسند ہو وہ جماعت کو لازم پکڑے' اس لیے کہ اکیلے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور وہ دو سے بہت دور ہوتا ہے اور کوئی مرد ہرگز کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے اس لیے کہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے جس شخص کو اس کی نیکی خوش کرے اور برائی بری لگے وہ مومن ہے"۔

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ غیر عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنا بالکل منع ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنۃ میں لکھتے ہیں کہ :

خَلْوَۃُ الرَّجُلِ بِالْمَرْاَۃِ الْاَجْنَبِیَّۃِ وَالْمُسَافِرَۃِ بِھَا حَرَامٌ فَاِنْ کَانَتْ

مِنَ الْمَحَارِمِ فَلَا بَأْسَ بِالْمُسَافِرَةِ بِهَا [شرح السنه ۹/ ۲۸]

"اجنبی عورت سے مرد کا خلوت کرنا اور اس کے ساتھ سفر کرنا حرام ہے اگر عورت محارم سے ہو تو پھر کوئی گناہ نہیں"۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ امْرَأَتِيْ خَرَجَتْ حَاجَّةً وَإِنِّي اكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا قَالَ انْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ))

[صحیح مسلم ۲/ ۹۷۸ (۱۳۴۱) بخاری فتح الباری ۹/ ۲۴۲ (۵۲۳۳) طبرانی کبیر ۱۱/ ۳۳۵ مسند احمد (۱۹۳۴، ۳۲۳۱، ۳۲۳۲)]

"کوئی مرد کسی عورت سے خلوت ہرگز نہ کرے مگر اس کے ساتھ اس کا محرم ہو اور عورت اپنے محرم کے علاوہ سفر نہ کرے۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی حج کرنے نکلی ہے اور میں فلاں فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہوں' آپ نے فرمایا: پس چلا جا۔ اپنی بیوی کے ساتھ حج کر"۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ))

[بخاری ۹/ ۳۳۰ کتاب النکاح باب لا یخلون الرجل بامراۃ الا ذو محرم' مسلم (۲۱۷۲) مسند احمد ۴/ ۱۴۹' ۱۵۳ ترمذی (۱۱۷۳) شرح السنه ۹/ ۲۶ (۲۲۵۲)]

"عورتوں پر داخل ہونے سے بچو۔ ایک انصاری نے کہا یا رسول اللہ

ﷺ عورت کے مرد کی جانب سے جو رشتہ دار ہیں (دیور جیٹھ وغیرہ) ان کے متعلق بتائیں؟ آپ نے فرمایا "حمو" موت ہے"۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ حج جیسی اہم عبادت کے لیے آپؐ نے عورت کو تنہا جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس لیے اس کے شوہر صحابی کو کہا تم خود اس کے ساتھ جا کر حج کرو اور دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے دیور و جیٹھ وغیرہ کو اپنی بھابھی کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے کو موت قرار دیا ہے۔ جب قریبی رشتہ دار مرد جو کہ غیر محرم ہیں ان سے تنہائی اختیار کرنے سے منع کیا ہے تو دیگر افراد جو کہ اس کے رشتہ دار بھی نہیں' ان کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات کرنے بلکہ رات گزارنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا لَا یَبِیْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَاَةٍ ثَیِّبٍ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَاکِحًا اَوْ ذَا مَحْرَمٍ)) [مسلم ۴/۱۷۱۰ (۲۱۷۱) باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیة والدخول علیها تاریخ بغداد ۸/۱۰۹ التمهید ۱/۲۲۷ بیهقی ۷/۹۸]

"خبردار کوئی آدمی کسی ثیبہ عورت کے پاس ہرگز رات بسر نہ کرے سوائے خاوند یا محرم کے"۔

شرح صحیح مسلم میں ہے کہ:

اِنَّمَا خُصَّ الثَّیِّبُ لِکَوْنِهَا الَّتِیْ یُدْخَلُهَا اِلَیْهَا غَالِبًا وَاَمَّا الْبِکْرُ فَمَصُوْنَةٌ مُتَصَوَّنَةٌ فِی الْعَادَةِ مُجَانَبَةٌ لِلرِّجَالِ اَشَدُّ الْمُجَانَبَةِ فَلَمْ یَحْتَجْ اِلٰی ذِکْرِهَا وَلِاَنَّهٗ مِنْ بَابِ التَّنْبِیْهِ لِاَنَّهٗ اِذَا نُهِیَ عَنِ الثَّیِّبِ الَّتِیْ یَتَسَاهَلُ النَّاسُ فِی الدُّخُوْلِ عَلَیْهَا فِی الْعَادَةِ فَالْبِکْرُ اُوْلٰی [شرح صحیح مسلم للنووی ۱۴/۱۹]

"اس حدیث میں ثیبہ (شادی شدہ' مطلقہ' بیوہ) عورت کی تخصیص اس

لئے کی گئی ہے کہ اکثر ان عورتوں کے پاس آنا جانا ہوتا تھا اور کنواری
لڑکی عادۃً اس سے محفوظ و مامون ہوتی تھی اور مردوں سے (اختلاط)
سے سختی سے بچائی جاتی تھی۔ اس لیے اس کے ذکر کی حاجت نہیں اس
لیے کہ یہ تنبیہ کے باب سے ہے۔ لہٰذا جب ثیبہ جس کے پاس آنے سے
لوگ تساہل برتتے تھے کے پاس آنے سے منع کیا گیا تو کنواری لڑکی کے
پاس آنا بالاولیٰ منع ہوا ہے"۔

ان احادیثِ صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ غیر محرم مرد کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ سفر کرنا' اس کے پاس رات بسر کرنا اور خلوت و تنہائی اختیار کرنا حرام ہے اور ایسے فعل کا مرتکب ہونا واجب التعزیر ہے۔ شریعت اسلامی میں بعض وہ جرائم ہیں جن کی سزا متعین ہے اور بعض وہ ہیں جن کی سزا کا تعین نہیں۔ اول صورت میں حدود کا نفاذ کیا جاتا ہے اور دوسری صورت میں تعزیر لگائی جاتی ہے۔ فعل حرام کا مرتکب واجب التعزیر ہوتا ہے۔ دنیا میں اسے سزا دی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَايِعُوْنِيْ عَلٰى أَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَاتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ))

[بخاری' کتاب الایمان مع فتح الباری ۸۱/۱ (۱۸) مسلم (۱۷۰۹) نسائی ۱۴۱/۷' ۱۴۲ دارمی ۲۲۰/۲ بیہقی ۱۸/۸' ۳۲۸ مستدرک ۳۱۸/۲]

"میری بیعت اس شرط پر کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' چوری نہ کرو' زنا نہ کرو اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو جو بہتان تم اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے گھڑتے ہو نہ لاؤ اور معروف میں نافرمانی نہ

کرو جس نے تم میں سے وفاداری کی اس کا اَجر اللہ پر ہے اور جو ان اشیاء کا مرتکب ہوا وہ اس کی دنیا میں سزا دیا جائے گا اور وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گا اور جو ان اشیاء کا مرتکب ہوا پھر اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ اگر چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے سزا دے۔ ہم نے ان شروط پر آپ کی بیعت کر لی"۔

اس حدیث میں آپؐ کا فرمان ((فَعُوْقِبَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا)) عام ہے جو کہ ہر قسم کے جرم کی سزا کو شامل ہے' خواہ وہ حدود سے ہو یا تعزیر سے یا قصاص سے متعلق۔ لہٰذا شرع میں ہر جرم کی سزا ہے تو جو شخص ایسے افعال قبیح کا مرتکب ٹھہرے تو حاکم وقت کو اس پر اس کی سزا جاری کرنی چاہیے۔ ہمارے ملک کے بعض ججوں نے جو یہ بات کہی کہ غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت کرنا کوئی جرم نہیں بالکل غلط ہے اور شرعی علوم سے ناواقفیت' لاعلمی اور عدم تفقہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ایسے افراد کو جو شرعی علوم سے ناواقف ہوں اور ان کی حالت خلاف شرع ہو' عدالت کی کرسی پر بٹھانا اسلامی عہد و قضاء کی توہین ہے۔ عدالت کا قاضی و جج وہ ہونا چاہیے جو شرعی علوم میں مہارت تامہ رکھتا ہو اور اس کی اپنی حالت بھی شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے ملک کا نظام مغربی جمہوریت پر مبنی اور انگریزی قوانین پر مشتمل ہے اور جج حضرات بجائے اس کے کہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کریں وہ انگریزی قوانین کو ترجیح دیتے ہوئے ایسے فیصلے سناتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

كتاب

الادب

السلام علیکم کی بجائے دیگر فقرے کہنا

س موجودہ زمانے میں اکثر لوگ السلام علیکم کہنے کی بجائے "کی حال اے" یا اس جیسے دوسرے جملے جو کئی زبانوں میں رائج ہیں' استعمال کرتے ہیں؟ شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟ (محمد عباس' پسرور)

ج نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات عالیہ میں ملاقات کے وقت سلام کہنا ہے۔ اس کی جگہ پر کوئی اور کلمہ نہیں کہنا چاہئے۔ ہاں سلام کے بعد حالات وغیرہ دریافت کرنا ناجائز نہیں بلکہ روا اور مشروع ہے۔ نیز سلام کہنا مسلمان کا حق ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ))

[بلوغ المرام کتاب الجامع (١٢٦٦) مسلم (٣/٣٦٢)]

"مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ جب تو اس سے ملاقات کرے تو اس پر سلام کہہ' جب وہ تجھ کو دعوت دے تو قبول کر' جب خیر خواہی چاہے تو اس کی خیر خواہی کر' جب چھینک مارے اور اللہ کی حمد بیان کرے تو اس کا جواب دے' جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کر اور جب مرجائے تو اس کے پیچھے جا یعنی جنازہ پڑھ"۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا اپنا معمول یہ تھا کہ جب آپ کسی کے پاس سے

گزرتے تو سلام کہتے- اسی ضمن میں بیش بہا آیات و احادیث موجود ہیں-
لہٰذا ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کہنا چاہیے- اس کی جگہ good morning' کی حال اے' وغیرہ کہنا درست نہیں-

لوہے کی انگوٹھی پہننا

س کیا لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے؟ بعض لوگ صحیح بخاری وغیرہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں' جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے جب اپنے ایک صحابی کے نکاح کا ارادہ کیا تو فرمایا: ((اِلْتَمِس وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ)) حق مہر کے لیے تلاش کرو اگرچہ ایک لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے- تو کیا یہ حدیث لوہے کی انگوٹھی پہننے کی دلیل بن سکتی ہے؟

ج خالص لوہے کی انگوٹھی پہننا شرعاً درست نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا- عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدِهٖ خَاتَمٌ مِنْ ذَهَبٍ فَأَعْرَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَلَمَّا رَأَى الرَّجُلُ كَرَاهِيَتَهٗ ذَهَبَ فَأَلْقَى الْخَاتَمَ وَأَخَذَ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَلَبِسَهٗ وَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هٰذَا شَرٌّ هٰذَا حِلْيَةُ أَهْلِ النَّارِ فَرَجَعَ فَطَرَحَهٗ وَلَبِسَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ فَسَكَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

[الادب المفرد للبخاری' باب ترك السلام على المتخلق واصحاب المعاصی (۱۰۲۱) مسند احمد ۲/ ۱۶۳' ۱۷۹]

"ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا- اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے منہ موڑ لیا- جب اس آدمی نے نبی ﷺ کی

ناپسندیدگی دیکھی تو سونے کی انگوٹھی اُتار دی اور لوہے کی انگوٹھی لے کر پہن لی اور (دوبارہ) نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: یہ بدترین ہے- یہ جہنم والوں کا زیور ہے- وہ پلٹ گیا اور اسے اُتار کر پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی پہن لی- اس پر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے"-

علامہ البانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سند جید ہے- اس جیسی سند سے امام بخاری نے بخاری شریف کے علاوہ دیگر کتب میں اور امام احمد' امام اسحاق بن راہویہ اور امام ترمذی وغیرہ نے احتجاج کیا- غاية المرام في تخريج الاحاديث الحلال والحرام ص: ٦٨ اور اسی طرح آداب الزفاف ص: ٢١٧ میں اس کے شواہد بھی ذکر کیے گئے ہیں-

بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ شِبَهٍ فَقَالَ لَهُ: "مَالِيَ اَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ الْاَصْنَامِ؟ فَطَرَحَهُ ثُمَّ جَاءَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيْدٍ فَقَالَ مَالِيَ اَرٰى عَلَيْكَ حِلْيَةَ اَهْلِ النَّارِ؟ فَطَرَحَهُ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مِنْ اَيِّ شَيْءٍ اَتَّخِذُهُ؟ قَالَ اتَّخِذْهُ مِنْ وَرِقٍ وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالاً))

[سنن ابوداؤد (٤٢٢٣) كتاب الخاتم باب ما جاء في خاتم الحديد' سنن نسائی (٥٢١٠) كتاب الزينة' باب مقدار ما يجعل في الخاتم من فضة' جامع ترمذی (١٧٨٥) كتاب اللباس باب ما جاء في الخاتم الحديد]

"ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی- آپ نے اسے فرمایا مجھے کیا ہے کہ میں تجھ میں بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں؟ اس نے اس انگوٹھی کو اُتار کر پھینک دیا- پھر آیا تو اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی- آپ نے فرمایا: کیا ہے مجھے کہ میں تجھ میں آگ والوں کا زیور دیکھ رہا ہوں؟ اس نے اسے پھینک دیا- پھر

کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ ! میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا : ایک مثقال سے کم چاندی کی بنا لے۔ (ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے)"۔

یہی حدیث امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الآداب (۸۱۱) اور شعب الایمان (۶۳۵۰) میں لائے ہیں اور ابنِ حبان نے اسے صحیح کہا ہے (۱۴۶۷) الکنی للد ولابی ۲/۱۶ میں بھی ہے۔ اس کی سند میں ابو طیبہ راوی ہیں جن پر اگرچہ بعض محدثین نے کلام کیا ہے لیکن یہ حسن درجے کا راوی ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "صالح الحدیث" (میزان ۲/۵۰۴) حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "صدوق یھم" (تقریب التھذیب ص : ۱۸۹) اس کی حدیث حسن درجہ سے کم نہیں۔ (ملاحظہ ہو نیل المقصود (۴۲۲۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے البتہ اگر لوہے کی انگوٹھی کے ساتھ چاندی کی ملاوٹ کر کے ملمع سازی کی گئی ہو تو اس کی رخصت ہے۔ جیسا کہ معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

((كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَدِيْدٍ مَلْوِيٍّ عَلَيْهِ فِضَّةٌ وَرُبَمَا كَانَ فِيْ يَدِيْ فَكَانَ مُعَيقِيبُ عَلٰى خَاتَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

[ابوداؤد' کتاب الخاتم' باب ما جاء فی خاتم الحدید (۴۲۲۳) سنن النسائی' کتاب الزینة' باب لبس خاتم حدید ملوی علیه فضة (۵۲۲۰) شعب الایمان بیھقی (۶۳۵۲)]

"رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی لوہے سے بنی ہوئی تھی اور اس پر چاندی کی ملمع سازی کی گئی تھی۔ وہ بسا اوقات میرے ہاتھ میں ہوتی۔ معیقیب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی کے نگران تھے"۔

ان دونوں احادیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ محض لوہے کی انگوٹھی پہننا

حرام ہے۔ البتہ اگر اس پر چاندی لگی ہوئی ہو تو پھر جائز و مشروع ہے۔
صحیح بخاری وغیرہ کی روایت جس میں ((اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِیْدٍ)) کے الفاظ ہیں یعنی تو تلاش کر اگرچہ لوہے کی انگوٹھی مل جائے۔ اس کے بارے میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

اُسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی جَوَازِ لُبْسِ خَاتَمِ الْحَدِیْدِ وَلَا حُجَّةَ فِیْهِ لِاَنَّهٗ لَا یَلْزَمُ مِنْ جَوَازِ الْاِتِّخَاذِ جَوَازُ اللُّبْسِ فَیَحْتَمِلُ أَنَّهٗ أَرَادَ وَجُوْدَهٗ لِتَنْتَفِعَ الْمَرْأَةُ بِقِیْمَتِهٖ [فتح الباری ۱۰/۳۲۳]

"اس حدیث سے لوہے کی انگوٹھی پہننے پر استدلال کیا گیا ہے حالانکہ اس میں اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ انگوٹھی لانا' انگوٹھی پہننے کو لازم نہیں۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپؐ نے انگوٹھی کے وجود کا ارادہ کیا ہو تاکہ عورت اس کی قیمت سے نفع حاصل کرے"۔

لہٰذا یہ حدیث محض لوہے کی انگوٹھی پہننے پر نص قطعی نہیں ہے۔ اگر اس سے مراد لوہے کی وہ انگوٹھی لی جائے جو کہ چاندی سے ملمع ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ وگرنہ خالص لوہے کی انگوٹھی حرام ہے جیسا کہ اوپر احادیث ذکر کر دی گئی ہیں۔
بعض ائمہ نے یہ بھی کہا ہے کہ مذکورہ حدیث میں اگر اباحت ہے تو دیگر احادیث میں تحریم ہے اور جب مباح و تحریم کا معارضہ ہو تو حکم تحریم کا لگایا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو آداب الزفاف ص : ۲۱۹) امام اسحاق بن منصور المروزی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ :

اَلْخَاتَمُ مِنْ ذَهَبٍ اَوْ حَدِیْدٍ یُکْرَهُ؟ فَقَالَ : أَیْ وَاللّٰهِ

[(مسائل المروزی (۲۲۳) بحوالہ آداب الزفاف ص : ۲۱۹)]

"کیا سونے یا لوہے کی انگوٹھی مکروہ ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں! اللہ کی قسم"۔

اور یہ بات اصول کی کتب میں موجود ہے۔ جب مطلق مکروہ کا لفظ بولا جائے تو مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ یہی بات عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ' امام مالک ' امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ وغیرہ سے مروی ہے۔ (ملاحظہ ہو غایۃ المرام ص : ۶۹)

عبد النبی وغیرہ نام رکھنا

س قرآن میں آتا ہے :

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ ﴾ [النور : ۳۲]

دوسری جگہ فرمایا :

﴿ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ .. ﴾ [الزمر : ۵۳]

ان دونوں آیات میں عباد کا لفظ غلام اور خادم کے معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ عبادت گزار کے معنوں میں لہٰذا ان آیات کی روشنی میں عبد المصطفیٰ' عبدالرسول یا عبد النبی کے نام رکھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ وضاحت کریں۔

ج لفظ عبد ایک مشترک لفظ ہے جس کے معنی عابد یعنی عبادت گزار کے بھی آتے ہیں اور خادم و غلام کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ جب عبد کی اضافت و نسبت غیر اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مطلب خادم اور غلام ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں ہے ﴿ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ ﴾ عباد کی نسبت "کم" ضمیر کی طرف ہے۔ لیکن نام اور تسمیہ کے محل پر عموماً یہ لفظ عبادت کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس لیے ایسے مواقع پر اس کا استعمال درست نہیں کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ کئی ایک ایسی احادیث صحیحہ ہیں جن میں اسماء کے تعین کے وقت عبد کی اضافت اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب ہے جیسا کہ ارشاد نبوی

ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ))

[مسلم ۱۶۹/۶ابوداؤد مع عون ۳۴۳/۴ ترمذی مع تحفہ ۲۹/۴ابنِ ماجہ ۲۰۴/۲]

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں"۔

ان دونوں ناموں میں لفظ عبد کی اضافت بالترتیب لفظ اللہ اور الرحمٰن کی طرف ہے اور یہ دونوں باری تعالیٰ کے نام ہیں۔ وہ اسماء جن میں عبد کی اضافت غیر اللہ کی جانب تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدل ڈالا تھا جیسا کہ امام ابنِ عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ:

عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ قُحَافَه أَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اسْمُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عَبْدَ الْكَعْبَةِ فَسَمَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَاللّٰهِ [الاستیعاب برھامش الاصابہ ۳۴۳/۲]

"سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام دور جاہلیت میں عبدالکعبہ تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا"۔

اسی طرح سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کا نام زمانہ جاہلیت میں عبد عمرو تھا۔ بعض نے کہا عبدالکعبہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا۔

(الاستیعاب ۳۸۷/۲)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کا نام دور جاہلیت میں عبد شمس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔

(الاصابہ ۲۰۰/۴ الاستیعاب ۲۰۰/۴-۲۰۷)

ابنِ ابی شیبہ میں حدیث ہے کہ:

((وَفَدَ عَلَى النَّبِيِّ قَوْمٌ فَسَمِعَهُمْ يُسَمُّوْنَ عَبْدَالْحَجَرِ فَقَالَ لَهُ مَا

اسْمُكَ فَقَالَ عَبْدُ الْحَجَرِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِنَّمَا أَنْتَ عَبْدُ اللّٰهِ)) [بحوالہ تحسین الاسماء ص : ۷۱]

"ایک قبیلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپؐ نے اس قبیلہ کے لوگوں کو عبدالحجر کے نام سے پکارتے ہوئے ایک آدمی کو سنا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا عبدالحجر تو آپؐ نے فرمایا: تیرا نام عبداللہ ہے"۔

ایک حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا :

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْقَطِيْفَةِ))

[بخاری مع فتح ۸۱/۶ ابن ماجه (۴۱۳۶)]

"درہم اور دینار اور چادر کا بندہ تباہ ہو گیا"۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عبد کی اضافت اسماء میں جب غیراللہ کی طرف ہوتی ہے تو یہ لفظ عبادت کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے ناموں کو بدلا کیونکہ یہ شرکیہ نام ہیں۔ اگر انہیں شرکیہ نہ سمجھا جائے تو پھر ان میں شرک کی بو ضرور موجود ہے۔ شاہ ولی اللہ رقمطراز ہیں :

وَمِنْهَا أَنَّهُمْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَ أَبْنَائَهُمْ عَبْدَ الْعُزّٰى وَعَبْدَ شَمْسٍ وَنَحْوَ ذٰلِكَ....وَقَدْ ثَبَتَ فِي اَحَادِيْثَ لَاتُحْصٰى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيَّرَ اَسْمَاءَ الصَّحَابَةِ عَبْدَ الْعُزّٰى وَعَبْدَ شَمْسٍ وَنَحْوِهِمَا إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمَا أَشْبَهَهُمَا فَهٰذِهِ أَتْبَاحٌ وَقَوَالِبُ لِلشِّرْكِ نَهَى الشَّارِعُ عَنْهَا لِكَوْنِهَا قَوَالِبَ لَهُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ [حجة الله البالغه ۱/ ۶۳ باب اقسام شرك]

"مشرکین کی شرک کی اقسام میں سے ایک یہ تھی کہ لوگ اپنی اولاد کے نام عبدالعزیٰ اور عبد شمس وغیرہ رکھتے تھے اور بے شمار احادیث سے

ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کے ناموں کو عبدالعزیٰ اور عبد شمس سے بدل کر عبداللہ اور عبدالرحمٰن وغیرہ رکھے۔ یہ شرک کے دروازے اور سانچے ہیں۔ شرع نے ان ناموں سے اس لیے منع کیا ہے کہ یہ اس کے سانچے ہیں۔ واللہ اعلم"۔

اسی طرح حنفی علماء کرام میں سے ملاّ علی قاری مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں رقمطراز ہیں:

وَلَا يَجُوْزُ عَبْدُالْحَارِثِ وَلَا عَبْدُ النَّبِيِّ وَلَا عِبْرَةَ بِمَا شَاعَ فِيْمَا بَيْنَ النَّاسِ [مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۸/۵۱۳ تحت جدید رقم (۴۷۵۲)]

"عبدالحارث، عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا جائز نہیں اور لوگوں میں جو یہ نام رائج ہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں"۔

ملاّ قاری حنفی کی اس تصریح میں یہ بات عیاں ہو گئی کہ عبدالحارث اور عبدالنبی وغیرہ نام رکھنے جائز نہیں۔ رہا ﴿ قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ ﴾ سے یہ استدلال کرنا کہ نبی ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپؐ کہیں کہ اے میرے بندو! یہ سراسر باطل ہے اور قرآنِ حکیم کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ ﴾

[آل عمران ۳ : ۷۹]

"کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کی بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو"۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرمایا ہے کہ نبی ﷺ کے لائق نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم میرے عبد بن جاؤ۔ اس بات کی مزید تائید رسول اللہ ﷺ کی اس بات سے ہوتی ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَقُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَأَمَتِي كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ إِمَاءُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِي وَجَارِيَتِي وَفَتَيَ وَفَتَاتِيْ وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ سَيِّدِيْ))

[رواہ مسلم مشکوٰۃ مع مرقاۃ ۸/۵۱۹ باب الاسامی کتابُ الادب]

"ہرگز تم میں کوئی شخص نہ کہے عبدی (میرا بندہ) اور میری لونڈی۔ سب مرد تمہارے اللہ کے بندے اور سب عورتیں تمہاری اللہ کی لونڈیاں ہیں بلکہ یوں کہے کہ میرا غلام اور میری لڑکی۔ میرا خادم اور میری خادمہ اور غلام مالک کو ربی نہ کہے بلکہ مالک کو سیدی کہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی فرد کو اس بات کی اجازت نہیں کہ کسی دوسرے شخص کو عبدی کہے۔ اور جس کام سے خود رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہو' کیا آپ اس کا ارتکاب کر سکتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عبد کا لفظ غلام و خادم کے معنوں میں مستعمل ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے ((لَا يَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّيْ)) لیکن پھر بھی کسی کو اجازت نہیں دی کہ وہ عبدی کہے کہ کسی فرد کی نسبت عبودیت میں اپنی طرف کرے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت درست ہے۔ غیر اللہ کی طرف اس کی اضافت کر کے اسماء رکھنا جائز نہیں اور کم از کم شرک کی بو سے خالی نہیں۔

﴿ قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ ﴾ میں لفظ ﴿ قل ﴾ یعنی آپ کہیں' کا مطلب یہ ہے کہ آگے جو ﴿ يَا عِبَادِيْ ﴾ ہے اس کی نسبت فرمان خداوندی کی طرف ہے نہ کہ یہ

مطلب کہ آپؐ بندوں کی اضافت اپنی طرف کر رہے ہیں۔ اس کی ممانعت سورۃ آل عمران کی آیت ۷۹ جو اوپر مذکور ہوئی ہے اس میں بھی ہے۔ اور آپؐ کی مذکورہ حدیث میں بھی اور مزاج قرآن کے بھی خلاف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو ساری زندگی غیر اللہ کی عبودیت سے منع کرتے رہے اور عبد العزی و عبد الشمس جیسے اسماء کو بدلتے رہے تو کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ عباد کی اضافت اپنی طرف کر کے عبدالنبی یا عبدالمصطفیٰ کہتے۔

اور سورۂ نور کی آیت نمبر ۳۲ میں عِبَادِكُمْ سے مراد خادم ہی ہے جیسا کہ لفظ اماء کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اور اس کی توضیح مذکورہ حدیث میں ہی ہو جاتی ہے جس میں خادم کو عبد کہا گیا ہے لیکن اس کی اضافت اپنی طرف کر کے بلانے کی کسی کو اجازت نہیں دی گئی بلکہ ((لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ)) کہہ کر ممانعت کر دی ہے۔ لہٰذا عبدالمصطفیٰ، عبدالنبی، عبدالرسول وغیرہ نام رکھنا ناروا اور ناجائز ہیں۔ کسی طرح بھی درست نہیں۔ (مجلۃ الدعوۃ، جنوری ۱۹۹۷ء)

غسل خانے میں گفتگو کرنا

س کیا غسل خانے میں نہاتے وقت گفتگو بوقت ضرورت کی جا سکتی ہے مثلاً صابن تیل وغیرہ مانگنا پڑے تو آواز دے کر طلب کیا جا سکتا ہے؟ قرآن و سنت کی رو سے واضح کریں۔ (عبداللہ، لاہور)

ج غسل خانے میں نہاتے وقت بوقت ضرورت گفتگو کرنا جائز و درست ہے۔ اس کی دلیل یہ صحیح حدیث ہے کہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((ذَهَبْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُّهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ قَالَتْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ

فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ؟ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِيءٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِيءٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ أُمِّي أَنَّهُ قَاتَلَ رَجلاً قَدْ أَجَرْتُهُ فُلَانُ بْنَ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ يَا اُمَّ هَانِيءٍ قَالَتْ أُمُّ هَانِيءٍ وَذَاكَ ضُحًى))

[صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ فی الثوب الواحد (۳۵۷)]

"میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی جس سال مکہ فتح ہوا۔ میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے آپ کے لئے پردہ کیا ہوا تھا۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں ام ہانی ابوطالب کی بیٹی ہوں۔ آپ ﷺ نے "مرحبا" کہا۔ جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو (نماز کے لئے) کھڑے ہوگئے۔ آپ نے آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ آپ نے ایک ہی کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! میری ماں کے بیٹے (علی بن ابی طالب) نے کہا ہے کہ وہ ہبیرہ کے فلاں بیٹے کو مار ڈالیں گے۔ میں نے اسے پناہ دے رکھی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے امِ ہانی جسے تو نے پناہ دی ہم نے بھی پناہ دے دی۔ ام ہانی نے کہا، یہ چاشت کا وقت تھا"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل کرتے وقت دوسرے فرد سے بات کی جا سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ام ہانی کے بارے میں پوچھا بھی اور مرحبا بھی کہا۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی غسل خانے میں نہا رہا ہو اور کسی چیز کی ضرورت پڑے تو وہ طلب کر سکتا ہے۔ شرعاً اس میں کوئی حرج و گناہ نہیں۔ (مجلۃ الدعوۃ جولائی ۱۹۹۸ء)

کیا دو بھائی بھی اکٹھے نہیں سو سکتے؟

س بچے جب شعور کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کے بستر جدا جدا کرنے چاہئیں یا کہ وہ اکٹھے ایک ہی بستر پر سو سکتے ہیں۔ پہلے تو یہ سنتے تھے کہ کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ یا کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں نہیں سو سکتے اور کیا دو بھائی بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح کیا دو بہنیں بھی اکٹھی نہیں سو سکتیں؟ قرآن وسنت کی رو سے وضاحت فرمائیں۔ (ایک سائل)

ج دین اسلام انتہائی صاف ستھرا اور پاکیزہ دین ہے۔ اسکے احکامات انتہائی عمدہ' تقویٰ' للّٰہیت' خوف باری تعالیٰ اور پاکیزگی پر مبنی ہیں۔ اسلام جہاں ظاہری گندگی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے' اس کے ساتھ ساتھ ایسے انتظامات مسلم معاشرے کو دیتا ہے جس سے ہر فرد کی روحانی تربیت بھی ہوتی ہے چونکہ شیطان اور اس کے کارندے ہمہ وقت اپنے کام میں مصروف ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے نکال کر اسے نافرمانی اور برے اعمال میں پھنسا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے لیے جہاں انہیں خود گناہ کے کاموں سے بچنے کی تلقین کی ہے وہاں پر ان کے بچوں کے لیے بھی احکامات صادر فرمائے ہیں اور ارشاد فرمایا ہے کہ :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ﴾ [التحریم٦٦ : ٦]

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے جس کے اوپر انتہائی مضبوط فرشتے مقرر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو انہیں حکم کرتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں

کرتے اور جو انہیں حکم دیا جاتا ہے وہ اسے کر گزرتے ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے مومنین کو خطاب کرتے ہوئے جہاں انہیں خود جہنم سے بچنے کا امر فرمایا ہے وہاں انہیں اپنے گھر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ لہٰذا والدین پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسی ہر حرکت سے بچانے کی کوشش کریں جو اسلام کے منافی ہو۔ اسلام نے بچوں کو شر سے بچانے کے لیے کئی ایک اقدامات کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بچہ جب ۱۰ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے الگ بستر کر کے دیا جائے تاکہ وہ ابتداء سے ہی شیطانی حرکات سے محفوظ رہے۔ رسول مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ))

[ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۴۷/ ۲ ابوداؤد (۴۹۵، ۴۹۶) دار قطنی (۸۵) مستدرک حاکم ۱/ ۱۹۷ بیہقی ۲/ ۸۴ مسند احمد ۲/ ۱۸۷ شرح السنہ (۵۰۵)]

"اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو۔ جب وہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچیں تو انہیں نماز کے ترک پر مارو اور ان کے بستر الگ کر دو"۔

علامہ محمود محمد رحمہ اللہ ابوداؤد کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ:

وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ أَيِ الْمَرَاقِدِ لِأَنَّهُمْ إِذَا بَلَغُوا عَشْرَ سِنِيْنَ يَقْرُبُوْنَ مِنْ أَدْنٰى حَدِّ الْبُلُوْغِ فَتَكْثُرُ شَهَوَاتُهُمْ فَيُخَافُ عَلَيْهِمُ الْفَسَادُ وَفِي هٰذَا دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْوَلِيِّ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ الصِّبْيَانِ فِي الْمَضَاجِعِ وَلَوْ كَانُوْا إِخْوَةً وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ [المنهل العذب المورود ۴/ ۱۲۲]

"ان کے بستر جدا جدا کر دو کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سونے کی جگہیں الگ الگ بناؤ- اس لیے کہ جب وہ ۱۰ سال کو پہنچتے ہیں تو بلوغت کی ادنیٰ حد تک قریب ہو جاتے ہیں- ان کی شہوت زیادہ ہو جاتی ہے اور ان پر فساد و خرابی کا ڈر ہوتا ہے- یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ولی پر واجب ہے کہ وہ بچوں کے درمیان سونے کی جگہوں میں تفریق ڈال دے اگرچہ وہ بھائی ہی کیوں نہ ہوں جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں"۔

اسی طرح علامہ مناوی جامع صغیر کی شرح میں فرماتے ہیں :

أَیْ فَرِّقُوْا بَیْنَ أَوْلَادِکُمْ فِی مَضَاجِعِھِمُ الَّتِیْ یَنَامُوْنَ فِیْھَا إِذَا بَلَغُوا عَشْرًا حَذَرًا مِنْ غَوَائِلِ الشَّھْوَةِ وَإِنْ کُنَّ أَخَوَاتٍ

[فتح القدیر شرح الجامع الصغیر بحوالہ عون المعبود ۱/۱۵۸]

"جب تمہاری اولاد دس برس کی عمر کو پہنچ جائے تو ان کے وہ بستر جہاں وہ سوتے ہیں- جدا جدا کر دو شہوت کی مصیبتوں سے ڈرتے ہوئے اگرچہ وہ بہنیں ہی ہوں"۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی السنن الکبریٰ میں بَابُ مَا عَلَی الْآبَاءِ وَالْأُمَّھَاتِ مِنْ تَعْلِیْمِ الصِّبْیَانِ أَمْرَ الطَّھَارَةِ وَالصَّلٰوةِ (باپوں اور ماؤں پر بچوں کی تعلیم میں پاکیزگی اور نماز سے جو لازم ہے) کے تحت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسند قوی روایت لائے ہیں کہ انہوں نے فرمایا :

حَافِظُوْا عَلٰی أَبْنَائِکُمْ فِی الصَّلٰوةِ ثُمَّ تَعَوَّدُوا الْخَیْرَ فَإِنَّمَا الْخَیْرُ بِالْعَادَةِ [بیہقی ۳/۸۴]

"اپنے بچوں کی نماز کے بارے میں حفاظت کرو پھر انہیں خیر کی عادت ڈالو اس لیے کہ خیر عادت کے ذریعے آتی ہے"۔

یعنی جب بچوں کو نیکی و بھلائی کی تم عادت ڈالو گے تو یہ نیکی و بھلائی ان میں مستقل قائم ہو گی کیونکہ جب کسی کام کی عادت پڑ جاتی ہے تو انسان اس کو جلدی

ترک نہیں کرتا۔ اس لیے بچوں کو ابتداء سے ہی اچھی باتوں کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ وہ نماز اور روزہ، تقویٰ، پرہیز گاری اور اخلاقِ حسنہ کے ابتداء سے ہی عادی بن جائیں اور شر سے بچے رہیں۔ اسی بات کے پیش نظر شریعت اسلامیہ بچوں کو دس سال کی عمر سے ہی الگ الگ بستروں میں سونے کی ہدایت کرتی ہے تاکہ وہ اخلاقِ رذیلہ اور بری عادات میں ملوث نہ ہوں۔ سائل نے سوال میں بڑی عمر کے آدمیوں کے بارے میں جو اشارہ کیا ہے وہ بھی اس حدیث کے پیش نظر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَّلَا تُفْضِي الْمَرْاَةُ اِلَى الْمَرْاَةِ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ))

[صحیح مسلم/ ۲۶۶ کتاب الحیض (۷۴/ ۳۳۸)]

"مرد مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے اور نہ ہی عورت عورت کے ستر کی طرف دیکھے اور مرد مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں جمع نہ ہو اور عورت عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں جمع نہ ہو"۔

اس میں بھی یہ حکمت پیش نظر ہے کہ مرد و زن برائی سے محفوظ رہیں اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے رکھیں کیونکہ جب خلوت اور ایک ہی بستر میں انہیں سونے کی جگہ ملے تو شیطانیت کا دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگتی۔ شریعت اسلامیہ نے اس دروازے کو بند کرنے کے لیے یہ تعلیم دی ہے کہ ۱۰ سال (جو شعوری عمر کی ابتداء ہوتی ہے) سے ہی یہ پابندی عائد کر دی جائے تاکہ برائی کے راستے مسدود ہو جائیں اس لیے ہمیں اس بات کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے اور اپنے بچوں کو اسلامی تعلیمات سے ہمکنار کرنے کے لیے پوری محنت اور تگ و دو سے کام لینا چاہیے۔ (مجلۃ الدعوۃ جون ۱۹۹۷ء)

مصنوعی بال اور وِگ (Wig) کی شرعی حیثیت

س وِگ اگر گنجا مرد استعمال کرے تو شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟ ایک حدیث کے مطابق گنجا پن ایک عیب ہے۔ اللہ نے ایک فرشتے کو تین آدمیوں کی آزمائش کے لیے بھیجا۔ ان میں ایک نابینا' ایک کوڑھ زدہ اور تیسرا گنجا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ گنجا پن بہرحال ایک عیب ہے جسے ختم ہونا چاہیے۔ تب ہی اللہ نے گنجے کی آزمائش کے لیے فرشتہ بھیجا اس لیے وگ استعمال کرنی چاہیے۔ کتاب و سُنّت سے واضح کریں نیز سر پر بال اگانے کا ایک اور جدید طریقہ ہیئر ٹرانسپلانٹ سامنے آیا ہے جس کے تحت انسان کے ایک جگہ کے بال اُتار کر دوسری جگہ اُگائے جا سکتے ہیں' کیا یہ درست ہے؟ (ڈاکٹر ظہیر قریشی' سرگودھا)

ج وِگ (Wig) یعنی سر پر مصنوعی بال لگانا یا اصلی بالوں کے ساتھ ان کو ملانا شرعی طور پر درست نہیں۔ (سوائے علاج کے جیسا کہ ہیئر ٹرانسپلانٹ کا طریقہ، علاج ہے) امامِ اعظم محمد ﷺ نے مصنوعی بال لگانے والے افراد پر لعنت وارد کی ہے۔ چند ایک احادیث ملاحظہ ہوں:

① سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ))

[بخاری کتاب اللباس باب وصل الشعر (۵۹۳۷) مسلم کتاب اللباس و الزينة باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة (۱۱۹-۲۱۲۴) ابوداؤد کتاب الترجل باب فی صلة الشعر (۴۱۶۸) ترمذی کتاب الادب باب ما جاء فی الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة (۲۷۸۳) نسائی کتاب الزينة (۵۲۶۴، ۵۱۱۰)]

"اللہ تعالٰی کی لعنت ہو مصنوعی بال لگانے والی اور مصنوعی بال لگوانے والی پر جسم گود کر نیل بھرنے والی اور بھروانے والی پر"۔

② سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ))

[بخاری کتاب اللباس باب وصل الشعر (۵۹۳۳) مسند احمد ۳۳۹/۲]

"نبی مکرم ﷺ نے مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی، جسم گود کر نیل بھرنے اور بھروانے والی پر لعنت کی ہے"۔

③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَالْوَاصِلَةَ وَالْمَوْصُوْلَةَ وَالْمُحَلَّ وَالْمُحِلَّلَ لَهُ))

[مسند ابی یعلی ۲۳۸/۹ (۵۳۵۰)، مسند احمد ۴۴۸/۱، بیہقی ۲۰۸/۷]

"رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی، حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، اس پر لعنت کی ہے"۔

④ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

((لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْوَاصِلَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ قَالَ : فَبَلَغَ ذٰلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوْبَ فَقَالَتْ بَلَغَنِي عَنْكَ أَنَّكَ لَعَنْتَ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَةِ وَالْوَاصِلَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ قَالَ : مَالِيَ لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَتْ : لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ لَوْحَيِ الْمُصْحَفِ فَمَا وَجَدْتُهُ فَقَالَ : وَاللّٰهِ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ ثُمَّ قَرَاءَ ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا

نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

[ابوداؤد کتاب الترجل باب فی صلۃ الشعر (۴۱۶۹) یہ حدیث مختلف طرق اور الفاظ کے ساتھ بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' ابنِ ماجہ اور مسند احمد وغیرہ میں مروی ہے]

"اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جسم گود کر نیل بھرنے اور بھروانے والیوں پر' مصنوعی بال لگانے والیوں پر' چہرے کے بال اکھیڑنے والیوں پر' اور خوبصورتی کے لیے دانتوں میں جھریاں بنانے والیوں پر جو کہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کرنے والیاں ہیں۔ یہ بات قبیلہ بنو اسد کی ایک عورت کو پہنچی' اسے اُمِ یعقوب کہا جاتا تھا' اس نے کہا (اے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ) مجھے تیرے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے جسم گود کر نیل بھرنے والی اور بھروانے والی' مصنوعی بال لگانے والی' چہرے کے بال اُکھیڑنے والی اور خوبصورتی کے لیے دانتوں میں جھریاں بنانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے جو کہ اللہ کی تخلیق بدلنے والیاں ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے' میں ان پر کیوں نہ لعنت کروں۔ حالانکہ یہ کتابِ اللہ میں موجود ہے۔ اس عورت نے کہا' میں نے دو تختیوں کے درمیان قرآن کا نسخہ پڑھا ہے' میں نے یہ بات نہیں پائی۔ فرمانے لگے : اللہ کی قسم اگر تو نے اسے (سمجھ کر) پڑھا ہوتا تو ضرور پا لیتی۔ پھر یہ آیت تلاوت کی : "اور جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیں' اسے لے لو اور جس سے منع کریں' اس سے باز آ جاؤ"۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنے دو استادوں محمد بن عیسیٰ اور عثمان بن ابی شیبہ سے بیان کیا ہے اور واصلات کا لفظ محمد بن عیسیٰ سے نقل کیا ہے۔

⑤ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

((أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِيْ سُفْيَانَ عَامَ حَجَّ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ

وَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِنْ شَعْرٍ كَانَتْ فِي يَدِ حَرَسِيٍّ يَقُوْلُ يَا أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَيْنَ عُلَمَاءُ كُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذِهِ وَيَقُوْلُ إِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ حِيْنَ اتَّخَذَ هٰذِهِ نِسَاءُ هُمْ))

[مؤطا مالك كتاب الشعر باب السنة فى الشعر ۲/۲۲۷' بخارى كتاب اللباس باب وصل الشعر (۵۹۳۲) مسلم كتاب اللباس والزينة (۱۲۲-۲۱۲۷) ابوداود كتاب الترجل باب فى صلة الشعر (۴۱۶۷) ترمذى كتاب الادب باب ما جاء فى كراهية اتخاذ القصة (۵۲۶۰) نسائى كتاب الزينة باب الوصل فى الشعر (۵۲۶۰)]

"انہوں نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے اس سال سنا جب انہوں نے حج کیا اور وہ منبر پر تھے۔ وہ غلام کے ہاتھ سے بالوں کا ایک جوڑا (وگ) لے کر کہہ رہے تھے اے مدینہ والو تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ایسے جوڑے (وگ) سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے جب بنی اسرائیل کی عورتوں نے اس طرح بنانا شروع کیا اس وقت بنی اسرائیل ہلاک ہو گئے"۔

⑥ سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک دن معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((إِنَّكُمْ قَدْ أَحْدَثْتُمْ زِيَّ سُوْءٍ وَأَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الزُّوْرِ قَالَ : وَجَاءَ رَجُلٌ بِعَصًا عَلٰى رَأْسِهَا خِرْقَةٌ قَالَ مُعَاوِيَةُ اَلَا وَهٰذَا الزُّوْرُ قَالَ قَتَادَةُ يَعْنِي مَا يُكَثِّرُ بِهِ النِّسَاءُ أَشْعَارَهُنَّ مِنَ الْخِرَقِ))

[مسلم كتاب اللباس والزينة (۱۲۴-۲۱۲۷)' مسند احمد ۴/۹۳]

"تم نے بُری وضع ایجاد کر دی ہے اور یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زُور سے منع کیا ہے۔ ایک شخص ایک لکڑی لے کر آیا جس کی نوک پر ایک چیتھڑا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا خبردار یہی زُور ہے۔ راوی حدیث قتادہ نے

فرمایا: مراد یہ ہے کہ عورتیں چیتھڑے لا کر بال بہت کر لیتی ہیں"۔

⑦ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ :

((إِنَّ جَارِيَةً مِنَ الْأَنْصَارِ تَزَوَّجَتْ وَإِنَّهَا مَرِضَتْ فَتَمَعَّطَ شَعْرُهَا فَأَرَادُوا أَنْ يَصِلُوهَا فَسَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ))

[بخاری کتاب اللباس باب وصل الشعر (۵۹۳۴) مسلم کتاب اللباس والزینة (۱۱۷-۲۱۲۳) نسائی ۱۴۶/۸ (۵۱۱۲) مسند احمد ۱۱۱/۶، ۱۱۶، ۲۲۸-۲۳۴ مسند طیالسی ۳۵۷/۱ (۱۸۴۰) تاریخ بغداد ۳۰۹/۱۱ مسند ابی یعلٰی ۱۹۴/۸ (۴۷۵۳)]

"ایک انصاری لڑکی کی شادی ہوئی لیکن وہ مریض ہو گئی اس کے سر کے بال گر گئے۔ انہوں نے چاہا کہ اس کے بالوں میں مصنوعی بال (وگ) ملا دیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی پر لعنت کی ہے"۔

⑧ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ :

((إِنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ : إِنِّي أَنْكَحْتُ ابْنَتِي ثُمَّ أَصَابَهَا شَكْوَى فَتَمَزَّقَ رَأْسُهَا وَزَوْجُهَا يَسْتَحِثُّنِي بِهَا أَفَأَصِلُ رَأْسَهَا؟ فَسَبَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَاصِلَةَ الْمُسْتَوْصِلَةَ))

[بخاری کتاب اللباس باب وصل الشعر (۵۹۳۵) مسلم کتاب اللباس والزینة باب تحریم فعل الْوَاصِلَةَ والْمُسْتَوْصِلَةَ (۱۱۶-۲۱۲۲) شرح السنة باب النہی عن وصل الشعر والوشم ۱۰۲/۱۲ (۳۱۸۸) مسند احمد ۳۴۵/۶، ۳۴۶، ۳۵۰، ۳۵۳]

"ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: میں نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا تھا۔ پھر اسے بیماری لاحق ہوئی اور سر کے بال گر گئے۔ اس کا خاوند خواہش مند ہے کہ میں اس کے بالوں میں مصنوعی بال

(وگ) جوڑ دوں۔ اب کیا میں مصنوعی بال (وگ) لگا سکتی ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر مصنوعی بال لگانے اور لگوانے والی پر لعنت کی"۔

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ صریحہ محکمہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مصنوعی بال (وگ) ناجائز و ممنوع ہیں اور یہ جعلسازی اور دھوکہ ہے یہاں تک کہ آپؐ نے ایک ایسی عورت کو بھی وِگ لگانے کی اجازت نہیں دی جس کے بال بیماری کی وجہ سے گر گئے تھے۔ حالانکہ اس عورت کا خاوند بھی خواہش مند تھا کہ وہ وِگ استعمال کرے لیکن امام اعظم محمد ﷺ نے ایسا کام سرانجام دینے والے پر لعنت کی۔

ظاہر ہے کہ عورتوں کے لیے سر کے بال زینت ہیں اور محرم کے سامنے اظہار زینت ایک فطری تقاضا ہے اور اسلام محرم افراد کے سامنے اس کی اجازت بھی دیتا ہے لیکن اس کے باوجود جعلی اور مصنوعی بال استعمال کرنے پر سخت وعید ہے۔ جب عورت کو اس کی اجازت نہیں تو مرد کو وِگ استعمال کرنے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس حرمت کا اطلاق مردوں پر بالاولیٰ ہے اور صحیح بخاری کتاب اللباس باب وصل الشعر (۵۹۳۸) وغیرہ میں اسے معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہود کا عمل قرار دیا ہے چنانچہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

((قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِيْنَةَ آخِرَ قَدْمَةٍ قَدِمَهَا فَخَطَبَنَا فَأَخْرَجَ كُبَّةً مِنْ شَعْرٍ قَالَ : ما كُنْتُ أَرَى أَحَدًا يَفْعَلُ هٰذَا غَيْرَ الْيَهُوْدِ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمَّاهُ الزُّوْرَ يَعْنِي الْوَاصِلَةَ فِي الشَّعْرِ))

" امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں آخری مرتبہ تشریف لائے تو ہمیں خطبہ دیا اور بالوں کا ایک گچھا نکال کر فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ یہودیوں کے علاوہ اور کوئی یہ فیشن کرتا ہو گا۔ نبی مکرم ﷺ نے اسے زُور (جھوٹ فریب) سے تعبیر فرمایا یعنی بال جوڑنا"۔

اس حدیث سے بالصراحت یہ معلوم ہوا کہ وِگ لگانا یہودیوں کا کام تھا اور آج بھی ہے لہٰذا مسلمان مرد ہوں یا عورتیں' انہیں وِگ لگانے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

امام ابنِ قدامہ مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَهٰذِهِ الْخِصَالُ مُحَرَّمَةٌ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ فَاعِلَهَا وَلَا يَجُوْزُ لَعْنُ فَاعِلِ الْمُبَاحِ [المغنی ۱/۱۲۹]

"حدیث میں ذکر کردہ خصلتیں حرام ہیں۔ اسلئے کہ نبی ﷺ نے ان کے عامل پر لعنت کی ہے اور مباح کام سرانجام دینے والے کو لعنت کرنا جائز نہیں" یعنی وِگ وغیرہ لگانا حرام ہے کیونکہ وِگ لگانے پر شرع میں لعنت وارد ہوئی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ صَرِيْحَةٌ فِي تَحْرِيْمِ الْوَصْلِ وَلَعْنِ الْوَاصِلَةِ وَالْمُسْتَوْصِلَةِ مُطْلَقًا وَهٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ الْمُخْتَارُ

[شرح مسلم للنووی ۱۴/۸۷ طبع بیروت]

"یہ احادیث وِگ کی حرمت اور وِگ لگانے اور لگوانے والی پر لعنت میں مطلق طور پر واضح ہیں اور یہی مذہب ظاہر و مختار ہے"۔

[نیز دیکھیں السراج الوهاج من کشف مطالب صحیح مسلم بن الحجاج ۲/۳۰۶ للنواب صدیق حسن خان قنوجی]

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَقَالَ مَالِكٌ وَالطَّبَرِيُّ وَكَثِيْرُوْنَ أَوِ الْأَكْثَرُوْنَ: اَلْوَصْلُ مَمْنُوْعٌ بِكُلِّ شَيْءٍ سَوَاءٌ وَصَلَتْهُ بِشَعْرٍ أَوْ صُوْفٍ أَوْ خِرَقٍ وَاحْتَجُّوا بِحَدِيْثِ جَابِرٍ الَّذِيْ ذَكَرَهُ مُسْلِمٌ بَعْدَ هٰذَا أَنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَجَرَ أَنْ تَصِلَ الْمَرْأَةَ بِرَأْسِهَا شَيْئًا

"امام مالک، امام طبری اور دیگر بہت سے ائمہ دین رحمہم اللہ نے فرمایا:
بالوں کو ہر چیز کے ساتھ جوڑنا منع ہے خواہ انہیں دیگر بالوں یا اون یا کپڑے کے ساتھ جوڑا جائے اور ان ائمہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے احتجاج کیا ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کے بعد ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اس بات سے ڈانٹا ہے کہ وہ اپنے سر کے (بالوں) کے ساتھ کسی اور چیز کو جوڑے"۔

[یہ حدیث صحیح مسلم کتاب اللباس والزینہ (۱۲۱-۲۱۲۶) اور مسند احمد ۳/۲۹۶ میں موجود ہے۔ نیز دیکھیں غایۃ المرام للالبانی حفظ اللہ ص (۸۰، ۸۲)]

امام نووی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

وَفِي هٰذَا الْحَدِيْثِ أَنَّ الْوَصْلَ حَرَامٌ سَوَاءٌ كَانَ لِمَعْذُوْرَةٍ أَوْ عَرُوْسٍ أَوْ غَيْرِهِمَا

[شرح مسلم للنووی ۱۴/۸۸ السراج الوہاج ۲/۳۰۶]

"اور اس حدیث (اسماء) میں یہ بات ہے کہ وِگ لگانا حرام ہے خواہ وہ معذور کے لیے ہو یا دلہن کے لیے یا ان دونوں کے علاوہ کے لیے ہو"۔

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ اس کے بعد فرماتے ہیں:

وَهُوَ الْحَقُّ

"یہی بات حق ہے"۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَفِي هٰذَا الْحَدِيْثِ حُجَّةٌ لِمَنْ قَالَ يَحْرُمُ الْوَصْلُ فِي الشَّعْرِ وَالْوَشْمِ وَالنَّمْصِ عَلَى الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ بِهِ وَهِيَ حُجَّةٌ عَلَى مَنْ حَمَلَ النَّهْيَ فِيْهِ عَلَى التَّنْزِيْهِ لِأَنَّ دَلَالَةَ اللَّعْنِ عَلَى التَّحْرِيْمِ مِنْ أَقْوَى الدَّلَالَاتِ بَلْ عِنْدَ بَعْضِهِمْ أَنَّهُ مِنْ عَلَامَاتِ الْكَبِيْرَةِ

[فتح الباری ۱۰/۳۷۷]

ان احادیث میں ایسے آدمی کے لیے دلیل ہے جو کہتا ہے کہ بالوں میں وِگ لگانا' جسم گود کر نیل بھرنا اور چہرے کے بال نوچنا فاعل اور مفعول دونوں پر حرام ہیں اور یہ ان لوگوں پر حجت ہے۔ جو نہی کو تنزیہ پر محمول کرتے ہیں اس لیے کہ لفظ لعن کی دلالت حرمت پر قوی ترین دلالتوں میں سے ہے بلکہ بعض کے نزدیک کبیرہ گناہوں کی علامات میں سے ہے۔

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ اور ائمہ محدثین کی تشریحات سے واضح ہوا کہ مصنوعی بال لگانا ممنوع و حرام ہیں اور یہود کی عادات میں سے ہے۔ مرد و زن اس حکم میں برابر ہیں۔

گنجے پن کو ختم کرنے کے لیے صحیح علاج کروایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا و علاج رکھا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً))

[بخاری کتاب الطب (۵۶۷۸)]

"اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کے لیے اس نے شفا بھی نازل کی ہے"۔

اُسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ كَأَنَّمَا عَلٰى رُؤُوْسِهِمُ الطَّيْرُ فَسَلَّمْتُ ثُمَّ قَعَدْتُ فَجَاءَ الْأَعْرَابُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَتَدَاوٰى؟ فَقَالَ تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلاَّ وَضَعَ لَهُ دَوَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَّاحِدٍ : اَلْهَرَمُ))

[ابوداؤد کتاب الطب باب فی الرجل یتداوی (۳۸۵۵) ترمذی کتاب

الطب باب ماجاء فی الدواء والحث علیه (۳۰۳۸) ابنِ ماجه کتاب الطب باب ما انزل الله داء الا انزل له شفاء (۳۴۳۶)]

"میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (آپ کے گرد) ایسے تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ میں نے سلام کیا پھر بیٹھ گیا۔ دیہاتی لوگ اِدھر اُدھر سے آئے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم علاج کریں؟ آپ نے فرمایا: علاج کرو یقیناً اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں رکھی مگر اس کے لیے دوا بھی اُتاری ہے سوائے ایک بیماری کے اور وہ موت ہے"۔

معلوم ہوا کہ ہر مرض کا علاج موجود ہے سوائے موت کے۔ اس لئے گنجے پن کا علاج کیا جا سکتا ہے اور سوال میں موجود جو طریقہ علاج ذکر کیا گیا ہے اس میں بظاہر کوئی ممانعت معلوم نہیں ہوتی جیسے آدمی کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دوسری جگہ پر بطور علاج لگایا جانا بالاتفاق جائز ہے اسی طرح جسم کے کسی جگہ کے بال اُتار کر اگر سر پر لگانے سے بال اُگ آتے ہیں تو کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

كتاب

الحظر والإباحة

موسیقی کی شرعی حیثیت

س موسیقی کی شرعی حیثیت کیا ہے- نیز آلات موسیقی وغیرہ کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے؟ کتاب و سنت کی رو سے وضاحت فرمائیں- جزاک اللہ خیرا-

(عبداللہ' رحیم یار خان)

ج اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۂ لقمان کے اندر اہل سعادت جو اللہ کے کلام کے سماع سے فیض یاب ہوتے ہیں ان کا ذکر کر کے پھر ان اہل شقاوت کا ذکر کیا ہے جو کلام الٰہی سننے سے تو اعراض کرتے ہیں لیکن نغمہ و سرود' ساز و موسیقی اور گانے وغیرہ خوب ذوق و شوق سے سنتے ہیں بلکہ ایسے افراد بھی ہیں جو اسے عبادت سمجھتے ہیں-

آیاتِ قرآنی :

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ [لقمان ۳۱ : ۶'۷]

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غافل کرنے والی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو گمراہ کریں اور اسے ہنسی و مذاق بنائیں یہی

وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے اور جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتے ہوئے اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں۔ گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے۔ آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں"۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ﴿لھو الحدیث﴾ کا مطلب گانا بجانا اور آلاتِ طرب وغیرہ ہیں جیسا کہ صحابیِ رسول ﷺ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((اَلْغِنَاءُ وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُرَدِّدُھَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ))

[ابنِ ابی شیبہ ۶/۳۰۹، تفسیر ابن کثیر ۳/۴۸۶، ابن جریر طبری ۲۱/۶۲، بیہقی ۱۰/۲۲۳، مستدرک حاکم ۲/۴۱۱]

"اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس آیت میں لھو الحدیث سے مراد گانا بجانا ہے۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ دہرائی"۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحُ الْاَسْنَادِ وَلَمْ یُخْرِجَاہُ

"یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اسے تخریج نہیں کیا"۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی امام حاکم کی تصحیح کی موافقت کی ہے۔

مفسر قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "ھُوَ الْغِنَاءُ وَأَشْبَاھُہٗ" کہ لھو الحدیث سے مراد گانے بجانے اور اس کی مثل اشیاء ہیں۔ اس کی سند حسن ہے۔

(تفسیر ابن جریر طبری ۲۱/۶۱، ۶۲، بیہقی ۱۰/۲۲۱، کشف الاستار (۲۲۶۴)، ابن ابی شیبہ ۶/۳۱۰، تفسیر عبدالرزاق، الادب المفرد (۷۸۶)۔

علاوہ ازیں جابر، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، ابراہیم نخعی، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب، علی بن بذیمہ رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔)

(تفسیر ابن کثیر ۳/۴۸۶ المنتقی النفیس من تلبیس ابلیس ص: ۳۰۲)

ائمہ سلف رحمۃ اللہ علیہم کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ لھو الحدیث کا مفہوم آلات

ضرب و گانا بجانا ہے۔ لہٰذا ایسے آلات خریدنا جو گانے بجانے' ضلالت و گمراہی کا سرچشمہ ہوں' حرام ہیں۔ مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے آلات سننے والے افراد کی یہ خصلت بھی ہوتی ہے کہ وہ آیت قرآنیہ کے سماع سے بھاگتے ہیں اور یہ بات عملاً دیکھی گئی ہے کہ جب کسی ڈرائیور کو جب وہ گانا بجانا لگاتا ہے' تلاوت وغیرہ کی کیسٹ لگانے کو کہا جائے تو وہ اس پر غصے ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات لڑ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو دردناک عذاب کی بشارت دی ہے اور جس کام پر عذابِ الیم کی وعید ہو وہ کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الزواجر عن اقتراف الکبائر" اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الکبائر" میں تصریح ہے بلکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ :

اَلْكَبَائِرُ كُلُّ ذَنْبٍ خَتَمَهُ اللّٰهُ بِنَارٍ اَوْلَعْنَةٍ اَوْغَضَبٍ اَوْ عَذَابٍ

"ہر وہ گناہ جس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اختتام آگ' غضب' لعنت یا عذاب کے الفاظ کے ساتھ کیا ہو وہ کبیرہ گناہ ہے"۔

تفسیر ابن جریر طبری نیز کبیرہ گناہوں کا تذکرہ سورۂ نساء ۳۱ اور سورۂ نجم ۳۲ میں موجود ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ ۝ ﴾ [نجم : ۵۹-۶۱]

"کیا تم اس بات (قرآن) سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو' روتے نہیں بلکہ تم کھیل رہے ہو"۔

اس آیت کریمہ میں قرآن مجید کے سماع پر ہنسنے اور کھیلنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں پر "سامدون" یعنی کھیلنے والے کی تفسیر صحابی رسول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یوں بیان کرتے ہیں :

هُوَ الْغِنَاءُ بِالْحِمْيَرِيَّةِ أَسْمَدَ لَنَا تَغَنَّى [بیھقی ۱۰/۲۲۳ ابن جریر

طبری ۲۷/۸۲]

"حمیری قبیلے کی لغت میں "سمد" سے مراد گانا ہے جب کوئی شخص گانا گائے تو کہتے ہیں اسمدلنا"۔

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ الْغِنَاءُ يَقُوْلُ أَهْلُ الْيَمَنِ سَمَدَ فُلَانٌ إِذَا غَنّٰى

[المنتقى النفيس ص : ۳۰۴]

"اس سے مراد گانا ہے جب کوئی شخص گانا گائے تو اہل یمن کہتے ہیں" سمد فلان"۔

تیسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ ﴾ [بنی اسرائیل ۱۷ : ۶۴]

"اور ان میں سے تو جسے بھی اپنی آواز سے بہکا سکتا ہے بہکا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا اور ان کے مال اور اولاد میں تو شریک ہو جا اور ان سے وعدے کر اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر سب کے سب فریب و دھوکا ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں شیطانی آواز سے مراد موسیقی' آلات طرب' گانے بجانے اور رقص و سرود کی محافل میں فحش گوئی اور ہر وہ آواز ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دیتی ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ الْغِنَاءُ وَالْمَزَامِيْرُ

[المنتقى النفیس / ۳۰۴ تفسیر ابن کثیر ۳/۵۶]

"اس سے مراد گانا اور مزامیر ہے"۔

قرآن مجید کی ان آیات ثلاثہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گانا بجانا اور آلات طرب

حرام و شیطانی آوازیں ہیں۔ ان سے اجتناب لازم ہے۔ اس کے بارے میں چند ایک احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ ملاحظہ ہوں۔

گانے کے متعلق احادیثِ رسول ﷺ :

① ابوعامر رضی اللہ عنہ یا ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((لَيَكُوْنَنَّ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَّ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَى جَنْبِ عَلَمٍ يَرُوْحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَّهُمْ يَأْتِيْهِمْ يَعْنِي الْفَقِيْرَ لِحَاجَةٍ فَيَقُوْلُوا ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا فَيُبَيِّتُهُمُ اللّٰهُ وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ آخَرِيْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

[بخاری کتاب الاشربة (۵۵۹۰) مع فتح الباری ۵۱/۱۰ تغلیق التعلیق ۱۷/۵، مسند الشامیین ۳۳۴/۱ (۵۸۸)، لمعجم الکبیر (۳۴۱۷)، بیهقی ۲۲۱/۱۰ ابوداؤد (۴۰۳۹)، تهذیب السنن ۲۷۱/۵، تاریخ کبیر ۳۰۴/۱، ۳۰۵]

”میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجے حلال ٹھہرائیں گے اور چند لوگ ایک پہاڑ کے پہلو میں اتریں گے۔ شام کو ان کا چرواہا ان کے جانور لے کر ان کے پاس آئے گا تو ان کے پاس فقیر آدمی حاجت و ضرورت کے لیے آئے گا۔ اسے کہیں گے ہمارے پاس کل آنا۔ رات کو اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ گرا کر انہیں تباہ کر دے گا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو بندر اور سور بنا دے گا۔ وہ قیامت تک اسی طرح رہیں گے“۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ باجے گاجے حلال سمجھنے والے لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔ یہاں پر بندر اور سور کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے اور بندر

حرص میں اور سور بے حیائی میں ضرب المثل ہے یعنی حدیث میں مذکورہ صفات کے حاملین دنیا دار، شہوت پرست اور حریص و لالچی ہوں گے اور بے حیائی و بے غیرتی میں سور کی مثل ہوں گے۔

② یہ حدیث دوسری سند سے ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيَشْرِبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا يُعْزَفُ عَلٰى رُؤُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ))

[ابن ابی شیبہ ۸/۱۰۷، ابن ماجہ (۴۰۲۰)، تاریخ کبیر ۱/۳۰۵، موارد الظمآن (۱۳۸۴)، بیہقی ۸/۲۹۵، ۱۰/۲۲۱، طبرانی کبیر (۳۴۱۹)، تاریخ جرجان للسہمی ص: ۵۱۱، ۱۱۲، تغلیق التعلیق ۵/۲۰، ۲۱، شعب الایمان و کتاب الآداب للبیہقی مسند احمد ۵/۳۴۲، ابو داؤد مختصراً (۳۶۸۸)]

"البتہ ضرور میری اُمت کے لوگ شراب پئیں گے اس کا نام بدل دیں گے (جیسے وہسکی وغیرہ) ان کے سروں پر گلو کارائیں اور آلات طرب بجائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض افراد کو بندر اور سور بنا دے گا"۔

③ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰى أُمَّتِي الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْمِزْرَ وَالْكُوْبَةَ وَالْقِنِّيْنَ وَزَادَنِي صَلَاةَ الْوِتْرِ))

[مسند احمد ۲/۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۵۸، ابو داؤد (۳۶۸۵)، بیہقی ۱۰/۲۲۱، ۲۲۲، کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۵۱۹]

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری اُمت پر شراب، جوا، گیہوں کی نبیذ، طبلہ اور

سارنگی حرام کر دیے ہیں اور نماز وتر مجھے زائد عطا کی ہے"۔

④ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ :

((اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَ قَالَ : كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ.))

[مسند احمد ۲۸۹/۱٬ ۲۷۴٬ ۳۵۰ کتاب الاشربه لاحمد (۱۹۳٬ ۱۹۴)٬ ابوداؤد (۳۶۹۶)٬ بیہقی ۲۲۱/۱۰٬ تحفۃ الاشراف ۱۹۷/۵٬ طبرانی کبیر ۱۰۱/۱۲٬ ۱۰۲٬ دارقطنی ۷/۳]

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب اور جوا اور طبلہ حرام کیا ہے اور فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے"۔

⑤ عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ مِزْمَارًا قَالَ : فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ عَلٰى أُذُنَيْهِ وَنَاىٰ عَنِ الطَّرِيْقِ وَقَالَ لِي : يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا قَالَ : فَقُلْتُ : لَا قَالَ : فَرَفَعَ إِصْبَعَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ وَقَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ مِثْلَ هٰذَا فَصَنَعَ مِثْلَ هٰذَا

[ابوداؤد (۴۹۲۵)٬ بیہقی ۲۲/۱۰٬ المنتقی النفیس ص ۳۰۴٬ موارد الظمآن (۲۰۱۳) مسند احمد ۸/۲٬ ۳۸٬ تحریم النرد للآجری (۶۴)٬ حلیۃ الاولیاء ۱۲۹/۶ السماع لابن طاہر /۵۹ طبرانی صغیر ۱۳/۱]

"نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بانسری کی آواز سنی تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں رکھ دیں اور راستے سے ہٹ گئے اور مجھے کہا اے نافع کیا تو کوئی آواز سن رہا ہے میں نے کہا نہیں تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں سے اٹھا لیں اور فرمایا۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ نے اسی طرح کی آواز سنی اور ایسا ہی کیا"۔

⑥ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَ قَذْفٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَتٰی ذَاكَ؟ قَالَ إِذَا ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ۔

[ترمذی (۲۲۱۲) ابن ابی الدنیا فی ذم الملاهی صحیح بشواهده]

"عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت میں زمین کے اندر دھنسا' صورتیں بدلنا اور بہتان بازی پیدا ہوگی۔ مسلمانوں سے ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کب؟ آپ نے فرمایا جب گلوکارائیں اور طبلے سارنگیاں عام ہوں گے اور شرابیں پی جائیں گی"۔

اس کی مزید تائید عبدالرحمٰن بن سابط تابعی کی مرسل روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابن ابی شیبہ ۱۵/۱۶۴ اور ابن ابی الدنیا میں موجود ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو المحلّٰی لابن حزم ۹/۵۸ وغیرہ میں بھی اسی طرح مروی ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إِنَّمَا نُهِيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ : صَوْتُ مِزْمَارٍ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَصَوْتُ رَنَّةٍ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ.))

[طبقات ابن سعد ۱/۱۳۸' ترمذی (۱۰۰۵)' مسند طیالسی (۱۶۸۳)' حاکم ۴/۴۰ الاربعین للآجری/۱۱۷' مسند ابی یعلی المنتقی والنفیس /۳۰۵' شرح السنة ۵/۴۳۱' امام بغوی فرماتے ہیں "هذا حدیث حسن" یہ حدیث حسن ہے]

"مجھے دو بری ترین آوازوں سے روکا گیا ہے۔ (۱) خوشی کے وقت بانسری کی آواز (۲) مصیبت کے وقت رونے کی آواز (یعنی نوحہ گری وغیرہ)"۔

یہی حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مسند بزار (۷۹۵) میں موجود ہے۔ امام منذری رحمہ اللہ نے الترغیب والترہیب ۴/۳۵۰ میں امام ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد

۱۳/۴ میں مسند بزار سے نقل کر کے اس کے رواۃ کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے المنتقی النفیس /۳۰۵ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

⑧ ((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الزَّمَّارَةِ))

[شرح السنة ۲۳/۸ (۲۰۳۸)، بیهقی ۱۲۶/۶، تفسیر بغوی علی هامش الخازن ۲۱۴/۵، غریب الحدیث لابی عبید ۳۴۱/۱]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور گلو کارہ کی کمائی سے منع کیا ہے"۔

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم :

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا اثر اوپر قرآنی آیات کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل احادیث مرفوعہ کے ضمن میں بیان ہوا ہے ان کا ایک اور اثر ملاحظہ ہو :

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ إِلَى السُّوْقِ فَمَرَّ عَلٰى جَارِيَةٍ صَغِيْرَةٍ تَغَنِّيْ فَقَالَ : إِنَّ الشَّيْطَانَ لَوْ تَرَكَ أَحَدًا تَرَكَ هٰذِهٖ

[الادب المفرد (۷۸۴)، ابن ابی الدنیا ۱/۱۵۶، قلمی، بیهقی ۲۲۳/۱۰، شعب الایمان]

"عبداللہ بن دینار فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بازار کی طرف نکلا۔ آپ ایک چھوٹی سی بچی کے پاس سے گزرے وہ گانا گا رہی تھی۔ آپ نے فرمایا : یقیناً شیطان اگر کسی کو چھوڑتا تو وہ اس بچی کو چھوڑ دیتا"۔

② عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر :

اُمِّ علقمہ بیان کرتی ہیں :

إِنَّ بِنَاتَ أَخِي عَائِشَةَ خُتِنَّ فَقِيْلَ لِعَائِشَةَ أَلَا تَدْعُوا لَهُنَّ مَنْ يُلْهِيْهِنَّ قَالَتْ : بَلَى فَأَرْسَلْتُ إِلَى عَدِيٍّ فَأَتَاهُنَّ فَمَرَّتْ عَائِشَةُ فِي الْبَيْتِ فَرَءَ تْهُ يَتَغَنَّى وَيُحَرِّكُ رَأْسَهُ طَرَبًا وَكَانَ ذَا شَعْرٍ كَثِيْرٍ فَقَالَتْ أُفٍّ شَيْطَانٌ أَخْرِجُوْهُ أَخْرِجُوْهُ

[الادب المفرد (۱۲۴۷)، بیهقی ۱۰/ ۲۲۳، ۲۲۴، نزهة الاسماع ص : ۶۱ سلسلة الاحاديث الصحيحة ۲/ ۳۵۸]

"عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کی بیٹیوں کا ختنہ کیا گیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کیا ہم ان بچیوں کے لیے کسی ایسے فرد کو دعوت دیں جو انہیں کھیل میں مشغول کر دے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ عدی نامی آدمی کو پیغام دیا گیا۔ وہ آیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا (اس کے پاس سے) گھر میں سے گزریں۔ اسے دیکھا تو وہ گانا رہا تھا اور جھوم جھوم کر سر ہلا رہا تھا اور وہ گھنے بالوں والا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا افسوس یہ تو شیطان ہے اس کو نکال دو۔ اس کو نکال دو اور ایک روایت میں ہے' انہوں نے اس کو نکال دیا"۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا اثر :

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

[المائدہ ۵ : ۹۰]

"اے ایمان والو! شراب' جوا' آستانے اور فالنامے کے تیر پلید ہیں شیطانی کام سے ہیں ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ"۔

اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

"هِيَ فِي التَّوْرَاةِ إِنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ الْحَقَّ لِيُذْهِبَ بِهِ الْبَاطِلَ وَيُبْطِلَ بِهِ اللَّعِبَ وَالزَّفِنَ وَالزَّمَّارَاتِ وَالْمَزَاهِرَ وَالْكِنَّارَاتِ وَالتَّصَاوِيْرَ وَالشِّعْرَ وَالْخَمْرَ لِمَنْ طَعِمَهَا ' اَقْسَمَ بِيَمِيْنِهِ وَ عِزَّتِهِ لَمَنْ شَرِبَهَا بَعْدَ مَا حَرَّمْتُهَا لَا عِطِشَنَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ تَرَكَهَا بَعْدَ مَا حَرَّمْتُهَا سَقَيْتُهُ إِيَّاهَا مِنْ حَظِيْرَةِ الْقُدُسِ"

[بیهقی ۲۲۲/۱۰ تفسیر ابن ابی حاتم ۱۱۹۶/۴ غریب الحدیث لابی عبید ۲۷۶/۴ وغریب الحدیث لابن قتیبة ۳۸۸/۲]

" یہ بات تورات میں ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے حق اتارا تاکہ اس کے ذریعے باطل ختم کر دے اور اس کے ذریعے کھیل و تماشے' ناچ' بانسریاں' سارنگیاں' ڈھولکیں' تصویریں' برے شعر اور شراب کو باطل قرار دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و عزت کی قسم کھائی ہے کہ جس نے اس کو میرے حرام کرنے کے بعد پیا' میں اسے قیامت کے روز ضرور پیاسا رکھوں گا اور جس نے اسے میرے حرام کرنے کے بعد ترک کر دیا' میں اس کو جنت سے یہ پلاؤں گا"۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"اِعْلَمْ أَنَّ سَمَاعَ الْغِنَاءِ يَجْمَعُ شَيْئَيْنِ أَحَدُهُمَا : إِنَّهُ يُلْهِي الْقَلْبَ عَنِ التَّفْكِيْرِ فِي عَظْمَةِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَالْقِيَامَةِ بِخِدْمَتِهِ وَالثَّانِي : إِنَّهُ يُمِيْلُهُ إِلَى اللَّذَّاتِ وَالْعَاجِلَةِ الَّتِي تَدْعُوا إِلَى اسْتِيْفَائِهَا مِنْ جَمِيْعِ الشَّهَوَاتِ الْحِسِّيَّةِ وَ مُعْظَمُهَا النِّكَاحُ وَ لَيْسَ تَمَامُ لَذَّتِهِ إِلَّا فِي الْمُتَجَدِّدَاتِ وَلَا سَبِيْلَ إِلَى كَثْرَةِ الْمُتَجَدِّدَاتِ مِنَ الْحِلِّ فَلِذٰلِكَ يَحُثُّ عَلَى الزِّنٰى"

[المنتقى النفيس/۲۸۹]

"گانا سننا دو چیزوں کو جمع کرتا ہے۔ ایک تو دل کو اللہ تعالیٰ کی عظمت میں غور کرنے اور اس کی خدمت میں قائم رہنے سے غافل کر دیتا ہے اور دوسرے دل کو جلد حاصل ہونے والی لذتوں کی طرف رغبت دلاتا ہے اور ان کے پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر قسم کی حسی شہوتیں پیدا کرتا ہے جن میں بہت بڑی شہوت نکاح ہے اور نکاح کی پوری لذت نئی عورتوں میں ہے اور نئی عورتوں کی کثرت حلال ذریعے سے حاصل ہونا دشوار ہے۔ للہذا انسان کو زنا پر برانگیختہ کرتا ہے"۔

مندرجہ بالا آیات' احادیثِ صحیحہ و آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ گانے بجانے کے آلات یعنی طبلے' سارنگیاں' بانسریاں' ڈھولکیں' باجے گاجے' طنبورے' ڈفلیاں' تونبے' ڈگڈگیاں اور سائرن شرعاً حرام و ناجائز ہیں' پھر ان پر رقص و سرود کی محافل قائم کر کے گانے گانا جو کہ انسانی شہوات کو بھڑکانے اور انہیں لذات کی طرف مائل کرنے کا بھرپور سامان ہے' ان کی خرید و فروخت قطعاً درست نہیں۔ [مجلۃ الدعوۃ فروری ۱۹۹۸ء]

اپریل فول کی شرعی حیثیت

س اپریل فول کا صحیح مفہوم کیا ہے نیز اس کا شرعی حکم واضح کریں؟

(ابوالحسین' منڈی بہاؤ الدین)

ج اپریل فول (APRIL FOOL) کا شرعی حکم معلوم کرنے سے پہلے اس کا مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ اپریل انگریزی سال کا چوتھا مہینہ ہے۔ یہ لفظ لاطینی زبان کا لفظ ہے Aprilis اپریلیس یا Aperire ایپریر سے ماخوذ ہے۔ یہ لفظ موسم بہار کے آغاز' پھولوں کے کھلنے اور نئی کونپلیں پھوٹنے کے موسم کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اور Fool فول بے وقوفی' حماقت اور جھوٹ کے لیے مستعمل ہے۔ اپریل فول کا مفہوم یہ ہوا کہ اپریل کی یکم تاریخ کو وہ لوگ جھوٹ بول کر

استہزاء و مذاق کیا کرتے تھے۔ اس کی مختلف توجیہات کی جاتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ فرانس میں سال کی ابتداء جنوری کی بجائے اپریل سے ہوتی تھی جب فرانس میں تاریخی کیلنڈر تبدیل کیا گیا اور ۱۵۶۴ء میں نیا کیلنڈر جاری کیا گیا تو جو لوگ اس نئے کیلنڈر کو تسلیم نہیں کرتے تھے اس کی مخالفت کرتے تھے' انہیں طعن و تشنیع' مذاق' ٹھٹھا اور استہزاء کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور ان کے ساتھ انتہائی برے طریقے سے پیش آیا جاتا تھا۔

اپریل فول کا ذکر سب سے پہلے ڈریک نیوز لیٹر (Drak New Letter) اخبار میں ملتا ہے۔ مذکورہ اخبار نے دو اپریل ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں لکھا کہ کچھ لوگوں نے یکم اپریل کو لندن ٹاور میں شیروں کے غسل کا عملی مشاہدہ کرانے کا اعلان کیا۔

یکم اپریل کو یورپ میں ہونے والے مشہور واقعات میں سب سے اہم اور مشہور یہ واقعہ ہے جو ایک انگریزی اخبار الفینج سٹار نے ۳۱ مارچ ۱۸۴۶ء کو اعلان کیا کہ یکم اپریل کو اسلنجنون (شہر کا نام) کے زراعتی فارم میں گدھوں کی عام نمائش اور میلہ ہو گا۔ لوگ انتہائی شوق سے لپک لپک کر آئے۔ جمع ہوئے اور نمائش کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ انتظار میں تھک کر چور ہو گئے تو انہوں نے پوچھنا شروع کیا کہ میلہ کب شروع ہو گا؟ مگر انہیں کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ آخر کار انہیں بتایا گیا کہ جو لوگ نمائش دیکھنے میلے میں آئے ہیں وہ خود ہی گدھے ہیں۔ (ماخوذ از: "اپریل فول کی تاریخی و شرعی حیثیت")۔

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ اپریل فول یہودیوں و عیسائیوں کی جاری کردہ قبیح رسم ہے جس میں جھوٹ پر مبنی خبریں دے کر لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات جھوٹی خبر دینے سے معاشرے میں بگاڑ و فساد حتیٰ کہ قتل و غارت کی نوبت آ جاتی ہے اور جھوٹ قرآن و سنت کی رو سے حرام قطعی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ ﴾ [البقرة٢ : ١٠]

"اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا وصف جھوٹ بولنا ذکر کیا ہے اور اس پر انہیں عذاب الیم کی بشارت دی ہے اور رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))

[بخاری کتاب الایمان باب بیان خصال المنافق ۴۶/۲ مع شرح نووی]

"عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: چار خصلتیں جس آدمی میں ہوں، وہ خالص منافق ہے اور جس ان چار میں سے ایک خصلت ہو، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۲) اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) اور جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے"۔

اس حدیث صحیح سے بھی معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا شرعاً ناجائز و حرام ہے اور نفاق کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَاَنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يَكُوْنَ صِدِّيْقًا وَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ اِلَى

الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا))

[بخاری کتاب الأدب باب قول اللّٰہ تعالٰی ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ وما ينهى عن الكذب (۶۰۹۴) مسلم کتاب البر والصلة باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله (۲۶۰۷) مسند احمد ۱/ ۳۹۳، ۴۳۹-۴۴۰]

"یقیناً سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور بے شک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ صدیق بن جاتا ہے اور یقیناً جھوٹ برائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور برائی آگ کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور بے شک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے"۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِيْ قَالَا الَّذِيْ رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ يَكْذِبُ بِالْكَذْبَةِ تُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ الْآفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) [بخاری کتاب الادب (۶۰۹۶)]

"میں نے گزشتہ رات خواب میں دیکھا، دو فرشتے میرے پاس آئے ان فرشتوں نے کہا جس شخص کو تم نے دیکھا کہ اس کے جبڑے چیرے جا رہے تھے۔ وہ دنیا میں بہت جھوٹ بولنے والا تھا جو جھوٹ بات کہہ دیتا، سارے ملک میں پھیل جاتی۔ قیامت تک اس کو یہی سزا ملتی رہے گی"۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيْبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ طَمَأْنِيْنَةٌ وَإِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ))

[مسند ابی یعلی ۱۲/ ۶۷۶۲، حلیة الاولیاء ۸/ ۲۶۴، بیہقی کتاب البیوع ۵/ ۳۳۵، مسند طیالیس (۱۲۹۱)، ترمذی کتاب صفة القیامة (۲۵۱۸) نسائی کتاب الاشربة

۳۲۷/۸، ۳۲۸]

"مشکوک بات کو ترک کر کے غیر مشکوک کو اختیار کر۔ یقیناً سچائی میں اطمینان اور جھوٹ میں بے سکونی و تردد ہے"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((ثَلَاثَةٌ : لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اِمَامٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ وَالشَّيْخُ الزَّانِيْ))

[مسند ابی یعلی ۱۱/۶۱۹۷، مسلم کتاب الایمان باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار (۱۰۷) مسند ابی عوانہ ۴۰/۱، بیہقی ۱۶۱/۸، مسند احمد ۴۸۰/۲، نسائی، کتاب الزکوۃ ۸۶/۵]

"تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۱) جھوٹا حاکم (۲) تنگ دست تکبر کرنے والا (۳) بوڑھا زانی"۔

ان احادیث صحیحہ سے جھوٹ کی مذمت معلوم ہوئی کہ جھوٹا آدمی جب جھوٹ بولتا رہتا ہے تو اللہ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور جھوٹ سے اطمینان نصیب نہیں ہوتا بلکہ بے سکونی اور تردد رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر مباہلہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

﴿ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴾ ﴿٦١﴾ [آل عمران : ۶۱]

"ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں"۔

علاوہ ازیں سابقہ اقوام کی صفاتِ رذیلہ میں سے جھوٹ کا ذکر قرآنِ حکیم نے بالخصوص کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ بولنا شرعاً حرام ہے اور اپریل فول کی بنیاد ہی جھوٹ ہے۔ لہٰذا یہ شرعاً حرام ہے۔

اور یہ یہود و نصاریٰ کی عاداتِ قبیحہ میں سے ایک عادت ہے جسے اپنانا یہود کی

تقلید اور ان کے ساتھ مشابہت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت سے کئی مواقع پر منع فرمایا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

[مسند احمد ۴۹/۲ (۵۱۱۵) مشکوٰۃ کتاب اللباس (۴۳۴۷) بتحقیق شیخ الھانی حفظہ اللہ]

"جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ ﴾

[البقرۃ ۲ : ۱۲۰]

"یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کے راستے کی پیروی کر لیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر اللہ کی طرف سے علم آ جانے کے بعد آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں آپ کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں آ سکے گا"۔

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ شریعت اسلامیہ میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور یہ یہود و نصاریٰ کا طریق و راستہ ہے لہٰذا اپریل فول شرعاً حرام ہے اور یہود و نصاریٰ کی عاداتِ قبیحہ اور رسم شنیعہ سے ہے اس پر چلنا یہود و نصاریٰ کے طرز کو اپنانا ہے جو کسی بھی مسلم کے لیے روا اور درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اخلاقِ رذیلہ اور عاداتِ قبیحہ

سے ہر مسلمان عورت' مرد' چھوٹے' بڑے کو محفوظ فرمائے۔ آمین

محرم کے بغیر عورت کا سفر

س کیا عورت محرم کے بغیر سفر کر سکتی ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دور حاضر میں عورتیں دینی پروگراموں کے لیے محرموں کے بغیر دور دراز کے سفر کرتی ہیں یا کبھی ایسے ہوتا ہے کہ ایک عورت کا محرم ساتھ ہوتا ہے باقی اس عورت کے ساتھ مل کر سفر کرتی ہیں۔ کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ بعض عورتیں یہ کہتی ہیں کہ عورت ایک دن رات کا سفر محرم کے بغیر کر سکتی ہے۔ کتاب و سنت سے واضح کریں۔ (اُمّ المجاہدین' ملتان)

ج اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورت کی عفت و عصمت کو محفوظ کرنے کے لئے اس کا مسکن گھر کی چار دیواری قرار دیا ہے تاکہ یہ اپنے گھر کے اندر رہ کر اپنی عزت کو بچائے رکھے کیونکہ عورت جب اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ))

[ترمذی' بحوالہ مشکوۃ (۳۱۰۹)]

"عورت چھپانے کی چیز ہے جب یہ (گھر سے) نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف نگاہ کرتا ہے"۔

علامہ البانی حفظہ اللہ نے مشکوۃ کی تعلیق میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔
اس حدیث کا واضح مفہوم یہ ہے کہ عورت جب اپنے گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو لوگوں کی نظروں میں مزین کر دیتا ہے اور لوگ اس کی طرف نگاہیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔ اسے اپنے دامن تزویر میں پھنسانے کے لیے ہر ممکن چارہ جوئی کرتے ہیں۔ اور ایسی کتنی ہی امثلہ ہمارے معاشرے میں موجود ہیں کہ عورت جب بازار

میں کسی کام کی غرض سے نکلتی ہے تو اسے شیطان صفت انسان اپنی نفسانی شرارتوں میں پھانس لیتے ہیں اور کتنی ہی عورتیں ہیں جو اپنے گھر سے نکلیں اور پھر واپس نہیں پلٹیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو قواعد و ضوابط مقرر فرمائے ہیں وہ عورت کے تقدس کو محفوظ کرنے کے لیے ہی ہیں۔ عورت کو اگر کسی کام کے لیے سفر پر نکلنا پڑے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے آخری رسولِ کریم ﷺ کے ذریعے بتایا ہے کہ وہ اپنے محرم کو ساتھ لے کر نکلے۔ بغیر محرم کے عورت کا سفر کرنا بالکل ناجائز و حرام ہے۔ عورت نہ ایک دن و رات کا سفر محرم کے بغیر کر سکتی ہے اور نہ ہی اس سے کم یا زیادہ سفر میں محرم کی پابندی عورت کے لئے لازم ہے۔ چند ایک احادیثِ صحیحہ ملاحظہ ہوں:

① حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ.))

[صحيح مسلم كتاب الحج باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره (۴۱۸-۱۳۳۸) ابنِ حبان فصل في سفر المرأة (۲۷۰۷) بيهقي كتاب الصلاة باب حجة من قال لا تقصر الصلاة في اقل من ثلاثه ايام ۱۳۸/۳ ابوداؤد كتاب المناسك باب في المرأة تحج بغير محرم (۱۷۲۶) ابنِ ماجه كتاب المناسك باب المرأة تحج بغير ولي (۲۸۹۸) ترمذي كتاب الرضاع باب ما جاء في كراهية ان تسافر المرأة وحدها (۱۱۶۹)]

"کوئی عورت تین راتوں سے زائد محرم کے بغیر سفر نہ کرے"۔

ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا إِلَّا وَ مَعَهَا أَبُوهَا أَوْ أَخُوهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوِ ابْنُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا)) [حواله مذكوره]

”جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے تین دن یا اس سے زائد سفر کرنا حلال نہیں مگر اس کے ساتھ اس کا باپ یا بھائی یا خاوند یا بیٹا یا کوئی اور محرم ہو“۔

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَا یَحِلُّ لِامْرَأَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ تُسَافِرُ مَسِیْرَۃَ ثَلَاثِ لَیَالٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ.))

[مسلم کتاب الحج باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ (۱۳۳۸) ابو داؤد کتاب المناسك باب فی المرأة تحج بغیر محرم (۱۷۲۷) بیهقی ۱۳۸/۳ ابن حبان ۱۷۷/۵ (۲۷۱۹) بخاری کتاب تقصیر الصلاة باب فی کم یقصر الصلاة (۱۰۸۶، ۱۰۸۷)]

”جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ تین راتوں کا سفر کرے مگر اس کے ساتھ محرم ہو“۔

③ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَۃُ یَوْمَیْنِ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ.))

[بخاری کتاب العمل فی الصلاة باب مسجد بیت المقدس (۱۱۹۷) وکتاب جزاء الصید باب حج النساء (۱۸۶۴) وکتاب الصوم باب صوم یوم النحر (۱۹۹۵) مسلم کتاب الحج باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ (۴۱۵-۱۳۳۸) بیهقی ۱۳۸/۳ ابن حبان ۱۷۵/۵ (۲۷۱۳، ۲۷۱۲) مسند ابی یعلیٰ ۳۸۸/۲ (۱۱۶۰)]

”عورت دو دن کا سفر نہ کرے مگر اس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم ہو“۔

④ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :

((لَا یَحِلُّ لِامْرَأَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ لَیْسَ مَعَهَا حُرْمَۃٌ))

[بخاری کتاب تقصیر الصلاۃ باب فی کم یقصر الصلاۃ (۱۰۸۸) مسلم کتاب الحج باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ (۱۳۳۹) بیہقی ۱۳۹/۳ ابن ماجہ کتاب المناسك باب المرأۃ تحج بغیر ولی (۲۸۹۹) ابنِ حبان ۱۷۶/۵(۲۷۱۳)]

"جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ محرم کے بغیر ایک دن اور رات کا سفر کرے"۔

⑤ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا یَحِلُّ لِامْرَأَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ تُسَافِرَ یَوْمًا وَاحِدًا لَیْسَ مَعَھَا ذُوْ مَحْرَمٍ.)) [ابنِ حبان ۱۷۶/۵(۲۷۱۵)]

"جو عورت اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے محرم کے بغیر ایک دن کا سفر بھی حلال نہیں"۔

⑥ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَۃُ بَرِیْدًا إِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ))

[ابن حبان ۱۷۶/۵ (۲۷۱۶) بیہقی ۱۳۹/۳ نصب الرایہ ۱۱/۳ ابوداؤد کتاب المناسك (۱۷۲۵) ابنِ خزیمہ ۱۳۶/۳ (۲۵۲۶) مستدرك حاکم ۴۴۲/۱]

"عورت ایک برید بھی سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ"۔

امام ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ھُوَ أَرْبَعَۃُ فَرَاسِخَ وَالْفَرْسَخُ ثَلَاثَۃُ أَمْیَالٍ

[عون المعبود ۷۳/۲ تحفۃ الاحوذی ۲۰۶/۲ النہایہ ۱۱۶/۱]

"ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ میں تین میل ہوتے ہیں یعنی ایک برید میں بارہ (۱۲) میل ہوتے ہیں"۔

امام ابوبکر ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْبَرِیْدُ إِثْنَا عَشَرَ مِیْلًا بِالْھَاشِمِی [صحیح ابنِ خزیمہ ۱۳۶/۳]

"ایک برید میں بارہ میل ہاشمی ہیں"۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ برید آدھے دن کا سفر ہے۔ (شرح مسلم للنووی ۸۷/۹)
معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں چونکہ پیدل سفر ہوتے تھے اور ۱۲ میل تقریباً آدھے دن میں سفر طے ہوتا ہوگا۔

⑧ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَ كَذَا وَخَرَجَتِ امْرَأَتِي حَاجَّةً قَالَ : "اِذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِكَ"))

[بخاری کتاب الجهاد والسیر (۳۰۰۶) و کتاب جزاء الصید باب حج النساء (۱۸۶۲) مسلم کتاب الحج باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ (۱۳۴۱) ابن حبان (۲۷۲۰) ابن خزیمه (۲۵۲۹) مسند احمد ۲۲۲/۱، ۳۴۸/۲ بیهقی ۱۳۹/۳، طحاوی ۱۱۲/۲ مسند ابی یعلٰی (۲۵۱۶، ۲۳۹۱) مسند طیالسی (۲۷۳۲) إرواء الغلیل (۹۹۵) ابن ماجه کتاب المناسك (۲۹۰۰)]

"ہرگز کوئی مرد کسی (غیر محرم) عورت سے خلوت اختیار نہ کرے۔ اور ہرگز کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ کے رسول میرا نام اس، اس طرح غزوے میں لکھا گیا ہے اور میری عورت حج کرنے کے لیے نکلی ہے۔ آپ نے فرمایا: تو چلا جا اپنی عورت کے ساتھ مل کر حج کر"۔

⑧ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ اِلَّا وَ مَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ))

[صحیح ابن حبان ۱۷۷/۵ (۲۷۱۸)]

"عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے"۔

⑨ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَا یَحِلُّ لِامْرَأَۃٍ تُسَافِرُ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ))

[صحیح ابنِ حبان ۱۷۸/۵ (۲۷۲۱)]

"عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنا حلال نہیں"۔

⑩ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

((نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْأَۃَ اَنْ تُسَافِرَ إِلَّا وَ مَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ قَالَتْ عَمْرَۃُ : فَالْتَفَتَتْ عَائِشَۃُ إِلٰی بَعْضِ النِّسَآءِ فَقَالَتْ مَا لِکُلِّکُمْ ذُوْ مَحْرَمٍ.))

[صحیح ابنِ حبان ۱۷۸/۵ (۲۷۲۲)]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنے سے منع کیا ہے۔
عمرہ بنت عبد الرحمٰن کہتی ہیں عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعض عورتوں کی طرف توجہ کرکے کہا : تم میں سے ہر ایک کا محرم نہیں ہے؟"

مذکورہ بالا دس احادیثِ صحیحہ صریحہ محکمہ سے واضح ہوا کہ عورت محرم کے بغیر مطلقاً سفر نہیں کر سکتی اور ان روایات میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ یہ مختلف احوال پر مبنی ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع پر سوالات کیے گئے کہ کیا عورت محرم کے بغیر تین دن کا سفر کر سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اسی طرح پوچھا گیا کیا عورت محرم کے بغیر دو دن، یا ایک دن، یا بارہ میل یا مطلق طور پر سفر کر سکتی ہے۔ آپ نے جواب نفی میں دیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

((وَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَۃِ تُسَافِرُ ثَلَاثًا مِنْ غَیْرِ مَحْرَمٍ فَقَالَ لَا وَ سُئِلَ عَنْهَا تُسَافِرُ یَوْمَیْنِ مِنْ غَیْرِ مَحْرَمٍ فَقَالَ لَا وَ یَوْمًا فَقَالَ لَا فَأَدّٰی کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مَا حَفِظَ

وَلَا یَکُوْنُ عَدَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاَعْدَادِ حَدًّا لِلسَّفرِ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق))

[بیہقی ۳/۱۳۹]

"رسول اللہ ﷺ سے عورت کے بارے سوال کیا گیا کہ وہ محرم کے بغیر تین دن سفر کر سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اور پوچھا گیا کہ وہ محرم کے بغیر دو دن سفر کر سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اور ایک دن کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا: نہیں۔ ہر ایک نے جو یاد رکھا آگے پہنچا دیا اور ان اعداد میں سے کوئی عدد بھی سفر کے لیے حد نہیں ہے۔ اور توفیق اللہ کے ساتھ ہے"۔

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے نمبر۹ پر ذکر کی گئی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ پر یوں باب باندھا ہے: "ذِکْرُ الْبَیَانِ بِاَنَّ الْمَرْاَةَ مَمْنُوْعَةٌ عَنْ اَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا قَلَّتْ مُدَّتُهٗ اَمْ کَثُرَتْ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ مِنْهَا" اس بات کا بیان کہ عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے سفر کی مدت خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ۔

اسی طرح نمبر۱۰ پر ذکر کی گئی حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان کہ "تم میں سے ہر ایک کا محرم نہیں ہے" پر تبصرہ کرتے ہوئے (کہ کوئی اس کا غلط مفہوم نہ لے لے کہ ہر عورت کا محرم تو نہیں ہوتا لہٰذا محرم کے بغیر سفر ہو سکتا ہے) لکھتے ہیں:

تُرِیْدُ اَنْ لَیْسَ لِکُلِّکُمْ ذُوْ مَحْرَمٍ تُسَافِرُ مَعَهٗ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُسَافِرْ وَاحِدَةٌ مِنْکُنَّ اِلَّا بِذِیْ مَحْرَمٍ یَکُوْنُ مَعَهَا

[صحیح ابن حبان ۵/۱۷۸]

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ کیا تم میں سے ہر ایک کے لیے محرم نہیں ہے کہ اس کے ساتھ سفر کرے؟ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تم میں سے ہر ایک عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے"۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

قَالَ الْعُلَمَاءُ : إِخْتِلَافُ هٰذِهِ الْأَلْفَاظِ لِإِخْتِلَافِ السَّآئِلِيْنَ وَاخْتِلَافِ الْمَوَاطِنِ وَلَيْسَ فِي النَّهْيِ عَنِ الثَّلَاثَةِ تَصْرِيْحٌ بِإِبَاحَةِ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ أَوِ الْبَرِيْدِ [شرح مسلم للنووی ۹/۸۷].

"علماء نے کہا ہے کہ احادیث میں جو مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کا سبب سائلین اور جگہوں کا اختلاف ہے اور تین دن کی مسافت سے ممانعت میں ایک دن رات یا آدھے دن کے سفر کے جواز کی تصریح نہیں ہے۔ یعنی مختلف سوال کرنے والوں نے مختلف مقامات پر مختلف حالات میں سوال پوچھے کسی نے تین دن' یا دو دن یا دن رات یا آدھے دن کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے ان کے سوال کے مطابق جواب دیا اور ہر ایک سفر میں محرم کے بغیر ممانعت فرمائی اور جس حدیث میں ہے کہ عورت تین دن کی مسافت میں محرم کے بغیر سفر نہ کرے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تین سے کم دنوں کا سفر عورت محرم کے بغیر کر سکتی ہے"۔

امام نووی رحمہ اللہ ان روایات کا خلاصہ یوں نقل فرماتے ہیں :

فَالْحَاصِلُ أَنَّ كُلَّ مَا يُسَمّٰى سَفَرًا تُنْهٰى عَنْهُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ زَوْجٍ أَوْ مَحْرَمٍ سَوَاءٌ كَانَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ يَوْمَيْنِ أَوْ يَوْمًا أَوْ بَرِيْدًا أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ لِرِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمُطْلَقَةِ وَهِيَ آخِرُ رِوَايَاتِ مُسْلِمٍ السَّابِقَةِ لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ وَهٰذَا يَتَنَاوَلُ جَمِيْعَ مَا يُسَمّٰى سَفَرًا [شرح مسلم للنووی ۹/۸۷'۸۸]

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر وہ مسافت جسے سفر کہا جاتا ہے عورت کو خاوند یا دیگر محرم کے بغیر سفر کرنے سے روکا جائے گا خواہ وہ سفر تین دن کا ہو یا دو دنوں کا یا ایک دن کا یا نصف دن کا یا اس کے علاوہ کا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مطلق روایت کی بنا پر اور وہ پیچھے گزرنے والی مسلم کی روایات میں سے آخری ہے کہ "عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے" اور

یہ حدیث ہر اس مسافت کو شامل ہے جسے سفر کہا جاتا ہے"۔

نیز دیکھیں (السراج الوھاج ۱/۴۰۰ عون المعبود ۲/۲۷)

علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری فرماتے ہیں:

وَفِي الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ عَلٰى تَحْرِيْمِ سَفَرِ الْمَرْأَةِ مِنْ غَيْرِ مَحْرَمٍ وَهُوَ مُطْلَقٌ فِيْ قَلِيْلِ السَّفَرِ وَ كَثِيْرِهٖ وَفِي سَفَرِ الْحَجِّ وَ غَيْرِهٖ۔

"اس حدیث (یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی) میں محرم کے بغیر عورت کے سفر کی حرمت پر دلیل ہے اور یہ حدیث سفر کی قلت اور کثرت اور سفر حج وغیرہ کو مطلق طور پر شامل ہے"۔

نیز لکھتے ہیں کہ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تُسَافِرُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ، وَ عُمُوْمُ اللَّفْظِ يَتَنَاوَلُ عُمُوْمَ السَّفَرِ فَيَقْضِي أَنْ يَحْرُمَ سَفَرُهَا بِدُوْنِ ذِيْ مَحْرَمٍ مَعَهَا سَوَاءٌ كَانَ سَفَرُهَا قَلِيْلًا أَوْ كَثِيْرًا لِلْحَجِّ أَوْ غَيْرِهٖ وَ إِلٰى هٰذَا ذَهَبَ إِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِيُّ وَ الشَّعْبِيُّ وَ طَاؤُسٌ وَالظَّاهِرِيَّةُ [مرعاۃ المفاتیح ۸/۳۳۲]

"اس حدیث میں ہے کہ بلاشبہ عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ اور لفظ کی عمومیت سفر کی عمومیت کو شامل ہے اس کا تقاضا ہے کہ محرم کے بغیر عورت کا سفر کرنا حرام ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، حج کے لیے ہو یا کسی اور غرض سے اور اس بات کی طرف امام ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام طاؤس اور اہل ظاہر رحمہم اللہ گئے ہیں"۔

علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَ قَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ يَحْرُمُ لَهَا الْخُرُوْجُ فِيْ كُلِّ سَفَرٍ طَوِيْلًا كَانَ أَوْ قَصِيْرًا وَلَا يَتَوَقَّفُ حُرْمَةُ الْخُرُوْجِ بِغَيْرِ الْمَحْرَمِ عَلٰى

مُسَافَةِ الْقَصْرِ لِإِطْلَاقِ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِلَفْظِ لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ [تحفة الاحوذی ۲/۲۰۶]

"اہل علم کی اکثریت نے کہا ہے' عورت کو ہر سفر میں (محرم کے بغیر) نکلنا حرام ہے سفر خواہ لمبا ہو یا چھوٹا۔ محرم کے بغیر نکلنے کی حرمت کو قصر کی مسافرت پر موقوف نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں سفر کی مطلق طور پر ممانعت ہے۔ ان کی حدیث کے الفاظ ہیں : "عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے"۔

مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ کی اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ عورت کسی طرح بھی محرم کے بغیر سفر نہیں کر سکتی خواہ طویل ہو یا مختصر' مشکل ہو یا آسان ہر حالت میں عورت اپنا محرم یعنی خاوند یا باپ' بھائی یا بیٹا' ماموں یا چچا غرض ہر وہ آدمی جس کے ساتھ اس کا نکاح حرام ہے۔ ان میں سے کسی کو ساتھ لے کر سفر پر نکلے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس مجاہد کو جس کا نام غزوہ میں لکھا گیا تھا محض اس بنا پر غزوے سے رخصت دے دی کہ اس کی عورت اکیلی حج پر جا رہی تھی اور اسے فرمایا اس کے ساتھ جا کر حج کرو اور احادیث صحیحہ میں حج کو عورت کا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ : ((جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ))

[بخاری کتاب الجهاد والسیر باب جهاد النساء (۲۸۷۵)]

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے متعلق اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا : تمہارا جہاد حج ہے"۔

جب عورت کا جہاد حج ہے اور اسے محرم کے بغیر نکلنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ مجاہد کو غزوے سے رخصت دے کر بیوی کے ساتھ حج پر جانے کے لیے کہا تو

دور حاضر میں مجاہدین کی بہنیں، مائیں، بیٹیاں اور بیویاں محرم کے بغیر کیسے آئے روز دینی پروگراموں اور دعوتی میدانوں میں نکل سکتی ہیں اور اسی طرح یہ بھی یاد رہے کہ اگر کسی سواری میں ایک عورت کا محرم موجود ہے اور دیگر محرم کے بغیر ہیں تو یہ بھی درست نہیں۔ وہ اپنی عورت کا محرم ہے دیگر عورتوں کا نہیں۔ اور جو مسئولہ یہ فتویٰ دیتی ہے کہ محرم کے بغیر دن رات کا سفر ہو سکتا ہے، اس کا یہ فتویٰ جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے۔ اسے اپنے مؤقف سے رجوع کرنا چاہیے۔ اور عورتوں کو محرم کے بغیر گاڑی میں بٹھا کر پروگراموں میں پہنچانے سے گریز کرنا چاہیے۔ ورنہ عند اللہ سخت مجرم ہو گی۔ اسی طرح ہمارے بھائیوں کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اپنی بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کو سختی سے منع کریں کہ وہ محرم کے بغیر کسی سفر پر آمادہ نہ ہوں۔ اگر کہیں جانا پڑے تو وہ اپنے کسی محرم کو ساتھ لے کر سفر کریں۔ دینی اُمور کے لیے تگ و دو ضرور کرنی چاہیے لیکن شریعت کے دائرہ کار میں رہ کر جو عورت دینی اُمور کے لیے اس طرح کوشش کرے کہ وہ شرعی حدود سے تجاوز کرے اور دوسری عورتوں کو بھی اس کام کے لیے دلیری دے اور ابھارے تو اس کا یہ فعل عبث و حرام اور سعی لاحاصل ہے۔ وہ اَجر کی بجائے گناہ خرید رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح صراطِ مستقیم پر قائم رکھے آمین۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ اور ائمہ محدثین رحمہم اللہ کی تصریحات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عورت محرم کے بغیر سفر نہیں کر سکتی سفر خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، حج کے لیے ہو یا جہاد کے لیے، تبلیغی اجتماعات کے لیے ہو یا کسی اور غرض سے، محرم کا ساتھ ہونا ضروری و لازم ہے۔

مشت زنی کا حکم

س میں نوجوان آدمی ہوں اور کچھ عرصہ سے ایک عادت بد مشت زنی میں مبتلا ہو گیا ہوں اور بعض دفعہ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے اور میں شرمندگی بھی محسوس کرتا ہوں حالانکہ میں نمازیں بھی پابندی سے ادا کرتا ہوں۔ اسے چھوڑنا بھی چاہتا ہوں لیکن پھر بھی ترک نہیں کرتا۔ میری صحیح راہنمائی فرمائیں کہ کیا شریعت میں اس کی کوئی رخصت موجود ہے یا نہیں۔ مزید تفصیل ذکر نہیں کر سکتا۔ آپ کتاب و سنت کی رو سے اس مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت فرمائیں۔

(ایک سائل، بھکر)

ج جس عادتِ بد کا آپ نے ذکر کیا ہے' یہ شرعاً بالکل حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ① ... وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ⑤ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ⑥ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ⑦ ﴾

[المؤمنون : ۵ تا ۷]

"تحقیق مؤمنین کامیاب ہیں .... جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں یا باندیوں سے یہ ناقابل ملامت ہیں جو ان کے علاوہ تلاش کرتے ہیں وہی حد سے نکلنے والے ہیں"۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے آدمی کی مدح کی ہے جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اور اپنی خواہش کو پورا کرنے کا کوئی غیر شرعی طریقہ اختیار نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے خواہش کو پورا کرنے کے لیے دو جائز مقامات کا ذکر کیا ہے' ایک بیوی اور دوسری باندی۔ اور پھر فرمایا : "ان کے علاوہ کوئی اور راہ تلاش کرنے

والا اللہ کی حدوں سے تجاوز کرنے والا ہے"۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مشت زنی ان دو صورتوں کے علاوہ ہے اور شرعاً حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے جو کہ حرام ہے۔

امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَقَدِ اسْتَدَلَّ الْاِمَامُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمَنْ وَافَقَهٗ عَلٰی تَحْرِيْمِ الْاِسْتِمْنَاءِ بِالْيَدِ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ الْكَرِيْمَةِ ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ﴾ قَالَ : فَهٰذَا الصَّنِيْعُ خَارِجٌ عَنْ هٰذَيْنِ الْقِسْمَيْنِ

[تفسیر ابنِ کثیر ۳/۲۹۳]

"امام شافعی رحمہ اللہ نے اور جنہوں نے ان کی موافقت کی ہے اس آیت کریمہ (جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ماسوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے) سے استدلال کیا ہے کہ مشت زنی حرام ہے اس لیے کہ یہ عمل ان دونوں قسموں (بیوی، باندی) سے خارج ہے"۔

نیز امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فَلَا يَحِلُّ الْعَمَلُ بِالذَّكَرِ إِلَّا فِي زَوْجَةٍ اَوْ فِي مِلْكِ الْيَمِيْنِ وَلَا يَحِلُّ الْاِسْتِمْنَاءُ وَاللّٰهُ اعلم۔

[احکام القرآن للشافعی ص : ۲۱۰ و کتاب الام ۵/۱۲۹]

"بیوی یا باندی کے سوا شرمگاہ کا استعمال حلال نہیں۔ اور نہ ہی مشت زنی حلال ہے"۔

حرملہ بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں

سَأَلْتُ مَالِكًا عَنِ الرَّجُلِ يَجْلِدُ عُمَيْرَةً فَتَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ .... ﴾

[احکام القرآن لابی بکر ابنِ العربی ۳/۱۳۱۰ و تفسیر قرطبی ۱۲/۷۱]

”میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے مشت زنی کرنے والے آدمی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی (جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں...)“۔

علامہ محمد الامین الشنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّهُ لَا شَكَّ فِي أَنَّ آيَةَ ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ هٰذِهِ الَّتِيْ فِي ﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ﴾ تَدُلُّ بِعُمُوْمِهَا عَلٰى مَنْعِ الْاِسْتِمْنَاءِ بِالْيَدِ الْمَعْرُوْفِ بِجَلْدِ عُمَيْرَةَ وَيُقَالُ لَهُ الْخَضْخَضَةُ لِاَنَّ مَنْ تَلَذَّذَ بِيَدِهٖ حَتّٰى اَنْزَلَ مَنِيَّهٗ بِذٰلِكَ قَدِ ابْتَغٰى وَرَاءَ مَا اَحَلَّهُ اللّٰهُ فَهُوَ مِنَ الْعَادِيْنَ بِنَصِّ هٰذِهِ الْاٰيَةِ الْكَرِيْمَةِ.... .... [أضواء البيان ٥/ ٧٦٩، ٧٧٠]

”جان لیجئے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سورۃ مومنون کی مذکورہ آیت کریمہ اپنی عمومیت کے اعتبار سے مشت زنی جو جلد عمیرہ کے نام سے معروف ہے اور اسے خضخضہ بھی کہا جاتا ہے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ جس شخص نے اپنے ہاتھ سے لذت حاصل کی حتیٰ کہ اس طرح اس کی منی نکل آئی تو اس نے اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لیے حلال کیا تھا۔ اس کے علاوہ راہ تلاش کی وہ اس آیت کریمہ کی نص قطعی کے ساتھ حدود اللہ سے تجاوز اختیار کرنے والوں میں سے ہے“۔

آگے مزید فرمایا:

وَهٰذَا الْعُمُوْمُ لَا شَكَّ اَنَّهٗ يَتَنَاوَلُ بِظَاهِرِهٖ نَاكِحَ يَدِهٖ وَظَاهِرُ عُمُوْمِ الْقُرْاٰنِ لَا يَجُوْزُ الْعُدُوْلُ عَنْهُ اِلَّا لِدَلِيْلٍ مِنْ كِتَابٍ اَوْ سُنَّةٍ يَجِبُ الرُّجُوْعُ اِلَيْهِ اَمَّا الْقِيَاسُ الْمُخَالِفُ لَهٗ فَهُوَ فَاسِدُ الْاِعْتِبَارِ

[اضواء البيان ٥/ ٧٧١]

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ عموم اپنے ظاہری اعتبار سے مشت زنی کرنے والے کو شامل ہے اور قرآن کے ظاہر سے اس وقت تک نکلنا جائز نہیں جب تک کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل موجود ہو جس کی طرف لوٹنا واجب ہو۔ بہرحال جو قیاس اس کے مخالف ہو تو اسے فاسد سمجھا جائے گا"۔

قرآن پاک کی اس آیت کریمہ اور ائمہ محدثین رحمہم اللہ کی ان توضیحات سے واضح ہو گیا کہ مشت زنی حرام اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے لہٰذا اس عادت بد سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جہاں شرعاً یہ حرام ہے طبّی طور پر اس کے بڑے نقصانات ہیں یہ کئی امراض کا سبب بنتی ہے۔ اس سے نظر کی کمزوری بھی آتی ہے' اور مردی امتیازات بھی ختم ہوتے ہیں اور جو آدمی اس مرض بد میں مسلسل مبتلا ہو وہ شادی کے قابل نہیں رہتا اور اگر بالفرض اس کی شادی ہو جائے تو اپنی بیوی کے صحیح معنوں میں حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اس سے اعصابی کمزوری بھی پیدا ہوتی ہے۔ کمر کے مہروں میں بھی درد ہونے لگتا ہے کیونکہ یہی وہ صلب ہے جس سے مادہ منویہ کا اخراج ہوتا ہے اور یہ بھی کہ مرد کا مادہ تحلیل ہونے لگتا ہے جس سے مادہ پتلا ہو جاتا ہے اور کیڑوں سے خالی ہوتا جاتا ہے جس سے اولاد کے نہ پیدا ہونے کی صورتحال بن جاتی ہے اور انسان اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگتا ہے۔ اس لیے اس صورتحال سے بچنے کے لیے ایسا طرز عمل اپنانا چاہیے جسے شرع نے جائز رکھا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

((یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ))

[صحیح بخاری کتاب النکاح (٥٠٦٦) صحیح مسلم کتاب النکاح

۱۰۱۸/۲-۱۰۱۹(۱۴۰۰)]

"اے نوجوانوں کی جماعت جو تم میں سے اسباب نکاح کی طاقت رکھتا ہو وہ شادی کرے یہ نگاہ کو پست رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کے لیے ہے اور جسے نکاح کی طاقت نہ ہو' وہ روزے رکھے۔ یہ اس کے لیے خصی کرنا ہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی اپنی شہوت کی تسکین کے لیے نکاح جیسے پاکیزہ فعل کی طاقت نہ رکھتا ہو' وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ انسان کو خصی کر دیتا ہے یعنی اس کی شہوت کو توڑتا ہے ان شاء اللہ جو آدمی اس علاجِ نبوی ﷺ پر عمل کرے گا' اللہ تعالیٰ اسے ضرور شفا بخشے گا اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے گا اور جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے گا اس کے لئے نبوی بشارت ہے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ))

[شرح السنّة باب حفظ اللسان ۳۱۳/۱۴ صحیح بخاری کتاب الرقاق باب حفظ اللسان (۶۴۷۴) و کتاب المحاربین باب فضل من ترك الفواحش' مسند احمد ۳۳۳/۵' ترمذی کتاب الزهد باب ما جاء في حفظ اللسان (۲۴۱۶) بیهقی ۱۱۶/۸' ابنِ حبان (۵۷۰۱)' طبرانی (۵۹۶۰)]

"جو آدمی مجھے زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے دے میں اسے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں"۔

لہٰذا اس نبوی نسخہ پر عمل پیرا ہو کر زبان و شرمگاہ کی حفاظت کر کے جنّت کے حصول کے لیے کوشاں ہونا چاہیے اور بدکردار لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے سے اجتناب کیا جائے۔ اچھے افراد کی مجلس اختیار کی جائے جہاں نیکی اور تقویٰ کی گفتگو ہو تاکہ وساوس شیطانی سے اجتناب کیا جا سکے جو شخص اس عادت خبیثہ کو ترک نہ کر سکے وہ کسی اچھے طبیب سے بھی رابطہ کر سکتا ہے تاکہ علاج کے ذریعے اس سے

نجات حاصل کی جاسکے کیونکہ علاج کی بھی شرع میں رخصت موجود ہے۔

اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا نَتَدَاوٰی؟ قَالَ نَعَمْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً

[ترمذی کتاب الطب (۲۰۴۵) الادب المفرد (۲۹۱) ابوداؤد کتاب الطب (۳۸۵۵) ابنِ ماجه، کتاب الطب (۳۴۳۶) مسند حمیدی (۸۲۴) طبرانی کبیر (۴۶۹) مسند طیالسی (۱۲۳۲) بیهقی ۹/۳۴۳ شرح السنه (۳۲۲۶)]

"دیہاتیوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم علاج نہ کریں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اے اللہ کے بندو علاج کرو یقیناً اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کے لیے شفا بھی رکھی ہے"۔

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً))

[بخاری کتاب الطب (۵۶۷۸)]

"اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کے لیے شفاء بھی اتاری ہے"۔

لہٰذا کسی صحیح و اچھے طبیب سے رابطہ کر کے دوا بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ فٹ پاتھوں پر بیٹھے ہوئے جاہل و فراڈیئے قسم کے لوگوں سے اجتناب کیا جائے یہ لوگ نوجوان نسل کو بگاڑنے میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ علاج کروانے کے لیے وہ دوائیں استعمال کی جائیں جو حرام نہ ہوں۔

پیریڈز (Period,s) کیلئے گھنٹی (Bell) بجانے کی شرعی حیثیت

س: سکول گھنٹی نمبروار لگانے سے (۱، ۲، ۳...) طلبہ اور اساتذہ کو اپنی اپنی ڈیوٹی کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ لیکن صرف (نمبر گنتی کے بغیر) گھنٹی سے صورتحال کا ادراک کماحقہ نہیں ہوتا۔ خاص کر موسمی حالات یا کچھ مجبوری سے ٹائم ٹیبل بار بار بدلنے کی وجہ سے اساتذہ میں اپنے پیریڈوں کے بارے میں اُلجھن زیادہ ہوتی ہے۔ چونکہ ہماری نیت یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں میں بجنے والی گھنٹیوں کے ساتھ مشابہت نہیں۔ ویسے بھی بجانے کا انداز غالباً ان سے یکسر مختلف ہے لہٰذا اس کے بارے میں اپنے اجتہاد سے آگاہ فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ اللہ جل شانہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ (محمد صدیق خالد، پرنسپل الدعوۃ سکول مریدکے)

ج: اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ سکول کے اوقات معلوم کرنے کے لیے گھنٹی سے کام لینے سے فائدہ ہے مگر مسلمان کے سامنے صرف فائدہ ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا بھی پابند ہے۔ چاہے اسے کسی چیز سے کتنا زیادہ فائدہ دکھائی دیتا ہو، اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس سے منع فرمادیں تو وہ حکم عدولی نہیں کرے گا۔ وقتی نقصان خوش دلی سے گوارا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ [البقرہ ۲: ۲۱۹]

"آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہوتا ہے۔"

کتاب اللہ کا اعجاز دیکھئے۔ شراب اور جوئے کے فوائد سے انکار نہیں کیا۔ فائدہ تسلیم کر کے یہ بتایا کہ ان کا باعث گناہ ہونا' ان سے فائدہ اُٹھانے میں حائل ہے۔

گھنٹی کا بھی یہی حال ہے۔ بڑی گھنٹی کو عربی میں ناقوس کہتے ہیں۔ جانوروں کے گلے والی گھنٹی کو جرس کہتے ہیں۔ اس سے چھوٹی ہو تو اسے جلجل (گھنگھرو) کہتے ہیں۔

ان کے فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ناقوس وقت کی اطلاع دینے کے لیے بجائی جاتی ہے اور جرس اونٹوں کی قطار میں اس بات سے آگاہ رکھتی ہے کہ آخری اونٹ بھی قطار کے ساتھ موجود ہے۔ اگر جانور رہٹ یا کھراس پر چل رہا ہو تو وہ گھنٹی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصروف کار ہے یا رک گیا ہے۔

مگر ان کے گناہ ہونے کی جانب بھاری ہے۔ ناقوس سے عیسائیوں سے مشابہت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

"جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے گا وہ انہی سے ہے"۔

مسلمانوں کے لیے وقت کی اطلاع دینے کے لحاظ سے سب سے اہم چیز اذان ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ ذَكَرُوا أَنْ يَعْلَمُوا وَقْتَ الصَّلٰوةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُوْنَهُ فَذَكَرُوا أَنْ يُوْرُوا نَارًا أَوْ يَضْرِبُوا نَاقُوْسًا فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوْتِرَ الْإِقَامَةَ)) [بخاری کتاب الاذان (۶۰۶)]

"جب لوگ زیادہ ہوئے تو انہوں نے اس بات کا ذکر کیا کہ نماز کا وقت کس چیز کے ساتھ معلوم کریں جسے وہ پہچان لیا کریں تو انہوں نے ذکر کیا کہ آگ کو جلا دیا کریں یا گھنٹی بجا دیا کریں تو بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے دو کلمے اور اقامت ایک ایک کلمہ کہے"۔

بخاری میں روایت مختصر ہے۔ ابوالشیخ نے اسے ان الفاظ میں روایت کیا ہے

کہ "لوگوں نے کہا کہ اگر ہم گھنٹی بنالیں؟ آپ نے فرمایا : "وہ تو عیسائیوں کے لیے ہے"۔ انہوں نے کہا اگر ہم بوق (بگل) بنالیں؟ آپ نے فرمایا: "وہ یہود کے لیے ہے"۔ انہوں نے کہا اگر ہم آگ بلند کر دیں تو آپ نے فرمایا: "وہ مجوس کے لیے ہے"۔ [فتح الباری شرح (۶۰۳)]

اس سے معلوم ہوا کہ وقت کی اطلاع کے لیے اسلام میں گھنٹی' بگل یا آگ کی بجائے انسانی آواز کو اختیار کیا جاتا ہے اور یہی فطرت ہے کیونکہ گھنٹی ' بگل یا آگ ہر جگہ اور ہر وقت میسر نہیں آ سکتے۔ عیسائیوں 'یہودیوں اور مجوسیوں کے غیر فطری طریقے کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔

جرس (جانوروں کے گلے والی گھنٹی) اور ناقوس میں یہ فرق ہے کہ جرس خود بخود جانور کی حرکت سے بجتی ہے جبکہ ناقوس بجائی جاتی ہے۔ نغمے کے لحاظ سے دونوں کی آواز ملتی جلتی ہے۔ عیسائیوں کی مشابہت کے علاوہ ناقوس (بڑی گھنٹی) کے ناپسندیدہ ہونے کی وجہ گھنٹی کی آواز کا نغمہ ہے جو ناقوس اور جرس دونوں میں موجود ہے اور مزامیر (باجوں) سے ملتا جلتا ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَلْجَرَسُ مَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ)) [صحیح مسلم کتاب اللباس (۱۰۴)]

"گھنٹی شیطان کے باجے ہیں"۔

شیطان کی پسند کی یہ چیز ہونے کی وجہ سے فرشتوں کو گھنٹی سے اتنی نفرت ہے کہ رفقاء کے جس قافلے یا مجلس میں وہ موجود ہو (رحمت کے) فرشتے ان کے ساتھ نہیں رہتے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيْهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ))

[صحیح مسلم کتاب اللباس (۱۰۳)]

"فرشتے ان کے رفقاء کے ساتھ نہیں رہتے جن میں کتا یا گھنٹی ہو"۔

یہ ایسی ناپاک چیزیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں موجود ہوں تو رحمت کے فرشتے وہاں آنے سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں صبح کی کہ آپ غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے خاموش تھے۔ فرمانے لگے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آج رات مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ ملے نہیں۔ اللہ کی قسم انہوں نے وعدہ خلافی نہیں کی۔ پھر آپ کے دل میں کتے کے ایک بچے کا خیال آیا جو آپ کی چارپائی کے نیچے تھا۔ آپ نے حکم دیا تو اسے نکال دیا گیا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کی جگہ پر پانی چھڑکا۔ شام ہوئی تو جبریل علیہ السلام سے آپ ملے تو فرمایا کہ تم نے مجھ سے کل رات ملنے کا وعدہ کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا ہاں مگر ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو"۔
[مسلم کتاب اللباس (۸۲)]

اب آپ کفار کی مرغوب و محبوب چیز کو دیکھیں تو اس میں کتا، تصویر اور جرس نمایاں نظر آئیں گی اور ان کی کوشش یہ ہے کہ دُنیا بھر میں مسلمان ہو یا غیر مسلم، کوئی گھر ان سے خالی نہ رہے حتیٰ کہ ان کے بنائے ہوئے کلاک ہمارے گھروں اور ہماری مساجد میں آویزاں ہیں جن میں گھنٹی کی آواز وقت بتانے کے لیے اختیار کی گئی ہے بلکہ گھنٹی کے مزامیری نغمے کو کم سمجھ کر موسیقی کی آواز دو گھنٹیوں کے درمیان بڑھا دی گئی ہے۔ گھروں کے دروازے پر لگائی جانے والی گھنٹی کی آواز بھی عموماً ناقوس یا جرس سے ملتی جلتی ہے۔ اب اگر مسلمان رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر چلنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے گھروں سے اپنی مسجدوں سے اپنے مدارس اور اپنی سواریوں سے شیطان کے ان مزامیر کو دور کرنا ہو گا۔ کلاکوں سے وہ پرزہ نکالنا ہو گا جس سے گھنٹی کی آواز پیدا ہوتی ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ہم پیریڈ بدلنے کے لیے یا وقت کی اطلاع دینے کے لیے کیا کریں۔۔۔؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ اس

مقصد کے لیے انسانی آواز استعمال کی جائے۔ اس کے لیے سپیکر استعمال ہو سکتا ہے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کون سا پیریڈ ہے۔ یا پھر اگر ہم الیکٹرانک گھنٹی خرید سکتے ہیں تو آپ آلہ بھی خرید سکتے ہیں جس میں انسانی آواز بھری ہوئی ہو۔ آج کل بہت سے ٹائم پیسز اور گھڑیوں میں اذان یا اقامت یا دوسری قسم کی آوازیں بھری گئی ہیں۔ گھروں میں لگائے جانے والے آلات میں گھنٹی کی آواز کی جگہ السلام علیکم وغیرہ کے الفاظ سنائی دیتے ہیں۔ اسی طرح پیریڈ بدلنے کے لیے الفاظ بھی بھرے جا سکتے ہیں۔ الدعوۃ ماڈل سکولز سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ الیکٹرانک سائنس کا یہ معمولی سا کام کرنے سے عاجز نہیں رہیں گے۔ ہمارے مجاہد بھائی جو باقاعدہ سائنس کے تعلیم یافتہ بھی ہیں' انہوں نے اپنی گاڑیوں میں ایسے پرزے لگائے ہیں کہ دروازہ کھولیں تو السلام علیکم اور اس قسم کے فقرات کی آواز خود بخود نکلتی ہے اور گھروں میں بھی اس قسم کی اطلاع دینے والے آلات لگائے ہیں۔

اگر انسانی آواز والا آلہ مشکل ہو تو ایسا آلہ استعمال کر لیں جس میں آواز تو ہو مگر وہ ناقوس یا جرس یا موسیقی سے نہ ملتی ہو تاکہ عیسائیوں سے مشابہت اور شیطان کے ماحول سے اجتناب ہو سکے۔ الارم کے طور پر مرغ کی آواز بھی استعمال ہو سکتی ہے بلکہ ہو رہی ہے۔

آخر میں گزارش ہے کہ آپ نے جو لکھا ہے کہ چونکہ ہماری نیت یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں میں بجنے والی گھنٹیوں سے مشابہت نہیں ہے ویسے بھی بجانے کا انداز ان سے یکسر مختلف ہے لہٰذا اس کے بارے میں اجتہاد سے آگاہ فرمائیں۔

تو گزارش یہ ہے کہ ہر کام کے درست ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ نیت درست ہو۔ دوسرا وہ کام فی نفسہٖ درست ہو۔ اگر کوئی کام فی نفسہٖ غلط ہے تو نیت جتنی مرضی درست کر لیں' وہ کام درست نہیں ہو گا۔ اُمید ہے کہ آپ

کے سامنے اس کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

گھنٹی بجانا فی نفسہ غلط کام ہے۔ یہ شیطان کا باجا ہے جس گھر میں یہ ہو' وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ اب اگر پیریڈ بتانے کا تھوڑا سا فائدہ حاصل ہو بھی تو کیا فائدہ؟ جب کہ ہم نے شیطان کو خوش کیا اور فرشتوں کو گھر میں آنے سے روک دیا۔ رہ گیا اجتہاد تو وہ وہاں ہوتا ہے جہاں ہمیں صاف حکم معلوم نہ ہو رہا ہو اور وہ بھی اس وقت تک جائز ہے جب تک ہمیں قرآن و حدیث سے اس کا واضح حکم معلوم نہ ہو جائے۔ اس کے بعد نہ اجتہاد کرنا جائز ہے نہ کسی کے اجتہاد کے پیچھے چلنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا کے کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔

(ع - م - مجلۃ الدعوۃ جنوری ۱۹۹۹ء)

اعداد کی شرعی حیثیت

س کیا بسم اللہ اور قرآنی آیات کو اعداد کی صورت میں لکھا جا سکتا ہے؟

ج ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴾ "اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (دوٹوک) بات کیا کرو"۔

اسلام ایک مکمل دین ہے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ہمیں زندگی گزارنے کے آداب بتائے ہیں اور جناب رسول ﷺ نے اپنے مقدس فرامین کے ذریعے عملی نمونہ پیش کر کے ان کی مکمل وضاحت فرما دی۔

① ان اسلامی آداب سے میں سے ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان اپنے ہر کام میں اللہ کا نام لے۔ مسلمانوں کو ہر اہم کام میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ اس میں برکت ہوتی ہے۔ تحریر میں بھی جناب رسول اللہ ﷺ کی سُنّت یہی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف

بادشاہوں اور سرداروں کو جو مکتوب مبارک تحریر فرمائے ان سب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی گئی۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ کی کتابوں میں وہ خطوط مکمل طور پر درج کیے گئے ہیں۔

② کچھ لوگوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے ۷۸۶ کا ہندسہ اختیار کر لیا ہے اور عوام میں بھی یہی عدد رائج ہو گیا ہے حالانکہ شریعت میں اعداد کو کبھی الفاظ کا بدل تسلیم نہیں کیا گیا۔ البتہ یہود میں یہ چیز پائی جاتی تھی اور وہ الفاظ کو اعداد کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ میں ۷ اور ۱۴ کے عدد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے انکی مذہبی کتابوں میں ساتویں سال کو خاص اہمیت حاصل ہے اور ان کے لیے خاص احکام موجود ہیں۔ اس بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامہ کو ابراہیم علیہ السلام سے لے کر مسیح علیہ السلام تک چودہ چودہ ناموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مسیحی علماء اس بات کی ایک وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چودہ کا عدد سات کا دگنا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لفظ داوٗد' جسے عبرانی زبان میں .... دود .... کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ اس کے اعداد ۱۴ ہیں۔ اس سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ' داوٗد علیہ السلام کے روحانی وارث ہیں۔

③ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب جمل یعنی حروف و اعداد کے ہیر پھیر کے بانی اور اس پر ایمان رکھنے والے غیر مسلم اہل کتاب ہیں' مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں ہیں اور الگ الگ حرف کے طور پر پڑھے جاتے ہیں ان کے متعلق کتب تفسیر میں یہ روایات موجود ہیں کہ یہود نے جب یہ حروف سنے تو ان کا خیال تھا کہ اس سے مراد مدت ہے کہ اس نبی کی نبوت اتنا عرصہ رہے گی چنانچہ ﴿ الٓمّٓ ﴾ کو سن کر ایک یہودی عالم نے کہا کہ مسلمانوں کا نبی تو محض اکہتر سال تک باقی

رہے گا۔ جب اسے بتایا گیا کہ قرآن میں ﴿ المص ﴾ بھی ہے تو اس نے کہا یہ ۱۶۱ سال ہو گئے۔ پھر اسے بتایا گیا کہ قرآنِ مجید میں ﴿ الر ﴾ بھی ہے تو اس نے کہا یہ تو اور زیادہ ہو گئے۔ پھر جب اس کے سامنے ﴿ المر ﴾ پیش کیا گیا تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا کیونکہ یہ ۲۷۱ بنتے ہیں۔ آخر کہنے لگا کہ مسئلہ الجھ گیا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ان کا مقصد کیا ہے؟ (جبکہ ان حروف کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور یہی مؤقف درست اور حقیقت پر مبنی ہے)۔

④ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف اور اعداد کو ایک دوسرے کا بدل قرار دینے کا تصور یہودیوں کی طرف سے آیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کی روز مرہ زندگی میں بھی اعداد کو الفاظ کا بدل سمجھنے کا تصور موجود نہیں۔

اگر کسی کا نام انور ہے تو اس کو ۲۵۷ صاحب کہہ کر نہیں بلایا جاتا' نہ قریشی صاحب ۶۲۰ کہلانا پسند کریں گے۔ اگر مولانا صاحب کی بجائے ۱۲۸ صاحب کہہ دیا جائے تو مولانا یقیناً ناراض ہو جائیں گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقدس نام کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے؟

⑤ اس کے علاوہ ایک عدد ضروری نہیں کہ ایک ہی عبارت کو ظاہر کرے بلکہ اس سے زیادہ عبارتوں کے مجموعی عدد کے بھی مساوی ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہی عدد ۷۸۶ جسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا بدل قرار دیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے معبود کرشن کے نام کا نعرہ (ہرے کرشنا) کے اعداد کا مجموعہ بھی ہے۔

⑥ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر اعداد الفاظ کا بدل ہیں تو کیا ہم اپنے معاملات میں ان کا اس لحاظ سے استعمال قبول کر سکتے ہیں؟ ایک شخص آپ سے کوئی واقعہ بیان کرتا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہا ہے۔ آپ اسے کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم کھاؤ وہ کہتا ہے "چھیاسٹھ کی دو سو' میں سچ کہہ

رہا ہوں" کیا آپ تسلیم کر لیں گے کہ اس نے اللہ کی قسم کھائی ہے؟ لہٰذا اس کی بات پر اعتبار کر لیا جائے۔ اسی طرح نکاح کے موقعہ پر دولہا کہے' میں نے ۱۳۸ کیا تو یہ تسلیم کیا جائے گا کہ اس نے "قبول" کر لیا؟ لہٰذا نکاح منعقد ہو گیا یا کوئی اپنی بیوی سے کہے' جا تجھے ۱۴۰ ہے۔ تو کیا اسے "طلاق" سمجھا جا سکتا ہے۔ یقیناً کوئی سمجھ دار اس منطق کو قبول نہیں کر سکتا۔

⑦ پھر کیا وجہ ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے' اسے اللہ تعالیٰ کے مقدس نام کے لیے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کے لیے پسند کریں۔ ایک مومن کے لیے اس کا تصور بھی ناقابل قبول ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ ۷۸۶ اس لیے لکھتے ہیں تاکہ اللہ کے پاک نام کی بے حرمتی نہ ہو۔ کاغذ پر اللہ کا نام لکھا ہوا ہو تو اسے ادب سے رکھنا چاہئے لیکن ۷۸۶ لکھا ہو تو اس قدر احتیاط کی ضرورت نہیں۔

ان حضرات کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں ۷۸۶ بسم اللہ کا بدل نہیں ہے۔ اسی لیے اس کا احترام کرنا ضروری نہیں ورنہ اگر عدد بھی بسم اللہ ہے تو اس کا احترام بھی اسی طرح ضروری ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ۷۸۶ کا عدد بسم اللہ کا نعم البدل صرف تحریر میں سمجھا جاتا ہے۔ زبان سے بولنے میں نہیں' ورنہ کھانا کھاتے ہوئے بھی سات سو چھیاسی پڑھ کر کھانا شروع کر دیا جائے اور تلاوت کرتے ہوئے بھی اس سہولت سے فائدہ اُٹھایا جائے اور اگر نماز کے لیے اذکار کے اعداد نکال لئے جائیں تو بڑی آسانی سے جھٹ پٹ نماز سے فراغت حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ وہ ۷۸۶ کا عدد استعمال کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا مبارک نام اور مکمل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا کریں تاکہ وہ یہود و نصاریٰ کی نقل سے بچتے ہوئے اللہ کے نام کی برکتوں سے فیضیاب ہو سکیں۔ (محمد اسمٰعیل محمدی' کراچی' مجلۃ الدعوۃ جون ۱۹۹۷ء)

كتاب

الجامع

فقہ حنفی کے غلط مسئلے

س میں نے اپنے استاد کے پاس ایک کتاب دیکھی جس میں لکھا ہوا تھا کہ (۱) کوّا حلال ہے (۲) فاتحہ کو پیشاب کے ساتھ لکھنا جائز ہے (۳) نمازِ جنازہ میں قہقہہ لگانے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ برائے مہربانی مجھے یہ حوالے درکار ہیں اس لیے لکھ کر بھیج دیئے ہیں میں نے معسکر سے ٹریننگ لی ہے یہاں کافی دعوت کا کام جاری ہے۔ آپ میرے سوالوں کے جواب ضرور دیں۔

(اسد اللہ ضلع نواب شاہ محل منو آباد نزد عبدالقادر پارک، اسپیشل ملک کون آئس کریم)

ج اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف ان باتوں کا مکلف بنایا ہے جو شریعت محمدیہ سے ثابت ہیں اس کے علاوہ جو بھی مسئلہ قرآن و سنّت سے ٹکراتا ہے۔ وہ خواہ کسی بڑے سے بڑے علامہ کا ہی کیوں نہ ہو' قابل رد ہے۔ فقہ حنفی کے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کا قرآن و سنّت کے ساتھ تضاد ہے۔ ان کے ان مسائل میں سے آپ کے مطلوبہ مسائل بھی ہیں۔ نمبروار جواب ملاحظہ فرمایئے۔

کوّے کی حرمت

(۱) کوّا شریعت محمدیہ میں حرام ہے۔ اس کا کھانا جائز نہیں اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو فاسق قرار دیا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے :

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : خَمْسٌ فَوَاسِقُ يَقْتُلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ الْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الْاَبْقَعُ،

وَالْفَارَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ، وَالْحِدَاَةُ))

[بخاری ۴۶۷/۱، مسلم ۳۸۱/۱، ترمذی ۱۹۷/۳، ابن ماجہ ۱۰۳۱/۲ (۳۰۸۷)]

"اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ اشیاء فاسق ہیں سانپ، کوا، چوہیا، کاٹنے والا کتا اور چیل"۔

امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: "اَمَّا الْغُرَابُ الْاَبْقَعُ فَهُوَ الَّذِیْ فِیْ ظَهْرِهٖ اَوْ بَطْنِهٖ بَيَاضٌ" ۳۸۱/۱ غراب البقع سے مراد وہ کو ہے جس کی پشت یا پیٹ پر کچھ سفیدی ہو۔

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جامع ترمذی میں اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسند احمد میں مروی ہے۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ کوّا فاسق ہے۔

② ((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلْحَيَّةُ فَاسِقَةٌ وَالْعَقْرَبُ فَاسِقَةٌ وَالْفَارَةُ فَاسِقَةٌ وَالْغُرَابُ فَاسِقٌ فَقِيْلَ لِلْقَاسِمِ اَيُؤْكَلُ الْغُرَابُ؟ قَالَ مَنْ يَأْكُلُهُ بَعْدَ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسِقًا))

[ابن ماجہ ۱۰۸۲/۲ (۳۲۴۹)، مسند احمد ۲۰۹/۶، ۲۳۸]

"عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سانپ فاسق ہے، بچھو فاسق ہے، چوہیا فاسق ہے اور کوا فاسق ہے۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوا کھایا جاتا ہے تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو فاسق کہنے کے بعد اسے کون کھاتا ہے"۔

③ ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ يَّاْكُلُ الْغُرَابُ؟ وَقَدْ سَمَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاسِقًا وَاللّٰهِ مَا هُوَ مِنَ الطَّيِّبٰتِ))

[ابن ماجہ ۱۰۸۲/۲ (۳۲۴۸)]

"ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوّا کون کھاتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کا نام فاسق رکھا ہے۔ اللہ کی قسم کوا پاکیزہ چیزوں میں سے نہیں ہے"۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ کوا فاسق ہے اور پاکیزہ چیزوں میں سے نہیں ہے لہٰذا اس کا کھانا حرام ہے۔ شریعت مطہرہ کی ان تصریحات کے باوجود حنفی حضرات کے نزدیک کوا مفتی بہ قول کے مطابق حلال ہے اس کا کھانا پکانا بالکل درست ہے۔

موجودہ زمانہ کے مشہور متعصب حنفی مولوی محمد حبیب اللہ ڈیروی کا اس مسئلہ پر اردو زبان میں ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام "الشئی العجاب فی حلۃ الغراب" یعنی کوا حلال ہے۔ اس میں مولوی حبیب اللہ ڈیروی نے موجودہ دیسی شہری کوا حلال قرار دیا ہے۔ اور اسے فقہ حنفی کا مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۱۷۲/۸ کے حوالہ سے لکھتا ہے:

وَنَوْعٌ يَخْلِطُ بَيْنَهُمَا وَهُوَ اَيْضًا يُؤْكَلُ عِنْدَ الْاِمَامِ وَهُوَ الْعَقْعَقُ لِاَنَّهٗ يَاْكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الدَّجَاجُ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهٗ يَكْرَهُ اُكْلَهٗ لِاَنَّهٗ غَالِبُ اَكْلِهِ الْجِيَفُ وَالْاُوْلٰى اَصَحُّ۔

"اور کوے کی ایک قسم دانہ اور مردار دونوں کھاتا ہے وہی کھایا جائے نزدیک امام اعظم کے اور اس کا نام عقعق ہے اس لیے کہ وہ مرغی کی طرح (گندگی اور دانہ) کھاتا ہے اور امام ابویوسف سے مروی ہے کہ اس کا کھانا مکروہ ہے اس لیے کہ اس کی اکثر غذا گندگیوں کا کھانا ہے اور اول قول امام اعظم کا زیادہ صحیح ہے"۔ (کوا حلال ہے ص ۴)

اسی طرح یہی بات فتاوی خانیہ برھامش فتاوی عالمگیری ۳۹۱/۳ طبع مصر کے حوالے سے لکھی ہے۔ مولوی سرفراز صفدر نے اپنی کتاب اتمام البرہان کے ص ۳۲۱ و ۳۲۲ میں مبسوط ۲۲۶/۱۱ اور عنایہ شرح ہدایہ ۶۲/۸ کے حوالہ سے ابوحنیفہؒ کا

مذہب یہی درج کیا ہے کہ کوّا حلال ہے۔

مولوی حبیب اللہ اپنے رسالہ "کوّا حلال ہے" کے صفحہ ۱۴۱ میں عقعق کا معنی شہری کوّا لکھتا ہے۔ اسی طرح اس کے دیسی و شہری ہونے کے دس حوالے درج کیے ہیں۔ اور یہ بات بار بار لکھی ہے کہ یہ کوّا جو ہمارے ارد گرد بیٹھتا ہے مفتی بہ قول کے مطابق حلال ہے' اس کا کھانا جائز ہے۔

علاوہ ازیں مولوی محمد نصیر الدین میرٹھی دیوبندی نے کوّے کی حلت پر ساٹھ سے زائد حنفی علماء کے فتاویٰ پر مشتمل ایک کتاب بنام "فصل الخطاب فی تحقیق مسئلة الغراب" لکھی اور مفتی رشید احمد لدھیانوی کے فتاووں پر مشتمل کتاب "احسن الفتاوی" کی ساتویں جلد میں ص ۴۳۹ تا ۴۵۸ میں اپنا فتویٰ اور مفتی محمد تقی کا فتوی "رفع الحجاب عن حکم الغراب" طبع ہوا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حنفی دیوبندی حضرات کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق شہری کوّا حلال ہے۔

نوائے وقت لاہور صفحہ ۲ مجریہ ۷ اگست ۱۹۷۶ء کی رپورٹ کے مطابق جامعہ حنفیہ سلاں والی ضلع سرگودھا میں حکیم شریف الدین' قاری فتح محمد کراچی والے' قاری محمد صدیق جھنگ والے اور حافظ محمد ادریس کے متفقہ فیصلے کے مطابق کوّے ذبح کر کے کھائے گئے اور فقہ حنفی کے فتویٰ پر مکمل عمل کیا گیا۔

فاتحہ پیشاب سے لکھنا

پیشاب نجس و پلید ہے اس کے ساتھ قرآنِ مجید لکھنا حرام ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا رَفَعَهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : عَامَّةُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ فَتَنَزَّهُوْا مِنَ الْبَوْلِ)) [دار قطنی ۱۲۸/۱]

"ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"عام عذاب قبر پیشاب سے ہوتا ہے پس تم پیشاب سے بچو"۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : اَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ.))

[دار قطنی ۱/۱۲۸، حاکم ۱/۱۸۳ وقال هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولا اعرف له علة ولم یخرجاه ووافقه الذهبی]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اکثر عذاب قبر پیشاب سے ہے"۔

امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور مجھے اس کے ضعف کی کوئی علت معلوم نہیں۔ شیخین نے اس کو نہیں نکالا۔ امام ذہبی نے بھی تلخیص میں امام حاکم کی موافقت کی ہے۔

ان احادیث سے یہ بات عیاں ہو گئی ہے کہ پیشاب نجس و پلید ۔ ہے اور اس پلیدی سے اجتناب نہ کرنے کے باعث عذاب قبر ہوتا ہے اور اس کی مثال بھی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کی قبر دیکھ کر بتایا کہ انہیں عذاب ہو رہا ہے جن میں سے ایک کو پیشاب سے اجتناب نہ کرنے کی بنا پر عذاب ہو رہا ہے۔ لہٰذا جب پیشاب پلید اور نجس ہے اس کے ساتھ سورۂ فاتحہ یا کوئی اور قرآنی آیت لکھنا بالکل حرام ہے اور قرآن مجید کی توہین ہے۔ اس کے برعکس فقہ حنفیہ میں سورۂ فاتحہ کو پیشاب کے ساتھ لکھنا جائز رکھا گیا ہے۔ فقہ حنفی کا یہ فتویٰ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں بلخ کے ایک بہت بڑے حنفی فقیہ ابو جعفر ھندوانی کے استاد ابوبکر محمد بن احمد اسکاف کی طرف منسوب ہو کر شائع ہوا۔ چنانچہ فتاوی قاضی خان باب الحظر والاباحة ۴/۳۶۵ میں موصوف سے منقول ہے :

((وَالَّذِیْ رُعِفَ فَلَا یَرْقَادَمُهٗ فَاَرَادَ اَنْ یَّكْتُبَ بِدَمِهٖ عَلٰی جَبْهَتِهٖ

شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَبُوْبَكْرِ الاسْكَافِ يُجُوْزُ قِيْلَ لَوْ كَتَبَ بِالْبَوْلِ قَالَ لَوْ كَانَ فِيْهِ شِفَاءٌ لَا بَأْسَ بِهٖ))

"اگر کسی کی نکسیر بند نہ ہوتی ہو تو اس نے اپنے ماتھے پر خون کے ساتھ قرآن میں سے کچھ لکھنا چاہا تو ابو بکر اسکاف نے کہا یہ جائز ہے کہا گیا اگر وہ پیشاب کے ساتھ لکھے تو اس نے کہا اگر اس میں شفاء ہو تو کوئی حرج نہیں"۔

یہی فتویٰ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ سراجیہ باب التداوی ص : ۷۵' البحر الرائق شرح کنز الدقائق باب تنزح البئر بوقوع نجس ص : ۱۱۶' حموی شرح الاشباہ والنظائر باب القاعدہ الخامسہ الضرر لا یزال ص : ۱۰۸ اور رد المحتار شرح الدر المختار المعروف فتاویٰ شامی باب التداوی بالمحرم ص : ۱۴۷۔ احناف کا یہ فتویٰ انتہائی غلط ہے اور قرآن مجید کی توہین ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلك

ایک بریلوی عالم مولوی غلام رسول سعیدی نے صحیح مسلم کی اردو زبان میں شرح لکھی ہے اس کی پہلی جلد میں "عبدالمجید شرقپوری برسٹل برطانیہ" کے تاثرات درج ہیں۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

"فقہ کی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ علاج کی غرض سے خون یا پیشاب کے ساتھ سورۂ فاتحہ کو لکھنا جائز ہے راقم الحروف نے اکثر علماء سے اس کے متعلق پوچھا مگر چونکہ یہ بات بڑے بڑے فقہاء نے لکھی ہے اس لیے سب نے اس مسئلہ پر سکوت اختیار کیا۔

علامہ سعیدی نے پہلی بار اس جمود کو توڑا وہ لکھتے ہیں :

"میں کہتا ہوں کہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورۂ فاتحہ لکھنے والے کا ایمان خطرہ میں ہے اگر کسی آدمی کو روزِ روشن سے زیادہ یقین ہو کہ اس عمل سے اس کو شفاء ہو جائے گی تب بھی اس کا مر جانا اس سے بہتر

ہے کہ وہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورۂ فاتحہ لکھنے کی جرأت کرے۔ اللہ تعالیٰ ان فقہاء کو معاف کرے جو بال کی کھال نکالنے اور جزئیات مستنبط کرنے کی عادت کی وجہ سے ان سے یہ قول شنیع سرزد ہو گیا ورنہ ان کے دلوں میں قرآن مجید کی عزت و حرمت بہت زیادہ تھی"۔

(شرح صحیح مسلم ج ۶ ص : ۵۵۷)

ملاحظہ ہو شرح صحیح مسلم جلد اول ص : ۶۶ مذکورہ بالا حوالہ سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کو پیشاب یا خون سے لکھنا فقہ حنفی کے اندر جائز قرار دیا گیا تھا جس پر مولوی غلام رسول سعیدی نے تبصرہ کرتے ہوئے اسے مرجانے سے بہتر قرار دیا۔ یعنی مذکورہ فقہاء مثلاً قاضی خان' ابوبکر اسکاف' ابن نجیم المعروف ابوحنیفہ ثانی' علامہ سراج الدین ' حموی' ابن عابدین شامی اور فتاویٰ عالمگیری کو مرتب کرنے والے سینکڑوں حنفی اس فتویٰ کو لکھ کر اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال گئے ہیں۔ ان کے لیے یہ فتویٰ دینے سے مرجانا بہتر تھا۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان حضرات کو فقہی جزئیات بیان کرتے ہوئے بال کی کھال اُدھیڑنے کی عادت تھی جس کی بنا پر انہوں نے بہت سے فضول اور لایعنی قسم کے فتاوے صادر کیے جس کی حقیقت فتاویٰ عالمگیری کے مطالعے سے واضح ہو جاتی ہے۔ اسی لیے ہم یہ دعوت دیتے ہیں کہ صحیح اور سیدھا دین قرآن و حدیث والا ہے اس کو مضبوطی سے تھامنے میں نجات ہے اللہ تعالیٰ اسی پر قائم و دائم رکھے۔ آمین!

تمت بالخیر
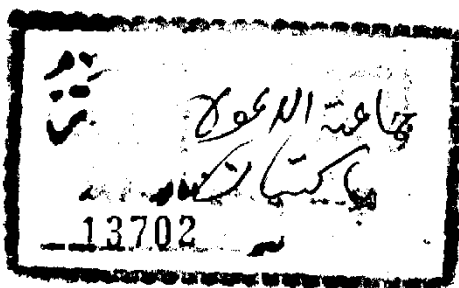
ایک نئے انداز میں

تخریج و تحقیق کے ساتھ

از قلم: امام حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ

مترجم: مولانا محمد جوناگڑھی رح

- ✓ قرآن کریم کا انتہائی خوبصورت متن
- ✓ کتاب کی خوبصورتی کے لئے قرآن کریم کا متن ہر صفحے کے اوپر دیا گیا ہے۔
- ✓ مضمون کے مطابق عنوان بندی اور پیرا گرافی کا اہتمام
- ✓ آیات اور احادیث کی تخریج کیساتھ احادیث پر صحت اور ضعف کا حکم لگا دیا گیا ہے۔
- ✓ آیات، عنوانات اور حوالہ جات نمایاں کرنے کیلئے سرخ رنگ میں دیئے گئے ہیں۔
- ✓ ۴۰۰ سے زائد صفحات کے اضافے کے باوجود مکتبہ قدوسیہ کی روایت کے مطابق قیمت نہایت مناسب

Ph: 7351124 - 7230585

Email: qadusia@brain.net.pk